الحمد للہ کہ

اس زمان میمنت اقتران میں

مجموعۂ

مثنویات میر حسن

جس میں سحر البیان یعنی

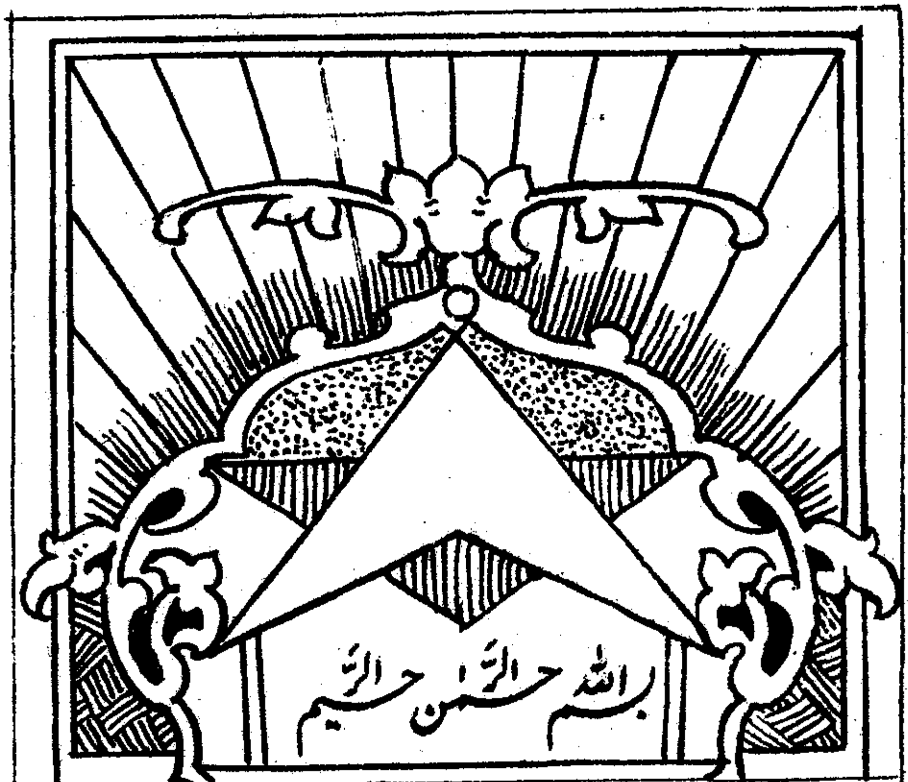
بے نظیر و بدر منیر

اور گلزار ارم و رموز العارفین شامل ہیں

باہتمام ایم۔ ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ

تیج کمار پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوا

۱۹۶۶ء



کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں — کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم پھر شہادت کی اُنگلی اُٹھا — ہوا حرف زن یوں کہ ربُّ العُلا
نہیں کوئی تیرا نہ ہوگا شریک — تری ذات ہے وحدہٗ لاشریک
پرستش کے قابل ہے تو اے کریم — کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم
رہِ حمد میں تیری عزّ و جل — تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل
وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے — قلم جو لکھے اُس سے افزود ہے
سبھوں کا وہی دین و ایمان ہے — یہ دل ہیں تمام اور وہی جان ہے
تر و تازہ ہے اُس سے گلزارِ خلق — وہ ابرِ کرم ہے ہوادارِ خلق

لیھو ادار - دو ہزار - نمبر غزلہ - ۱۲-۱۰-۱ء

اگرچہ وہ بے فکر و غیور[۱] ہے — و لے پرورش سب کی منظور ہے
کسی سے نہ بر آوے کچھ کامِ جاں — جو وہ مہرباں ہو تو کل مہرباں
اگرچہ یہاں کیا ہے اور کیا نہیں — پر اُس بن تو کوئی کسی کا نہیں
موئے پر نہیں اُس سے رفت و گذشت[۲] — اُسی کی طرف سب کی ہے بازگشت
رہا کون اور کس کی بابت[۳] رہی — موے اور جیتے وہی ہے وہی
نہاں سب میں اور سب میں ہے آشکار — یہ سب اس کے عالم ہیں ہژدہ[۴] ہزار
ورے سب ہیں اُس سے وُہ ہے سب سے بیش — ہمیشہ سے ہے اور رہے گا ہمیش
چمن میں ہے وحدت کے یکتا وہ گل — کہ مشتاق ہیں جس کے یاں جزو کل
اُسی سے ہے کعبہ اُسی سے کنشت[۵] — اُسی کا ہے دوزخ اُسی کا بہشت
جسے چاہے جنت میں دیوے مقام — جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام
وہ ہے مالکِ ملک دنیا و دیں — ہے قبضے میں اُس کے زمان و زمیں
سدا بے نمودوں[۶] کی اُس سے نمود — دل بستگاں[۷] کو ہے اُس سے کشود[۸]
اُسی کی نظر سے ہے ہم سب کی دید[۹] — اُسی کے سخن پر ہے گفت و شنید

۱ غیور - بہت غیرت مند - یہ لفظ بفتح اول و ضم ثانی بلا تشدید ہے ۲ رفت و گذشت گیا گذرا - بے تعلقی ۱۲ ۳ بابت - ذریعہ - سفارش ۱۲ ۴ یعنی اٹھارہ ہزار عالم ۱۲ ۵ کنشت - آتشکدہ - یہودیوں کا معبد ۱۲ ۶ بے نمود سے مراد عاجز - کم رتبہ حقیر لوگ ۱۲ ۷ دلبستگان مراد دل مایوساں ۱۲ ۸ کشود کشایش ۱۲ - ۹ یعنی ہماری قوت باصرہ اُسی کے حکم سے ہے - یا ہم سب اُسی کی نظر کو دیکھتے ہیں ۱۲ - آسی

وہی نور ہے سب طرف جلوہ گر	اُسی کے یہ ذرّے ہیں شمس و قمر
نہیں اس سے خالی غرض کوئی شے	وہ[1] کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے
نہ گوہر میں وہ ہے نہ ہے سنگ میں	ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں
وہ ظاہر ہیں[2] ہر چند ظاہر نہیں	پہ ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں
تامل سے کیجیے اگر غور پہ کچھ	تو سب کچھ وہی ہے نہیں اور کچھ
اُسی گل کی ہے بو سے خوشبو گلاب	پھرے ہے لیے ساتھ دریا حباب
پر اس جوش میں آ کے بہنا نہیں	سمجھنے کی ہے بات کہنا نہیں
قلم گو زباں لاوے اپنی ہزار	نہیں لکھ سکے حمد پروردگار
کہ عاجز ہے یاں انبیا کی زباں	زبانِ قلم کو یہ قدرت کہاں
اس عہدے[3] سے کوئی بھی نکلا نہیں	سوا عجز در پیش کچھ یاں نہیں
وہ معبود دیکھتا خدا ہے جہاں	کہ جس نے کیا کُن میں کون و مکاں
دیا عقل و ادراک اُس نے ہمیں	کیا خاک[4] سے پاک اُس نے ہمیں
پیمبر کو بھیجا ہمارے لیے	وصی[5] اور امام[6] اُس نے پیدا کیے
جہاں کو انھوں نے دیا انتظام	بُرائی بھلائی سمجھائی تمام
دکھائی انھوں نے ہمیں راہِ راست	کہ تا ہو نہ اُس راہ کی باز خواست[7]

[1] یعنی اُس کو کسی جسم کے ساتھ مجسم نہیں ٹھہرا سکتے ۱۲ [2] یعنی عبد و معبود ایک ہیں مگر ادب لازم ہے ۱۲ [3] عہدہ ذمہ داری - ذمہ عہدے کا عین تقطیع سے گرتا ہے ۱۲ [4] خاک سے پاک کرنا - ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ مرتبہ پر پہونچانا ۱۲ [5] وصی وہ جس کے حق میں وصیت کی جائے ۱۲ [6] امام - پیشوائے دین ۱۲ [7] باز خواست - دی ہوئی چیز پھر واپس مانگنا - پرسش ۱۲
آسی

سو وہ کون سی راہ شرعِ نبی	کہ جنت کے رستے کو سیدھی گئی

نعت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کون یعنی رسول کریم	نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمی لقب	پہ علم لدنی[1] کھلا دل پہ سب
ہوا علم دیں اُس کا جو آشکار	گذشتہ ہوئے حکم تقویم[2] پار
اُٹھا کفر اسلام ظاہر کیا	بتوں کو خدائی سے باہر کیا
کیا حق نے نبیوں کا سردار اسے	بنایا نبوت کا حقدار اُسے
نبوت جو کی حق نے اُس پر تمام	لکھا اشرف[3] الناس خیر الانام
بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے	خدا نے کیا اپنا محبوب اُسے
کروں اُس کے رتبہ کا کیا میں بیاں	کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں
مسیحؑ اُس کے خرگاہ[4] کا پارہ دوز	تجلّی طور اُس کی مشعل فروز
خلیلؑ اس کے گلزار کا باغباں	سلیمانؑ سے کئی مہردار[5] اُس کے ہاں
خضرؑ اُس کی سرکار کا آبدار[6]	زرہ ساز داؤدؑ سے واں ہزار

[1] علم لدنی - وہ علم جو بغیر اُستاد کے محض فضل الٰہی سے حاصل ہو ۱۲ [2] تقویم پارینہ پرانی جنتری - مراد بیکار ۱۲ [3] اشرف الناس - آدمیوں میں سب سے زیادہ بزرگ خیر الانام دنیا کا بہتر آدمی ۱۲ [4] خرگاہ ایک قسم کا بڑا خیمہ - اُمرا کا خیمہ پارہ دوز پیوند لگانے والا ۱۲ [5] مہردار - وہ عہدہ دار جس کی سپردگی میں امرا و سلاطین کی مہریں ہوں ۱۲ [6] آبدار - بادشاہوں اور امیروں کے یہاں کا وہ منصب دار جس کے سپرد پانی پلانے کی خدمت ہو ۱۲

محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں ۔ ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
یہ بھی رمز جو اُس کے سایہ نہ تھا ۔ کہ زنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کا سایہ کے تھا یہ سبب ۔ ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب
وہ قد اس لیے تھا نہ سایہ فگن ۔ کہ تھا کل وہ اک معجزے کا بدن
بنا سایہ اُس کا لطیف اس قدر ۔ نہ آیا لطافت کے باعث نظر
عجب کیا جو اُس گل کے سایہ نہو ۔ کہ تھا وہ گل قدرتِ حق کی بو
خوش آیا نہ سایہ کو ہونا جدا ۔ اُسی نورِ حق کے رہا زیر پا
نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھاؤں ۔ کسی کا نہ منہ دیکھا دیکھ اُس کے پاؤں
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر ۔ قدم اُس کے سایہ کا تھا عرش پر
نہ ہونے کی سائے کے اک وجہ اور ۔ مجھے خوب سوجھی یہ ہے شرط غور
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر ۔ سمجھ مایۂ نور کحل البصر[52]
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا ۔ زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب ۔ وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ بھی چشم اپنی کہاں ۔ اُسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا ۔ ملائک کے دل میں سمایا رہا

منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نہیں ہمسر اُس کا کوئی جز علیؑ ۔ کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی

۵۱ جگ۔ مراد زمانہ ۱۲-آسی ۵۲ آنکھ کا سرمہ ۱۲

ہوئی جو نبوت نبیؐ پر تمام ۔ ہوئی نعمت اُس کے وصی پر تمام
جہاں فیض سے اُن کے ہے کامیاب ۔ نبیؐ آفتاب و علیؓ ماہتاب
علیؓ دین و دنیا کا سردار ہے ۔ کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
دیارِ امامت کے گلشن کا گل ۔ بہارِ ولایت کا باغ سُبل
علیؓ راز دارِ خدا و نبیؐ ۔ خبردارِ سرِ خفی و جلی
علیؓ بندۂ خاص درگاہِ حق ۔ علیؓ سالک و رہبر و راہِ حق
علیؓ ولی ابن عمِ رسولؐ ۔ لقب شاہِ مرداں و زوجِ بتول[53]
کہے یوں جو چاہے کوئی بیر سے ۔ یہ نسبت علیؑ کو نہیں غیر سے
خدا نفس پیغمبرش خواندہ است[54] ۔ وگر را فضیلت نہ کس ماندہ است
یہاں بات کی اب سمائی نہیں ۔ نبی اور علی میں جدائی نہیں
نبیؐ اور علیؓ ہر دو نسبت بہم ۔ دو تا ویکے[55] چوں زبانِ قلم
علیؓ کا عدو دوزخی دوزخی ۔ علیؑ کا محب جنتی جنتی
نبیؐ و علیؓ فاطمہؑ اور حسنؓ ۔ حسینؓ ابن حیدر یہ ہیں پنجتن
ہوئی اُن پہ دو جگ کی خوبی تمام ۔ انھوں پر درود اور انھوں پر سلام
علیؓ سے لگا تا بہ مہدی دیں ۔ یہ ہیں ایک نور خدا سے بریں
انھوں سے ہے قائم امامت کا گھر ۔ کہ بارہ ستوں ہیں یہ اثنا عشر

۵۳ زوج بتول۔ یعنی شوہر حضرت فاطمہ علیہا السلام ۱۲ ۵۴ ترجمہ خدائے تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کو نفس پیغمبر قرار دیا ہے۔ دوسرے کے لیے کوئی فضیلت نہیں رہی ۱۲
۵۵ وہ دو ہیں مگر پھر بھی زبان قلم کی طرح ایک ہیں ۱۲-آسی

صغیرہ[1] کبیرہ سے یہ پاک ہیں / حساب عمل سے یہ بیباک ہیں
ہوا یاں سے ظاہر کمالِ رسولؐ / کہ بہتر ہوئی سب سے آلِ رسولؐ

تعریف اصحاب پاک رضوان اللہ علیہم اجمعین

سلام ان پہ جو اُس کے اصحابؓ ہیں / وہ اصحاب کیسے کہ احباب ہیں
خدا نے اُنھوں کو کہا مومنیں / وہ ہیں زینتِ آسمان و زمیں
خدا[2] اُن سے راضی رسولؐ اُن سے خوش / علیؓ اُن سے راضی بتولؓ اُن سے خوش
ہوئی فرض اُن کی ہمیں دوستی / کہ ہیں دل سے وہ جاں نثارِ نبیؐ

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الٰہی بحق رسولِ امیں / بحقِ علیؓ و اصحابؓ دیں
بحق بتولؓ و بآل رسول / کروں عرض جو میں سو ہووے قبول
الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں / گناہوں سے اپنے گرانبار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار / کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
مری عرض یہ ہے کہ جبتک جیوں / شرابِ محبت کو تیری پیوں
سوا تیری اُلفت کے اور سب ہے ہیچ / یہی ہو نہ ہو اور کچھ اینچ پیچ[3]
جو غم ہو تو ہو آلِ احمدؐ کا غم / سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم

۱؎ صغیرہ۔ چھوٹے گناہ۔ کبیرہ۔ بڑے گناہ ۱۲ ۲؎ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ
ترجمہ۔ وہ خدا سے خوش خدا اُن سے خوش ۱۲ آسی ۳؎ مراد جھگڑا ۱۲۔ آسی

رہے سب طرف سے مرے دل کو چین / بحق حسنؓ اور بحق حسینؓ
کسی سے نہ کرنی پڑے التجا / تو کر خود بخود میری حاجت روا
صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ / خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ
مری آل و اولاد کو شاد رکھ / مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
میں کھاتا ہوں جن کا نمک اے کریم / سدا رحم کر اُن پہ تو اے رحیم
جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ / رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ
برآویں مرے دین و دنیا کے کام / بحقِ محمد علیہ السلام

تعریف سخن

پلا مجھ کو ساقی شرابِ سخن / کہ مفتوح[1] ہو جس سے بابِ سخن
سخن کی مجھے فکر دن رات ہے / سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے
سخن کے طلبگار ہیں عقلمند / سخن سے ہے نام نکویان بلند
سخن کی کریں فکر مردانِ کار / سخن نام اُن کا رکھے برقرار
سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام / جنھیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام
سخن سے سلف[2] کی بھلائی رہے / زبان قلم سے بڑائی رہے
کہاں رستم و گیو و افراسیاب / سخن سے رہی یاد یہ نقل خواب
سخن کا صلہ یار دیتے رہے / جواہر سدا مول لیتے رہے
سخن کا سدا گرم بازار ہے / سخن سنج اُس کا خریدار ہے

۱؎ مفتوح۔ کشادہ ۱۲ آسی ۲؎ سلف۔ گذرے ہوئے لوگ ۱۲

رہے جب تلک داستانِ سخن ‏ ‏ ‏ الٰہی رہیں قدردانِ سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

خدیو فلک شاہ عالی گہر ‏ ‏ ‏ زمیں بوس ہیں جس کے شمس و قمر
جہاں اُس کے پرتو سے ہے کامیاب ‏ ‏ ‏ وہ ہے بُرج اقلیم میں آفتاب
اُسی مہر سے ہے منور یہ ماہ ‏ ‏ ‏ جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ
وہ مہر منور یہ ماہِ منیر ‏ ‏ ‏ اور اُس کا یہ نجم سعادت وزیر

مدح وزیر الممالک جناب نواب آصف الدولہ بہادر کی

فلک رُتبہ نواب عالی جناب ‏ ‏ ‏ کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطاب
وزیر جہاں حاکم عدل و داد ‏ ‏ ‏ ہے آبادئ ملک جس کی مُراد
جہاں عدل سے اُس کے آباد ہے ‏ ‏ ‏ فقیروں غریبوں کا دل شاد ہے
پھرے بھاگتا مور سے فیل مست ‏ ‏ ‏ زبردست ظالم یہ ہے زیر دست
کتاں پر کرے مہ اگر بد نظر ‏ ‏ ‏ تو آدھا اِدھر اور آدھا اُدھر
کسی کا اگر مفت لے زلف دل ‏ ‏ ‏ تو کھایا کرے پیچ وہ متصل
وہ انصاف سے جو گذرتا نہیں ‏ ‏ ‏ کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں
نہ ہو باگھ بکری میں کچھ گفتگو ‏ ‏ ‏ اگر اُس کا چیتا نہ ہووے کبھو
اگر آواز سن صید کی کچھ کہے ‏ ‏ ‏ تو باز آئے چیہنچ کہ بہری رہے

۱ بادشاہ ۱۲ آسی ۲ باگھ۔ شیر ۱۲ ۳ سوچا ہوا ۱۲ ۴ چیہنچ۔ ایک قسم کی ابابیل۔ بہری ایک پرند ۱۲

پھرے شمع کے گرد گرد آ کے چور ‏ ‏ ‏ صبا کھینچ لے جاوے اُس کو بزور
نہ لے جب تلک شمع پروانگی ‏ ‏ ‏ پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی
اگر آپ سے اُس پہ وہ آ گرے ‏ ‏ ‏ تو فانوس میں شمع چھپتی پھرے
گرا حیاناً اُس کے جلیں بال و پر ‏ ‏ ‏ تو گلگیر لے شمع کا کاٹ سر
اُسے عدل کی جو طرح یاد ہے ‏ ‏ ‏ کسے یاد ہے یہ خداداد ہے
ستم اُس کے ہاتھوں سے رویا کرے ‏ ‏ ‏ سدا فتنۂ دہر سویا کرے
گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں سب ‏ ‏ ‏ پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب
وہ ہے باعث امن خرد و کلاں ‏ ‏ ‏ کہ ہے نام سے اُس کے مشتق اماں

بیان سخاوت کا

بیانِ سخاوت کروں جو رقم ‏ ‏ ‏ تو زر ریز کاغذ پہ ہووے قلم
نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر ‏ ‏ ‏ دیا مثل نرگس اُسے سیم و زر
سخاوت یہ ادنیٰ سی اک اُس کی ہے ‏ ‏ ‏ کہ اک دن دو شالے دیے سات سے
سوا اس کے ہے اور یہ داستان ‏ ‏ ‏ کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جان
ہوئی کم جو اک بار کچھ برشگال ‏ ‏ ‏ گرانی سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا ‏ ‏ ‏ توکل کا بھی پاؤں چلنے لگا

۱ شمع کا چور وہ رخنہ جو شمع میں ایک طرف کے گھلنے سے پڑتا ہے ۱۲ ۲ پروانگی اجازت ۱۲ ۳ احیاناً۔ اتفاقاً کبھی کبھی ۱۲ ۴ طرح مجازاً حکمت صورت۔ طریقہ ۱۲ ۵ برشگال۔ برسات ۱۲ ۶ گرانی قحط۔ کال پڑنا ۱۲ ۷ پاؤں چلنا۔ پاؤں ڈگنا۔ لڑکھڑانا ۱۲ آسی

رہے جب تلک داستانِ سخن
الٰہی رہیں قدر دانِ سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

خدیو[1] فلک شاہ عالی گہر
زمیں بوس ہیں جس کے شمس و قمر

جہاں اُس کے پرتو سے ہے کامیاب
وہ ہے بُرج اقلیم میں آفتاب

اُسی مہر سے ہے منور یہ ماہ
جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ

وہ مہر منور یہ ماہِ منیر
اور اُس کا یہ نجم سعادت وزیر

مدح وزیر الممالک جناب نواب آصف الدولہ بہادر کی

فلک رُتبہ نواب عالی جناب
کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطاب

وزیر جہاں حاکم عدل و داد
ہے آبادیٔ ملک جس کی مُراد

جہاں عدل سے اُس کے آباد ہے
فقیروں غریبوں کا دل شاد ہے

پھرے بھاگتا مور سے فیل مست
زبردست ظالم یہ ہے زیر دست

کتاں پر کرے مہ اگر بد نظر
تو آدھا اِدھر اور آدھا اُدھر

کسی کا اگر مفت لے زلف دل
تو کھایا کرے پیچ وہ متصل

وہ انصاف سے جو گذرتا نہیں
کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں

نہ ہو باگھ[2] بکری میں کچھ گفتگو
اگر اُس کا چیتا[3] نہ ہووے کبھو

اگر آواز سن صید کی کچھ کہے
تو باز آئے چیچ[4] کہ بہری رہے

۱ بادشاہ ۱۲ آسی ۲ باگھ۔ شیر ۱۲ ۳ سوچا ہو ۱۲ ۴ چیچ۔ ایک قسم کی ابابیل۔ بہری ایک پرند ۱۲

پھرے شمع[1] کے گرد گر آ کے چور
صبا کھینچ لے جاوے اُس کو بزور

نہ لے جب تلک شمع پروانگی[2]
پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی

اگر آپ سے اُس پہ وہ آگرے
تو فانوس میں شمع چھپتی پھرے

گراحیانا[3] اُس کے جلیں بال و پر
تو گلگیر لے شمع کا کاٹ سر

اُسے عدل کی جو طرح[4] یاد ہے
کسے یاد ہے یہ خداداد ہے

ستم اُس کے ہاتھوں سے رویا کرے
سدا فتنۂ دہر سویا کرے

گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں سب
پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب

وہ ہے باعث امن خرد و کلاں
کہ ہے نام سے اُس کے مشتق اماں

بیان سخاوت کا

بیانِ سخاوت کروں جو رقم
تو زر ریز کاغذ پہ ہووے قلم

نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر
دیا مثل نرگس اُسے سیم و زر

سخاوت یہ ادنیٰ سی اک اُس کی ہے
کہ اک دن دوشالے دیے سات سے

سوا اس کے ہے اور یہ داستان
کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جان

ہوئی کم جو اک بار کچھ برسگال[5]
گرانی[6] سی ہونے لگی ایک سال

غریبوں کا دم سا نکلنے لگا
توکل کا بھی پاؤں[7] چلنے لگا

۱ شمع کا چور وہ رخنہ جو شمع میں ایک طرف کے گھلنے سے پڑتا ہے ۱۲ ۲ پروانگی اجازت ۱۲ ۳ احیاناً۔ اتفاقاً کبھی کبھی ۱۲ ۴ طرح مجازاً حکمت صورت۔ طریقہ ۱۲ ۵ برسگال۔ برسات ۱۲ ۶ گرانی قحط۔ کال پڑنا ۱۲ ۷ پاؤں چلنا۔ پاؤں ڈگنا۔ لڑکھڑانا ۱۲ آسی

وزیر الممالک نے تدبیر کر — خدا کی دیا راہ میں مال و زر
محلہ محلہ کیا حکم یہ — کہ ناڑے[1] سے اس غم کی کھولیں گرہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیے — کئی لاکھ لاکھ ایک دن میں دیے
یہ لغزش پڑی ملک میں جو تمام — لیا ہاتھ نے اُس کے گرتوں کو تھام
یہ بندہ نوازی یہ جاں پروری — یہ آئین سرداری و سروری
ہوئی ذات پر اُس سخی کی تمام — تکلف ہے آگے سخاوت کا نام
فقیروں کی تو یاں تلک ہے بنی — کہ ایک ایک یاں ہو گیا ہے غنی
یہ کیا دخل آواز دے جو گدا — چٹکنے کی گل کے نہ ہووے صدا
نہ ہو اُس کا شال جو ابر کرم — اثر ابر نیساں[2] سے ہووے عدم
قدح لیکے نرگس جو ہووے کھڑی — تو خجلت سے جاوے زمیں میں گڑی
ہر اک کام اُس کا جہاں کی مراد — فلاطوں طبیعت ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر — تب اُس کو دیا ہے یہ کچھ مال و زر

بیان شجاعت کا

لکھوں گر شجاعت کا اُس کی بیاں — قلم ہو مرا رستم داستاں
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جس پر اُٹھائے — اجل کا طمانچہ قسم اُس کی کھائے

[1] کچا سرخ زرد رنگا ہوا سوت ۱۲ [2] مشہور ہے کہ ابر نیساں یعنی اُس گھٹا کا پانی جو نوروز سے چالیس دن بعد برستا ہے اور مشہور ہے کہ اُس پانی سے سیپ میں موتی اور بانس میں بنسلوچن بنتا ہے ۱۲ آسی

کرے جس جگہ زور اُس کا نمود — دلِ آہن اُس جا پہ ہووے کبود
چلے تیغ گر اُس کی روزِ مصاف[1] — نظر آئے دشمن سے میدان صاف
اگر بے حیائی سے کوئی عدو — ملا دیوے اُس تیغ سے منہ کبھو
تو ایسے ہی کھا کر گرے سر کے بل — کہ سر پر کھڑی اُس کے رُوئے اجل
نہ ہو کیونکہ وہ تیغ برقِ غضب — کہ بُرش کی تشدید جوہر ہیں سب
ہوئی ہم قسم اُس کی تیغ اجل — نکل آئے یہ گر پڑے وہ اُگل
لگا دے اگر کوہ پر ایک بار — گذر جائے یوں جیسے صابن سے تار
غضب سے غضب اُس کے کانپا کرے — تہور سے ہیبت بھی اُس کے ڈرے
اور اس زور پر ہے یہ حلم و حیا — کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا
جہاں تک کہ ہیں علم و کسب کمال — ہر اک فن میں ماہر ہے وہ خوش خصال
سخنداں سخن سنج شیریں زباں — وزیر جہان و وحید زماں
سخن کی نہیں اُس سے پوشیدہ بات — غوامض[2] ہیں سب سہل اُن کے نکات[3]
سلیقہ ہر اک فن میں ہر بات میں — نکلتی نئی بات دن رات میں
سدا سیر پر اور تماشے پہ دل — کشادہ دلی اور خوشی متصل
نہ ہو اُس کو کیونکر ہوا ئے شکار — تہور شعاروں کا ہے یہ شعار
دلیروں کو ہے بس دلیروں سے کام — کہ رہتا ہے شیروں کو شیروں سے کام
شہاں[4] را ضرورست مشق شکار — کہ آید پے صید دلہا بکار

[1] لڑائی میں فوج کے صف باندھنے کی جگہ مجازاً میدان جنگ ۱۲ [2] غوامض۔ باریکیاں ۱۲ [3] نکات نکتہ کی جمع ۱۲۔ آسی۔ [4] ترجمہ بادشاہوں کو شکار کی مشق ضروری ہے کہ دلوں کے شکار کرنے میں کام آئے ۱۲

کھلے بند ہیں جتنے صحرا میں صید
ہیں نواب کے دام الفت میں قید

ز مہرش دل آہواں سوختہ[1]
بفتراک او چشمہا دوختہ

شجاعت کا ہمت کا یہ کام ہے
درم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے

نہ ہوتا اگر اُس کو عزم شکار
درندوں سے بچتا نہ شہر و دیار

نہ بچتے جہاں بیچ خرد و بزرگ
یہ ہو جاتے سب لقمۂ شیر و گرگ

یہ انسان پر اُس کا احسان ہے
کہ بے خوف انسان کی جان ہے

بنائی جہاں اُس نے نخچیر گاہ[2]
رہے صید واں آکے شام و پگاہ

رکھا صید بحری پہ جس دم خیال
لیا پشت پر اپنی ماہی نے جال

مگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر
کہ ٹاپو یہ گرتے ہیں آن آن کر

نہ سمجھو نکلتی ہیں دریا میں سوس[3]
خوشی سے اُچھلتی ہیں دریا میں سوس

چرندوں کا دل اُس طرف ہے لگا
پرندوں کو رہتی ہے اُس کی ہوا

پلنگوں کا ہے بلکہ چیتا[4] بھی
کمر آبندھائے ہماری کوئی

خبر اُس کی سُن کر نہ گینڈا چلے
کہ ہاتھی بھی ہو مست اینڈا چلے

جو کچھ دل میں گینڈے کے آوے خیال
تو بھاگے اُس آگے سر اپنی ڈال

کھڑے ارنے[5] ہوتے ہیں سر جوڑ جوڑ
کہ جی کون دیتا ہے بدبد کے ہوڑ[6]

[1] ترجمہ اُس کی محبت سے ہرنوں کا دل جلا ہوا ہے۔ اُس کے فتراک (تسمۂ شکار بند) پر آنکھیں لگائے ہیں ۱۲ [2] نخچیر گاہ۔ شکار کرنے کی جگہ ۱۲ [3] سوس۔ ایک دریائی درندہ جانور ۱۲ [4] چیتا۔ خیال۔ سوچا ہوا ۱۲ آسی [5] ارنا۔ جنگلی سانڈ۔ جنگلی بھینسا ۱۲ [6] ہوڑ بدنا۔ شرط بدنا۔ ۱۲۔ آسی

اطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل
پلک اُس کی آنکھوں میں ہو رود نیل

سو وہ تو اطاعت میں یکدست ہیں
نشے میں محبت کے سب مست ہیں

اُسی کے لیے گو کہ ہیں یہ پہاڑ
قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ

کہ شاید مشرف سواری سے ہوں
سرافراز چل کر عماری[1] سے ہوں

چلن جب کہ ہووے یہ حیوان کے
تو پھر حق بجانب ہے انسان کے

کسے ہو نہ صحبت کی اُس کی ہوس
وہ لے کیا کریں جو نہ ہو دسترس

عجز و انکسار مصنف اور عرض کرنا داستان کا

فلک بارگاہا[2] ملک درگہا
جدا میں جو قدموں سے تیرے رہا

نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے
رکھا مجھ کو محروم تقدیر نے

پر اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش
دیا ہے مدد سے تری مجھ کو ہوش

سو میں اک کہانی بنا کر نئی
دُر فکر سے گوندھ لڑیاں کئی

لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز
یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

مرا عذر تقصیر ہووے قبول
بحق علی و آل رسول

رہیں شاد و آباد کُل خیر خواہ
پھریں اس گھرانے کے دشمن تباہ

رہے جاہ و حشمت ترا یہ مدام
بحق محمد علیہ السّلام

اب آگے کہانی کی ہے داستاں
ذرا سنیے دل دے کے اس کا بیاں

[1] عماری۔ ہودہ ۱۲ [2] بارگاہا اور درگہا میں الف ندائیہ ہے ۱۲ آسی

آغاز داستان

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ

بہت حشمت و جاہ و مال و منال
بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال

کئی بادشاہ اُس کو دیتے تھے باج[1]
خطا و ختن سے وہ لیتا خراج

کوئی دیکھتا آکے جب اس کی فوج
تو کہتا کہ ہے بحر ہستی کی موج

طویلے کے اُس کے جو ادنیٰ تھے خر[2]
اُنھیں نعلبندی[3] میں ملتا تھا زر

جہاں تک کہ سرکش تھے اطراف کے
وہ اس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے

رعیت تھی آسودہ و بے خطر
نہ غم مفلسی کا نہ چوری کا ڈر

عجب شہر تھا اُس کا مینو سواد[4]
کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد

لگے تھے ہر اک جا پہ واں سنگ و خشت
ہر اک کوچہ اُس کا تھا رشک بہشت

زمیں سبز و سیراب عالم تمام
نظر کو طراوت وہاں صبح و شام

عمارت تھی گچ کی وہاں بیشتر
کہ گذرے صفائی سے جس پر نظر

کہیں چاہ منبع کہیں حوض و نہر
ہر اک جا پہ آب لطافت کی لہر

کروں اُس کی وسعت کا کیا میں بیاں
کہ جوں اصفہاں[5] تھا وہ نصف جہاں

ہنرمند واں اہل حرفہ تمام
ہر اک نوع کی خلق کا ازدحام

[1] باج محصول۔ خطا و ختن۔ دو شہروں کے نام [2] کم رتبہ آدمی ۱۲ [3] گھوڑے کی نعل جڑنا ۱۲ [4] بہشت کی سی رونق ۱۲ [5] اصفہان عراق کا ایک مشہور و معروف شہر جہاں کی تلوار اور سرمہ مشہور ہیں ۱۲۔ آسی

یہ دلچسپ بازار تھا چوک کا
کہ ٹھہرے جہاں پر وہیں دل لگا

جہاں تک کہ رستے تھے بازار کے
کہے تو کہ تختے تھے گلزار کے

وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
سپیدی پہ جس کی نہ ٹھہرے نظر

صفا پر جو اُس کی نظر کر گئے
اُسے دیکھ کر سنگ مرمر گئے

کہوں قلعہ کی اُس کی ہیں کیا شکوہ
گئے دب بلندی کو دیکھ اُس کی کوہ

وہ دولت سرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ

سدا عیش و عشرت سدا اک ترنگ
نہ تھا زیست سے اپنی کوئی بتنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا وہ عجب بادشاہ

نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر
ہوئے اُس کی دولت سے گھر گھر امیر

کہاں تک کہوں اُس کا جاہ و حشم
محل و مکاں اُس کا رشک ارم[1]

سدا ماہرویوں سے صحبت اُسے
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اُسے

ہزاروں پری پیکر اُس کے غلام
کمر بستہ خدمت میں حاضر مدام

کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم
مگر ایک اولاد کا تھا الم

اسی بات کا اُس کے تھا دل پہ داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

دنوں[2] کا عجب اُس کے یہ پھیر تھا
کہ اُس روشنی پر یہ اندھیر تھا

وزیروں کو اک روز اُس نے بلا
جو کچھ دل کا احوال تھا سو کہا

کہ میں کیا کروں گا یہ مال و منال
فقیری کا ہے میرے دل کو خیال

[1] شداد کی بنائی ہوئی جنت ۱۲ [2] دنوں کا پھیر گردش قسمت ۱۲ آسی

فقیر اب نہ ہوں تو کروں کیا علاج
نہ پیدا ہوا وارثِ تخت و تاج

جوانی تو میری گئی اب گذر
نمودار پیری ہوئی سربسر

دریغا[1] کہ عہد جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت

بہت ملک پر جان کھویا کیا
بہت فکر دنیا میں سویا کیا

مآل

زہے[2] بے تمیزی و بے حاصلی
کہ از فکر دنیا و دیں غافلی

وزیروں نے کی عرض کاٹے[3] آفتاب
نہ ہو ذرہ تجھ کو کبھی اضطراب

فقیری جو کیجئے تو دنیا کے ساتھ
نہیں خوب جانا اُدھر خالی ہاتھ

کرو سلطنت لیکن اعمال نیک
کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک

جو عاقل ہوں وہ سوچ میں ٹک[4] ہیں
کہ ایسا نہ ہووے کہ پھر سب کہیں

تو کار زمیں[5] را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

یہ دنیا جو ہے مزرع[6] آخرت
فقیری میں ضائع کرو اس کو مت

عبادت سے اس کشت[7] کو آب دو
کہ واں جا کے خرمن بھی تیار لو

رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات
کہ اس فیض سے ہے تمھاری نجات

مگر ہاں جو اولاد کا ہے یہ غم
سو اس کا تردد بھی کرتے ہیں ہم

عجب کیا کہ ہووے تمھارے خلف[8]
کرو تم نہ اوقات اپنی تلف

[1] افسوس کہ جوانی کا زمانہ گذر گیا جوانی کیوں کہو زندگی ہی گذر گئی ۱۲ آسی [2] ترجمہ تو عجب بے تمیز اور فضول آدمی ہے کہ دنیا اور دین کی فکر سے تو غافل ہے ۱۲ [3] کاٹے سکے لے ۱۲ [4] ٹک ذرا ۱۲ [5] ترجمہ تو نے دنیا کا کام خوب بنایا ہے۔ کہ آسمان کی طرف توجہ کی ہے ۱۲ [6] مزرع۔ کھیت۔ کھیتی ۱۲
[7] کشت۔ کھیتی ۱۲ [8] خلف لڑکا باپ کا قائم مقام ۱۲ آسی

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو
کہ قرآن میں آیا ہے لاتقنطوا[1]

بلاتے ہیں ہم اہل تنجیم[2] کو
نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو

تسلی تو دی شاہ کو اس نمط[3]
ولے اہل تنجیم کو بھیجے خط

نجومی و رمال اور برہمن
غرض یاد تھا جن کو اس ڈھب کا فن

بلا کر انھیں شہ کنے[4] لے گئے
جوں ہی روبرو سب وہ شہ کے گئے

پڑا جب نظر وہ شہ تاج و تخت
دُعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار بخت

کیا قاعدے سے ٹھہر کر سلام
کہا شہ نے میں تم سے رکھتا ہوں کام

نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب
مرا ہے سوال اُس کا لکھو جواب

نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں
کسی سے بھی اولاد ہے یا نہیں

یہ سن کر وہ رمال طالع شناس
لگے کھینچنے زائچے[5] بے قیاس

دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ
لگا دھیان اولاد کا اُس کے ساتھ

جو پھینکیں تو شکلیں کئی بیٹھیں مل
کئی شکل سے دل گیا اُن کا کھل

جماعت نے رمال کی عرض کی
کہ ہے گھر میں امید[6] کی کچھ خوشی

یہ سُن ہم سے اے عالموں کے شفیق
بہت ہم نے تکرار کی ہر طریق

بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی
تو ایک ایک نقطہ ہے فرد خوشی

ہے اس بات پر اجتماع تمام
کہ طالع میں فرزند ہے تیرے نام

[1] لاتقنطوا من رحمۃ اللہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۱۲ [2] اہل تنجیم۔ نجومی۔ ستارہ شناس ۱۲
[3] نمط۔ طرح۔ آسی [4] پاس ۱۲ [5] زائچہ۔ جنم پترا۔ وہ شکلیں جو رمال سوال کا جواب دیتے وقت بناتے ہیں ۱۲ [6] امید۔ حمل ۱۲

زن[1] وزوج کی شکل میں ہے فرح — پیا کرے وصل کا تو قدح
نجومی بھی کہنے لگے در جواب — کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب
نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل — عمل اپنا سب کرچکا ہے زحل[2]
ستارے نے طالع نے بدلے ہیں طور — خوشی کا کوئی دم میں آتا ہے دور
نظر کی جو تسدیس[3] و تثلیث[4] پر — تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر
جبؑ
کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار[5] — تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار
جنم پترا شاہ کا دیکھ کر — تلا[6] اور برچھیک[7] پر کر نظر
کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا[8] — چندرماں[9] سا بالک[10] ترے ہوئے گا
نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن[11] — نہ ہو گر خوشی تو نہیں برہمن

[1] نام اشکال رمل کا ۱۲ [2] ایک ستارہ جس کو منحوس بتایا جاتا ہے ۱۲ آسی [3] تسدیس اہل نجوم کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ دو ستاروں کے درمیان میں برج یا گیارہ کا فاصلہ ہو جیسے قمر حمل میں ہو اور مشتری جوزا میں یا قمر جوزا میں ہو اور مشتری حمل میں اور یہ نیم دوستی ہے اور اس کو تسدیس اس لیے کہتے ہیں کہ قمر اور دوسرے ستارے میں ساٹھ درجہ کا فاصلہ ہے جو آسمان کا چھٹا حصہ ہوتا ہے ۱۲ [4] تثلیث اصطلاح اہل نجوم میں قمر کا سعد ستارہ کے ساتھ پانچ یا نو برجوں کے فاصلہ پر ہونا جیسے قمر حمل میں ہو اور مشتری اسد میں۔ یا مشتری قوس میں ہو اس صورت میں حمل سے اسد تک پانچ اور حمل سے قوس تک نو خانہ ہیں ان سے نظر دوستی تمام کا پتہ دیتی ہے اور یہ ستارہ سعد خادم اور ناظر سمجھا جائے گا اور اس کو تثلیث اس سبب سے کہتے ہیں کہ قمر اور سعد میں فاصلہ بحساب درجات آسمان کا تیسرا حصہ ہوتا ہے ۱۲ [5] فکر۔ غور ۱۲ [6] تلا برج میزان ۱۲ [7] برچھک برج عقرب ۱۲ [8] دیا۔ مہربانی ۱۲ [9] چندرماں۔ چاند سا ۱۲ [10] بالک۔ لڑکا۔ [11] بچن۔ باتیں ۱۲ آسی

مہاراج کے ہوں گے مقصد شتاب — کہ آیا ہے اب پانچواں[1] آفتاب
نصیبوں نے کی آپ کے یاوری — کہ آئی ہے اب ساتویں[2] مشتری
مقرر ترے چاہیے ہو پسر — کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی[3] خبر
ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی — کہ ہیں اس بھلے میں برے طور بھی
یہ لڑکا تو ہوگا ولے کیا کہیں — خطر ہے اسے بارھویں برس میں
نہ آئے یہ خورشید بالائے بام — بلندی سے خطرہ ہے اُس کو تمام
نہ نکلے یہ بارہ برس رشک مہ — رہے برج میں یہ مہ چار دہ
کہا سن کے یہ شہ نے اُن کے تئیں — کہو جی کا خطرہ تو اس کو نہیں
کہا جان کی سب طرح خیر ہے — مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اُس پہ عاشق ہو جن و پری — کوئی اس کی معشوق ہو استری[4]
کچھ ایسا نکلتا ہے پوتھی میں اب — خرابی ہو اس پر کسی کے سبب
ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم — کہ دنیا میں توام ہے شادی و غم
کہا شہ نے اس پر نہیں اعتبار — جو چاہے کرے میرا پروردگار
یہ فرما محل میں درآمد ہوئے — منجم وہاں سے برآمد ہوئے
خدا پر زبس اس کو تھا اعتقاد — لگا مانگنے اپنے حق سے مراد
خدا سے لگا کرنے وہ التجا — لگا آپ مسجد میں رکھنے دیا[5]
نکالا مرادوں کا آخر سراغ[6] — لگائی اُدھر لو[7] تو پایا چراغ

[1] علامت خوشی بحساب نجوم ۱۲ [2] علامت سرور بحساب نجوم ۱۲ [3] پوتھی سے مراد یہاں پترہ یا نجوم کی کتاب ہے ۱۲ [4] استری۔ عورت ۱۲ [5] دیا۔ چراغ ۱۲ [6] سراغ۔ کھوج ۱۲ [7] یعنی توجہ ۱۲

سحاب کرم نے کیا جو اثر
ہوئی کشتِ اُمید کی بار ور
اُسی سال میں یہ تماشا[1] سنو
رہا حمل اک زوجۂ شاہ کو
جو کچھ دل پہ گذرے تھے رنج و تعب
مبدل ہوئے وہ خوشی ساتھ سب

داستان تولد ہونے شاہزادۂ بینظیر کی

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کوئی دم میں بجتا ہے چنگ[2] و رباب
کروں نغمۂ تہنیت[3] کو شروع
کہ اک نیک اختر کرے ہے طلوع
گئے نو مہینے جب اُس پر گذر
تولد ہوا شہ کے گھر میں پسر
عجب صاحبِ حسن پیدا ہوا
جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا
نظر کو نہ ہو حسن پر اُس کے تاب
اُسے دیکھ بیتاب ہو آفتاب
ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر
رکھا نام اُس کا شہ بے نظیر
خواصوں[4] نے خواجہ سراؤں[5] نے جا
کئی نذریں[6] گذرانیاں[7] اور کہا
مبارک تجھے اے شہ نیک بخت
کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت
سکندر نژاد اور دارا حشم
فلک مرتبت اور عطارد رقم

۱ تماشا سے مراد یہاں عجیب بات ہے ۱۲ ۲ چنگ ایک ستار کی قسم کا باجا۔ رباب سارنگی کی قسم کا ایک باجا ۱۲ ۳ تہنیت۔ مبارکباد ۱۲ ۴ خواص۔ وہ مرد یا عورتیں جو مصاحبت کا کام کرتی یا خاص خدمتوں پر متعین ہوتی تھیں ۱۲ ۵ خواجہ سرا۔ ایک قسم کے زنانے جو شاہی محلات میں مختلف خدمات انجام دیتے تھے ۱۲ ۶ نذر۔ وہ تحفہ جو بڑے لوگوں امراء، بادشاہوں وغیرہ کو بطور پیشکش دیا جائے ۱۲ ۷ گذرانیاں زبان قدیم ہے آجکل گذرانیں کہتے ہیں ۱۲

رہے اُس کی اقلیم زیرِ نگیں
غلامی کریں اس کی خاقان چین
یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جانماز
کیے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز
تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار[1]
نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار
دوگانہ[2] غرض شکر کا کر ادا
تہیہ کیا شاہ نے جشن کا
وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے
انھیں خلعت و زر کا انعام دے
کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو
کہو خانساماں سے تیار ہو
نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا
کہ نقار خانے میں دو حکم جا
کہ نوبت[3] خوشی کی بجاویں تمام
خبر سن کے یہ شاد ہوں خاص و عام
یہ مژدہ جو پہونچا تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ[4] اور زری
بنا ٹھاٹھ[5] نقار خانے کا سب
مہیا کر اسبابِ عیش و طرب
غلاف اُن پہ بانات پُر زر کے ٹانک
شتابی سے نقاروں کو سینک سانک
دیا چوب کو پہلے بم سے ملا
لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر[6] نے بم سے بہر شگون
کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
بجے شادیانے[7] جو واں اُس گھڑی
ہوئی گرد و پیش آکے خلقت کھڑی
بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز[8]
بنا منہ سے پھر کی لگا اُسپہ ساز

۱ بار۔ دیر ۱۲ ۲ دوگانہ۔ دو رکعت ۱۲ ۳ نوبت بجنا۔ نقارے بجنا ۱۲ ۴ بادلہ۔ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بنا جاتا ہے۔ نقارچی زینت کے لیے اپنے نقاروں پر اس کو لپیٹے ہیں ۵ ٹھاٹ۔ طور طریقہ۔ طرز۔ دھوم دھام۔ سامان۔ زینت۔ آرائش ۱۲ ۶ زیر نیچا سُر۔ بم اونچا سُر ۱۲ ۷ نوبت جو شادی میں بجائی جاتی ہے۔ وہ آواز جو سب باجوں سے مجتمع ہو کر نکلتی ہے ۱۲ ۸ شہنا نواز شہنائی بجانے والا ۱۲۔ آسی

سحابِ کرم نے کیا جو اثر
ہوئی کشتِ اُمید کی بار ور

اُسی سال میں یہ تماشا[1] سنو
رہا حمل اک زوجۂ شاہ کو

جو کچھ دل پہ گذرے تھے رنج و تعب
مبدل ہوئے وہ خوشی ساتھ سب

داستان تولد ہونے شاہزادۂ بینظیر کی

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کوئی دم میں بجتا ہے چنگ[2] و رباب

کروں نغمۂ تہنیت[3] کو شروع
کہ اک نیک اختر کرے ہے طلوع

گئے نو مہینے جب اُس پر گذر
تولد ہوا شہ کے گھر میں پسر

عجب صاحبِ حسن پیدا ہوا
جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا

نظر کو نہ ہو حسن پر اُس کے تاب
اُسے دیکھ بیتاب ہو آفتاب

ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر
رکھا نام اُس کا شہ بے نظیر

خواصوں[4] نے خواجہ سراؤں[5] نے جا
کئی نذریں[6] گذرانیاں[7] اور کہا

مبارک تجھے اے شہ نیک بخت
کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت

سکندر نژاد اور دارا حشم
فلک مرتبت اور عطارد رقم

[1] تماشا سے مراد یہاں عجیب بات ہے ۱۲ [2] چنگ ایک ستار کی قسم کا باجا۔ رباب سارنگی کی قسم کا ایک باجا ۱۲ [3] تہنیت۔ مبارکباد ۱۲ [4] خواص۔ وہ مرد یا عورتیں جو مصاحبت کا کام کرتی یا خاص خدمتوں پر متعین ہوتی تھیں ۱۲ [5] خواجہ سرا، ایک قسم کے زنانے جو شاہی محلات میں مختلف خدمات انجام دیتے تھے ۱۲ [6] نذر۔ وہ تحفہ جو بڑے لوگوں امراء، بادشاہوں وغیرہ کو بطور پیشکش دیا جائے ۱۲ [7] گذرانیاں زبان قدیم ہے آجکل گذرانیں کہتے ہیں ۱۲

رہے اُس کی اقلیم زیرنگیں
غلامی کریں اس کی خاقان چین

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جا نماز
کیے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار[1]
نہ ہو تجھ سے مایوس اُمید وار

دوگانہ[2] غرض شکر کا کر ادا
تہیہ کیا شاہ نے جشن کا

وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے
انھیں خلعت و زر کا انعام دے

کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو
کہو خانساماں سے تیار ہو

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہدیا
کہ نقارخانے میں دو حکم جا

کہ نوبت[3] خوشی کی بجاویں تمام
خبر سن کے یہ شاد ہوں خاص و عام

یہ مژدہ جو پہونچا تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ[4] اور زری

بنا ٹھاٹھ[5] نقارخانے کا سب
مہیا کر اسباب عیش و طرب

غلاف اُن پہ بانات پُر زر کے ٹانک
شتابی سے نقاروں کو سینک تانک

دیا چوب کو پہلے بم سے ملا
لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا

کہا زیر[6] نے بم سے بہر شگوں
کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

بجے شادیانے[7] جو واں اُس گھڑی
ہوئی گرد و پیش آ کے خلقت کھڑی

بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز[8]
بنا منہ سے پھرکی لگا اُس پہ ساز

[1] بار۔ دیر ۱۲ [2] دوگانہ۔ دو رکعت ۱۲ [3] نوبت بجنا۔ نقارے بجنا ۱۲ [4] بادلہ۔ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بنا جاتا ہے۔ نقارچی زینت کے لیے اپنے نقاروں پر اس کو لپیٹتے ہیں [5] ٹھاٹھ طور طریقہ۔ طرز۔ دھوم دھام۔ سامان۔ زینت۔ آرائش ۱۲ [6] زیر نیچا سُر۔ بم اونچا سُر ۱۲ [7] نوبت جو شادی میں بجائی جاتی ہے۔ وہ آواز جو سب باجوں سے مجتمع ہو کر نکلتی ہے ۱۲ [8] شہنا نواز شہنائی بجانے والا ۱۲۔ آسی

سروں پر وہ سرپیچ معمول کے | خوشی سے ہوئے گال گل پھول کے
لگے لینے اُپچیں خوشی سے نئی | اڑانا لگا بجنے اور سگھڑئی
ٹکوروں میں نوبت کی تھنا کی دھن | سگھڑ سننے والوں کو کہتی تھی سن
ترھئی اور قرنائے شادی کے دم | لگے بھرنے زیل اور کھرج میں بہم
سنی جھانجھ نے جو خوشی کی نوا | تھرکنے لگا تالیوں کو بجا
نئے سر سے عالم کو عشرت ہوئی | کہ لڑکے کے ہونے کی نوبت ہوئی
محل سے لگا تا بدیوان عام | عجب طرح کا اک ہوا ازدحام
چلے لگنے نذریں امیر و زیر | لگے کھنچنے زر کے تودے فقیر
دیے شاہ نے شاہزادے کے ناؤں | مشائخ کو اور پیرزادوں کو گاؤں
امیروں کو جاگیر لشکر کو زر | وزیروں کو الماس لعل و گہر
خواصوں کو خوجوں کو جوڑے دیے | پیادے جو تھے اُن کو گھوڑے دیے

۱؎ سرپیچ۔ پگڑی کے اوپر کا چھوٹا کپڑا۔ پگڑی میں لگانے کا ایک زیور ۱۲ ۲؎ اُپج۔ تان بول لے۔ سر کو ملا کر گانے والے جو چیز پیدا کرتے ہیں وہ اُپج ہے ۱۲ ۳؎ اڑانا۔ اڑانا سگھڑئی۔ سوہلے۔ بندھن وار وغیرہ شادی یا تولد کے موقع پر گائے جاتے ہیں یہ سب گانے کی چیزیں ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اڑانا ایک راگ ہے جو تان سین کی ایجاد ہے ۱۲ ۴؎ ٹکور۔ چانٹ۔ ہلکی ضرب ۱۲ ۵؎ ترھئی اور قرنا دو باجوں کا نام۔ زیل چڑھا سر۔ کھرج اُترا سر ۱۲ ۶؎ جھانجھ۔ یعنی وہ جھانجھ جو نقارے کے ساتھ بجاتے ہیں اس میں سے تالی کی آواز بھی نکلتی ہے ۱۲ آسی۔ ۷؎ دیوان عام۔ عام دربار کا مکان۔ ازدحام۔ ہجوم بھیڑ ۱۲۔ آسی

خوشی میں کیا یاں تلک زرنثار | جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار
کیا بھانڈ اور بھگتیوں نے ہجوم | ہوئی آ ہے آ ہے مبارک کی دھوم
لگا کنچنی چونہ پزنی تمام | کہاں تک میں لوں ترنکاروں کے نام
جہاں تک کہ سازندے تھے ساز کے | دھنی دست کے اور آواز کے
جہاں تک کہ تھے گائک اور رہت کار | لگے گانے اور ناچنے ایک بار
لگے بجنے قانون و بین و رباب | بہا ہر طرف جوئے عشرت کا آب
لگی تھاپ طبلوں کی مردنگ کی | صدا اونچی ہونے لگی چنگ کی
لگا پنچوں کو سارنگیوں کو بنا | خوشی نے ہر اک اُن کی ترمیں ملا

۱؎ بھگتیا۔ سانگیا۔ سوانگ بھرنے والا۔ بھگت باز وہ فرقہ جو گانے والے لڑکوں کو تعلیم دیتا ہے ناچنے والے لڑکوں کے سفردائی استاد۔ سازندے ۱۲ ۲؎ کنچنی۔ گدڑہی۔ گھڑچڑھی۔ بیڑنی میرسکار یہ سب کسبیوں کے فرقے ہیں۔ اُن میں بیڑنی اور گھڑچڑھی ہندو فرقے ہیں۔ گدڑہی سب سے اعلیٰ فرقہ ہے ۱۲ ۳؎ چونہ پزنی۔ چونے والی۔ ڈومنیوں کا ایک فرقہ جو بچہ پیدا ہونے میں گانے کے لیے آتی ہیں ۱۲ ۴؎ ترنکار۔ گانے کا فن برتنے والے ۱۲ ۵؎ دھنی دست کے اور آواز کے۔ یعنی ساز بجانے یا گانے والے ۱۲ آسی۔ ۶؎ گائک۔ گانے والا۔ رہت کار نرت وغیرہ بتانے والا۔ ناچنے والا ۱۲ ۷؎ قانون ایک باجے کا نام ۱۲ آسی ۸؎ بین۔ رباب سازوں کے نام۔ ربابیہ۔ رباب بجانے والا ۱۲ آسی ۹؎ تھاپ۔ چاروں اُنگلیوں کی آواز جو طبلے یا مردنگ سے نکلے۔ مردنگ۔ پکھاوج ۱۲ ۱۰؎ چنگ وہ باجا جو بڑی ڈفلی کی صورت میں ہوتا ہے اور اُس میں جھانجھ گھنگرو وغیرہ لگے ہوتے ہیں اس کے بجانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں چھلا ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے بجاتے ہیں۔ چھلے والے ہاتھ سے چانٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ چنگ [illegible]

لگا موم تاروں پہ مرچنگ[1] کے | ملا سُر طنبوروں کے ایک رنگ کے
ستاروں[2] کے پردے بنا کر درست | بجانے لگے سب وہ چالاک و چُست
گئی بائیں[3] کی آسماں تک گمک | اُٹھا گنبدِ چرخ سارا دھمک
خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط | لگے ناچنے اُس پہ اہلِ نشاط[4]
کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے | وہ پاؤں کے گھنگرو چھنکتے ہوئے
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں | پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں
وہ گھٹنا[5] وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ | دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا | نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
دکھانا کبھی اپنی چھب[6] مسکرا | کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا
کسی کے چمکتے ہوئے نورتن[7] | کسی کے وہ ٹکڑے پہ نتھ کی پھبن
وہ گرمی[8] کا چہرہ کہ جوں آفتاب | جسے دیکھ کر دل کو ہو اضطراب

[1] مرچنگ ایک باجہ جو منہ میں دبا کر انگلیوں سے بجاتے ہیں ۱۲ [2] ستاروں کے پردے یعنی سیندری ۱۲ آسی [3] بایاں وہ طبلہ جو مٹی کی کونڈی یا تانبے وغیرہ کے ظرف پر منڈھا ہوتا ہے۔ اور دایاں وہ جو لکڑی کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ گمک۔ گمکار کی آواز۔ یہ آواز صرف بائیں میں ہوتی ہے اور تھاپ اور چانٹ طبلے میں ۱۲ [4] اہل نشاط۔ ناچنے گانے والے ۱۲ [5] گھٹنا بڑھنا۔ بھاؤ بتاتے ہوئے گانے والے کا آگے قدم رکھنا اور پیچھے ہٹنا۔ اس کو ادا بھی کہتے ہیں آواز کی گھٹ بڑھ چھب ادا۔ گھٹ بڑھ کو چال بھی کہتے ہیں بہترین چال کی نقل جو ناچ میں کی جاتی ہے وہ ہنس کی چال ہے۔ ۱۲ آسی [6] چھب آرائش۔ ناز و انداز ۱۲ [7] نورتن ایک زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے ۱۲ [8] گرمی کا چہرا۔ خوشی کے جوش میں تمتماتا چہرا ۱۲

چمکنا گلوں کا صفا کے سبب | وہ گردن کے ڈورے[1] قیامت غضب
کبھی منہ کے تئیں پھیر لینا اُدھر | کبھی چوری چوری سے کرنا نظر
دوپٹے کو کرنا کبھی منہ کی اوٹ[2] | کہ پردے میں ہو جائے دل لوٹ پوٹ
ہر اک تان میں اُن کو ارمان یہ | کہ دل کھینچے تان[3] کی جان یہ
کوئی فن میں سنگیت[4] کے شعلہ رو | برم[5] جوگ کھچھی کے لے پرملو[6]
کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پاؤں تلے | کھڑی عاشقوں کے دلوں کو ملے
کوئی دائرے[7] میں بجا کر پرن | کوئی دھمدھمی[8] میں جتا اپنا فن
غرض ہر طرح دل کو لینا انھیں | نئی طرح سے داغ دینا انھیں

[1] گردن کے ڈورے۔ وہ جنبش جو ناچنے والا گردن کو دیتا ہے اور سر سینے وغیرہ کو اس سے جنبش نہیں ہوتی کہا گیا ہے کہ یہ ادا بگلے سے لی گئی ہے جیسے کہ وہ شکار کرنے میں گردن کو خفیف اور خوبصورت جنبش دیتا ہے اسی طرح ناچنے والا بھی کرتا ہے ۱۲ [2] اوٹ آڑ ۱۲ [3] تان کی جان۔ یعنی تان کا حاصل ۱۲ آسی [4] سنگیت۔ فن رقص کے متعلق ایک چیز جسے بڑے گانے والے اور ناچنے والے سیکھتے ہیں ۱۲ آسی [5] برم۔ جوگ۔ کھچھی۔ سواری ہٹ۔ منگل۔ سول۔ چھب تالا۔ اکتالا۔ آڑا چوتالا۔ جھومرا۔ تلوارا۔ چاچر۔ یہ سب تالیں طبلے اور پکھاوج سے بجتی ہیں ۱۲ آسی [6] پرملو۔ ناچنے والوں کے یہاں چند ٹکڑے ہیں جو پاؤں سے نکالتے ہیں طبلے اور پکھاوج میں اُن کا جواب ہاتھ سے نکالا جاتا ہے ۱۲ آسی۔ [7] دائرہ۔ ایک قسم کی بڑی ڈفلی کی طرح ہوتا ہے جس سے پرن نکلتی ہے۔ ناچنے والے اسے پیر کی جنبش سے نکالتے ہیں۔ پکھاوج میں ہمیشہ پرن بجتی ہے ۱۲ [8] دھمدھمی ایک قسم کی ڈفلی خنجری۔ دھمدھمانا زور سے پاؤں زمین پر مارنا اور اس سے آواز نکالنا۔ اس صورت میں دھمدھمے بھی پڑھا جاتا ہے۔ بعض نے دھنڈھمی بتایا ہے ۱۲

کبھی مار ڈھو کر کریں قتل عام
کبھی ہاتھ اُٹھا لیویں گرتوں کو تھام

کہیں دھرپت[1] اور گیت کا شور و غل
کہیں قول[2] و قلبانہ و نقش و گل

کہیں بھانڈ اور لولیوں[3] کا سماں
کہیں ناچ کشمیریوں[4] کا وہاں

مجیرا کھاوج گلے ڈال ڈھول
بجاتے تھے اُس جا کھڑے باندھ غول

محل میں جو دیکھو تو اک ازدحام
مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام

پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم
وہاں بھی پڑی عیش و عشرت کی دھوم

خوشی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات
کہ دن عید اور رات تھی شب برات

بڑھا یوں ہی ابر میں جوں ہلال
محل میں لگا پلنے وہ نونہال

برس گانٹھ[5] جس سال اُس کی ہوئی
دل بستگاں کی گرہ کھل گئی

وہ گل جب کہ چوتھے برس میں لگا
بڑھایا[6] گیا دودھ اُس ماہ کا

ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم
اُسی طرح سے پھر ہوا واں ہجوم

طوائف وہی اور وہی راگ و رنگ
ہوئی بلکہ دونی خوشی کی ترنگ

وہ گل پاؤں سے اپنے جس جا چلا
وہاں آنکھ کو نرگسوں نے ملا

لگا پھرنے وہ سرو جب پاؤں پاؤں
کیے بردے[7] آزاد تب اُس کے ناؤں

1 دھرپت۔ دربد۔ اس کو استک بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف چوتالے پر گائی جاتی ہے۔ اس میں تان مُرکی زمزمہ نہیں لیا جاتا بلکہ اس میں صرف بول کی اینچ ہوتی ہے ۱۲ 2 قول و قلبانہ وہ چیز جو قوال نیچے اپنا گانا شروع کرتے وقت گاتے ہیں ۱۲ 3 لولی۔ رنڈی ۱۲۔ آسی 4 کشمیری۔ ایک ناچنے والا فرقہ ۱۲۔ آسی 5 برس گانٹھ۔ سالگرہ ۱۲۔ آسی 6 دودھ بڑھانا۔ بچہ کا دودھ چھڑانا ۱۲ 7 بردہ لونڈی غلام ۱۲

داستان تیاری میں باغ کی

مئے ارغوانی پلا ساقیا
کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا[7]

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ

عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان

چھتیں اور پردے بندھے زرنگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ[1] پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ مقیش[2] کی ڈوریاں سربسر
کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر

چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزر نا محال

سنہری مغرق[3] چھتیں ساریاں[4]
وہ دیوار اور در کی گلکاریاں

دیے ہر طرف آئنے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش اُس کا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

رہیں لخلخے[5] اُس میں روشن مدام
معطر شب و روز جس سے مشام

چھپرکھٹ[6] مرصع کا دالان میں
چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں

زمیں پر تھی اس طور اُس کی جھمک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

1 زہ۔ ڈوری۔ کنارہ ہر چیز کا ۱۲ 2 مُقیش۔ زری۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا ۱۲ 3 مغرق۔ جگمگاتا۔ چمکتا۔ چاندی سونے میں لپا ہوا ۱۲ 4 ساریاں تمام ساریوں کی جمع۔ اب اس معنی میں اس طرح نہیں لکھتے ۱۲ 5 لخلخہ۔ خوشبودار بتیاں وغیرہ ۱۲ 6 چھپرکھٹ مرصع کار جڑاؤ بڑی مسہری ۱۲ 7 دل چلا۔ یعنی آمادہ ہوا ۱۲۔ آسی

کبھی مار ڈھو کر کریں قتل عام — کبھی ہاتھ اُٹھا لیویں گرتوں کو تھام
کہیں دھرپت[1] اور گیت کا شور و غل — کہیں قول[2] و قلبانہ و نقش و گل
کہیں بھانڈ اور لولیوں[3] کا سماں — کہیں ناچ کشمیریوں[4] کا وہاں
مجیرا کھاوج گلے ڈال ڈھول — بجاتے تھے اُس جا کھڑے باندھ غول
محل میں جو دیکھو تو اک ازدحام — مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام
پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم — وہاں بھی پڑی عیش و عشرت کی دھوم
چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات — کہ دن عید اور رات تھی شب برات
بڑھا رہی ابر میں جوں ہلال — محل میں لگا پلنے وہ نونہال
برس گانٹھ[5] جس سال اُس کی ہوئی — دل بستگاں کی گرہ کھل گئی
وہ گل جب کہ چوتھے برس میں لگا — بڑھایا[6] گیا دودھ اُس ماہ کا
ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم — اُسی طرح سے پھر ہوا واں ہجوم
طوائف وہی اور وہی راگ و رنگ — ہوئی بلکہ دونی خوشی کی ترنگ
وہ گل پاؤں سے اپنے جس جا چلا — وہاں آنکھ کو نرگسوں نے ملا
لگا پھرنے وہ سرو جب پاؤں پاؤں — کیے بردے[7] آزاد تب اُس کے ناؤں

[1] دھرپت۔ دربد۔ اس کو استک بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف چوتالے پر گائی جاتی ہے۔ اس میں تان مُرکی زمزمہ نہیں لیا جاتا بلکہ اس میں صرف بول کی اونچ ہوتی ہے ۱۲ [2] قول و قلبانہ وہ چیز جو قوال نیچے اپنا گانا شروع کرتے وقت گاتے ہیں ۱۲ [3] لولی۔ رنڈی ۱۲۔ آسی [4] کشمیری۔ ایک ناچنے والا فرقہ ۱۲۔ آسی [5] برس گانٹھ۔ سالگرہ ۱۲۔ آسی [6] دودھ بڑھانا۔ بچہ کا دودھ چھڑانا ۱۲ [7] بردہ لونڈی غلام ۱۲

داستان تیاری میں باغ کی

مئے ارغوانی پلا ساقیا — کہ تعمیر کو باغ کی دل[7] چلا
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان — لگے جس میں زربفت کے سائبان
چھتیں اور پردے بندھے زرنگار — دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈورئیے در پہ اٹکا ہوا — کوئی زہ[1] پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش[2] کی ڈوریاں سربسر — کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر
چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال — نگہ کو وہاں سے گذر نا محال
سنہری مغرق[3] چھتیں ساریاں[4] — وہ دیوار اور در کی گلکاریاں
دیے ہر طرف آئنے جو لگا — گیا چوگنا لطف اُس میں سما
وہ مخمل کا فرش اُس کا ستھرا کہ بس — بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
رہیں لخلخے[5] اُس میں روشن مدام — معطر شب و روز جس سے مشام
چھپرکھٹ[6] مرصع کا دالان میں — چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں
زمیں پر تھی اس طور اُس کی جھمک — ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

[1] زہ۔ ڈوری۔ کنارہ ہر چیز کا ۱۲ [2] مُقیش۔ زری۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا ۱۲۔ [3] مغرق۔ جگمگاتا۔ چمکتا۔ چاندی سونے میں لپا ہوا ۱۲ [4] ساریاں تمام ساریوں کی جمع۔ اب اس معنی میں اس طرح نہیں لکھتے ۱۲ [5] لخلخہ۔ خوشبودار بتیاں وغیرہ ۱۲ [6] چھپرکھٹ مرصع کار جڑاؤ بڑی مسہری ۱۲ [7] دل چلا۔ یعنی آمادہ ہوا ۱۲۔ آسی

زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں — کہ صندل کا تھا ایک تختہ عیاں
بنی سنگِ مرمر کی چوپڑ کی نہر — گئی چار سو اُس کے پانی کی لہر
قرینے سے گرد اُس کے سروِ سہی — کچھ اک دور دور اُس سے سیب بہی
کہوں کیا میں کیفیت داربست — لگا رہے ہیں تاک واں مے پرست
ہوائے بہاری سے گل لہلہے — چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے
زمرد کے مانند سبزے کا رنگ — روش پر جواہر لگے جیسے سنگ
روش کی صفائی پہ بے اختیار — گلِ اشرفی نے کیا زر نثار
چمن سے بھرا باغ گل سے چمن — کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا — کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
کھڑے شاخِ شبو کے ہر جا نشان — مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار — جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں — سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار — ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

1 چوپڑ کی نہر۔ چار خانہ دار۔ چار طرف بہنے والی ۱۲ 2 سروسہی۔ سیدھا سرو ۱۲۔ 3 داربست انگور وغیرہ کی بیل چڑھانے کی ٹٹی ۱۲ 4 لہلہا۔ شاداب ۱۲۔ 5 ڈہڈہا۔ سرسبز شاداب ۱۲ 6 ایک قسم کا گول زرد پھول ۱۲ 7 یاسمن۔ چنبیلی ۱۲ 8 مدن بان۔ بیلے کی قسم کا ایک پھول ۱۲ 9 ارغواں سرخ رنگ کا ایک پھول ۱۲۔ عبدالباری آسی 10 ایک قسم کا زرد گیندے کا پھول۔ بعض گیندا اور بعض اشرفی و جعفری کو ایک جانتے ہیں ۱۲۔ 11 داؤدی ایک قسم کا زرد اور سفید رنگ کا پھول اس کو گل داؤدی بھی کہتے ہیں ۱۲

کھڑے سرو کی طرح چنبے کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن — عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑی آب جو ہر طرف کو بہے — کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا — اُسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پر — نشے کا سا عالم گلستان پر
لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں — چمن کو لگیں دیکھنے بھالنیں
کہیں تخم پاشی کریں گود کر — پنیری جماویں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال — رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لبِ جو پہ آئینے میں دیکھ قد — اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو — دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے — لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور — درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن آتشِ گل سے دہکا ہوا — ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول — پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول
وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں — لگی جائیں آنکھیں لیے جس کا ناؤں

1 نسرین ایک پھول جسے مشکیجہ بھی کہتے ہیں ۱۲ 2 نسترن ایک پھول جس کو سیوتی بھی کہتے ہیں ۱۲ 3 خیاباں۔ باغ کے بیچ کا راستہ۔ کیاری ۱۲ 4 چھوٹی پود ۱۲ 5 جب نہ تب۔ مراد گاہ بگاہ ۱۲ 6 قاز۔ دریائی بط ۱۲ 7 قرقرا۔ ایک آبی پرندہ ۱۲۔ آسی 8 آنکھ لگنا۔ نیند آنا ۱۲

خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں
تعشق کی آپس میں باتیں کریں

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اُس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا

ددا[1] دائیاں[2] اور مغلانیاں[3]
پھریں ہر طرف اُس میں جلوہ کناں

خواصوں[4] کا اور لونڈیوں[5] کا ہجوم
محل کی وہ چہلیں[6] وہ آپس کی دھوم

تکلف کے پہنے پھریں سب لباس
رہیں رات دن شاہزادے کے پاس

کنیزاں مہرو کی ہر طرف ریل[7]
جنبلی[8] کوئی اور کوئی رائے بیل

رنگیلی[9] کوئی اور کوئی شیام روپ
کوئی چیت لگن اور کوئی کام روپ

کوئی کیتکی اور کوئی گلاب
کوئی مہر تن اور کوئی ماہتاب

کوئی سیوتی اور ہنس مکھ کوئی
کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی

ادھر اور اُدھر آتیاں جاتیاں[10]
پھریں اپنے جوبن کو دکھلاتیاں

کہیں اپنے پٹے[11] سنوارے کوئی
اری[12] اور تری کہہ پکارے کوئی

[1] ددا۔ وہ عورت جو بچوں کی خدمت پر مقرر ہو ۱۲ [2] دائی جنائی۔ وہ عورت جو میکے سے عروس کی ساتھ خدمت کرنے کے لیے آتی ہے ۱۲ [3] مغلانی وہ عورت جس کے سپرد سینے پرونے کی خدمت ہو ۱۲ [4] خواص۔ ممتاز خدمتگار عورتیں مصاحبت کرنے والی عورتیں ۱۲ [5] لونڈی۔ باندی ۱۲ [6] چہل۔ ہنسی مذاق ۱۲ [7] ریل۔ ہجوم۔ بھیڑ ۱۲ [8] جنبلی۔ رائے بیل۔ چنپا وغیرہ نام اس قسم کی عورتوں کے ہوتے ہیں جو امراء کی خدمتگاری میں رہتی ہیں ۱۲ [9] یہ عورتوں کے نام ہیں اس کے بعد کے دو شعروں میں بھی نام ہیں ۱۲ [10] آتیاں جاتیاں۔ دکھلاتیاں۔ یہ سب جمعیں ہیں اب اس طرح نہیں بولتے ۱۲ [11] پٹے۔ تراشے ہوئے بال۔ دلّی میں ہائے مخلوط کے ساتھ بولتے ہیں ۱۲ [12] اری اور تری زبان عوام میں مستعمل ہے ۱۲

کہیں چٹکیاں اور کہیں تالیاں
قہاقے کہیں اور کہیں گالیاں

بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے
کہیں ہوے ری اور کہیں واچھڑے[1]

دکھاوے کوئی گوکھرو[2] موڑ موڑ
کہیں سوت بوٹے کہیں تار توڑ[3]

ادا سے کوئی بیٹھی حقہ پیے
دمِ دوستی کوئی بھر بھر جیے

کوئی حوض میں جا کے غوطہ لگائے
کوئی نہر پر پاؤں بیٹھی ہلائے

کوئی اپنے طوطے کی لیوے خبر
کوئی اپنی مینا پہ رکھے نظر

کسی کو کوئی دھول[4] مارے کہیں
کوئی جان کو اپنی وارے کہیں

کوئی آرسی اپنے آگے دھرے
ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے

مقابہ[5] کوئی کھول مسی لگائے
لبوں پر دھڑی[6] کوئی اپنے جمائے

ہوا اُن گلوں سے دوبالا سماں
اُسی باغ میں تھا وہ سرو رواں

غرض لوگ تھے یہ جو ہر کام کے
یہ سب واسطے اُس کے آرام کے

پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ
پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ

ہوئی اُس کے مکتب[7] کی شادی عیاں
ہوا پھر اُنھیں شادیوں کا سماں

معلم اتالیق[8] منشی ادیب
ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب

کیا قاعدے سے شروع کلام
پڑھانے لگے علم اُس کو تمام

[1] واچھڑے۔ قدیم کا طنزیہ کلمہ ہے جو واہ جیہ خوش کی جگہ مستعمل تھا اب اس طرح نہیں بولتے ۱۲ [2] گوکھرو۔ پتلا سوڑا ہوا گوٹا ۱۲ [3] تار توڑ۔ ایک قسم کا کارچوبی کا کام ۱۲ [4] دھول۔ دھپ۔ چانٹا۔ تھپڑ ۱۲ [5] مقابہ۔ سنگاردان ۱۲ [6] دھڑی جمانا۔ ہونٹوں پر مسی کی تہ جمانا ۱۲ [7] مکتب کی شادی۔ تقریب بسم اللہ خوانی ۱۲ [8] اتالیق۔ ادب سکھانے والا ۱۲

دیا تھا بس حق نے ذہن رسا | کئی سال میں علم سب پڑھ چکا
معانی و منطق بیان و ادب | پڑھا اس نے منقول[1] معقول سب
خبردار حکمت کے مضمون سے | غرض جو پڑھا اس نے قانون[2] سے
لگا ہیئت[3] و ہندسہ[4] تا نجوم[5] | زمین آسماں میں پڑی اس کی دھوم
کیے علم نوکِ زباں حرف حرف | اسی نحو[6] سے اس نے کی عمر صرف[7]
عطارد[8] کو آنے لگی اس کی ریس[9] | ہوا سادہ[10] لوحی میں وہ خوشنویس
ہوا جبکہ نوخط[11] وہ شیریں[12] رقم | بڑھا کر لکھے سات سے نو قلم
لیا ہاتھ جب خامۂ مشک بار | لکھا نسخ[13] و ریحان و خط غبار
عروس الخطوط اور ثلث و رقاع | خفی اور جلی مثل خطِ شعاع
شکستہ لکھا اور تعلیق جب | رہے دیکھ حیراں اتالیق سب
کیا خط گلزار سے جب فراغ | ہوا صفحۂ قطعۂ گلزار باغ
کروں علم کا کہاں تک بیاں | کہ ہے خوب اب مختصر یہ بیاں

لہ منقول علم حدیث وغیرہ۔ معقول منطق فلسفہ وغیرہ ۱۲ ۲ قانون قاعدہ اور ایک کتاب کا نام جو بوعلی سینا کی تصنیف ہے ۳ ہیئت وہ علم جس میں اجرام فلکی اور گردش زمین وغیرہ کا بیان ہوتا ہے ۱۲ ۴ ہندسہ۔ مراد علم ریاضی ۱۲ ۵ نجوم۔ جوتش ۱۲ ۶ نحو۔ طریقہ۔ ایک علم کا نام ۱۲ ۷ صرف۔ خرچ ایک علم کا نام ۱۲ ۸ عطارد ایک ستارہ جس کو منشی فلک بھی کہتے ہیں ۱۲ ۹ ریس حرص ۱۲ ۱۰ سادہ لوحی۔ بھولاپن۔ یہاں مراد بچپن اور امردی کے زمانے سے ہے ۱۲ ۱۱ نوخط۔ سبزہ آغاز ۱۲ ۱۲ شیریں رقم۔ بہترین خوشنویسوں کا خطاب ہوتا ہے ۱۲ ۱۳ نسخ۔ ریحان۔ خط غبار۔ عروس الخطوط۔ خط ثلث رقاع۔ خط شکستہ یہ سب خطوں کے نام ہیں جن کی تفصیل خوشنویسی کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے ۱۲

کمان کے جو در پے ہوا بے نظیر | لیا کھینچ چلّے[1] میں سب فن تیر
صفائی میں سوفار[2] پیکان کیا | گیا جبکہ تو دہ پہ طوفاں کیا
رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی[3] پہ من | کیا اپنے قبضہ میں سب اس کا فن
ہوئیں دست و بازو کی سرسائیاں[4] | اڑائی گئیں ہاتھ میں گھائیاں[5]
رکھا موسیقی[6] پر جو کچھ کچھ خیال | کیے قید سب اس نے ہاتھوں میں تال[7]
طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر | رکھے رنگ سب اس کے مدنظر
کئی دن میں سیکھا یہ کسب تفنگ | کہ حیراں ہوئے دیکھ اہل فرنگ
سواران کمالوں کے کتنے کمال | مروت کی خو آدمیت کی چال
رذالوں[8] سے نفروں سے نفرت اُسے | سدا قابلوں سے تھی صحبت اُسے
گیا نام پر اپنے وہ دلپذیر | ہر اک فن میں سچ مچ ہوا بے نظیر

داستان سواری کی تیاری کے حکم میں

پلا ساقیا مجھ کو اک جام گل | جوانی پہ آیا ہے ایام گل

لہ چلہ۔ چالیس دن کی مدت۔ گوشہ کمان کا حلقہ جس کو چڑھا کر کمان کھینچتے ہیں ۱۲ ۲ سوفار۔ تیر کا وہ سوراخ یا شگاف جو تیر کے گوشہ میں جس طرف سے کمان میں رکھتے ہیں اس جانب ہوتا ہے اور اسے چلاتے وقت چلّے میں رکھ کر چھوڑتے ہیں ۱۲۔ آسی ۳ لکڑی یعنی پھکیتی کا فن ۱۲ ۴ سرسائی۔ سر پر وار کرنا ۱۲ ۵ گھائیاں اڑانا۔ پٹے بازوں کی اصطلاح۔ ایک قسم کی ضرب معین جو باہم مشق میں لگاتے ہیں ۱۲ ۶ علم موسیقی گانے بجانے کا فن ۱۲ ۷ تال گانے بجانے کا وزن ۱۲ ۸ رذالے لوگ چھوٹے درجے کے کمینے آدمی ۱۲

غنیمت[۱] شمر صحبت دوستاں / کہ گل پنج روز است در بوستاں
ثمر ہے بھلائی کا گر ہوسکے / شتابی سے بوٹے جو کچھ بوسکے
کہ رنگِ چمن پر نہیں اعتبار / یہاں چرخ[۲] میں ہے خزان و بہار
پڑی جب گرہ بارھویں سال کی / کھلی گتھی[۳] غم کے جنجال کی
کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام / کہ ہوں صبح حاضر سبھی خاص و عام
سواری تکلف سے تیار ہو / مہیا کریں جو کہ درکار ہو
کریں شہر کو مل کے آئینہ بند[۴] / سواری کا ہو لطف جس سے دوچند
رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر / کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر
یہ فرما محل میں گیا بادشاہ / نقیبوں نے سن حکم لی اپنی راہ
ہوئی شب لیا مہ نے جامِ شراب / گیا سجدۂ شکر میں آفتاب
خوشی میں گئی جلد شب جو گذر / ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
عجب شب تھی وہ جوں سحر روسپید / عجب روز تھا شکل روزِ امید
گیا مژدۂ صبح لے ماہتاب / اُٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب
کہا شاہ نے اپنے فرزند کو / کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

۱ دوستوں کی صحبت کو غنیمت جان۔ کیونکہ پھول باغ میں بہت کم مدت تک رہتا ہے ۱۲
۲ چرخ۔ دورہ۔ گردش ۱۲
۳ گتھی۔ گتھی ۱۲۔ آسی
۴ آئینہ بندی اس طرح کی جاتی ہے کہ جابجا ٹٹیوں میں آئینے لگاتے ہیں ۱۲۔

داستان حمام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب پیرِ مغاں / کہ بھولے مجھے گرم و سرد جہاں
اگرچہ چاہتا ہے مرے دل کو چین / نہ دینا وہ ساغر جو ہو قلتبین[۱]
کدورت مرے دل کی دھو ساقیا / ذرا شیشۂ مے کو دھو دھا کے لا
کہ سرگرم حمام ہے بے نظیر / گیا ہے نہانے کو بدرِ منیر
ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں / عرق آگیا اُس کے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اُس کا کُل / کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں / مہ و مہر سے طاس لیکر وہاں
لگیں ملنے اُس گلبدن کا بدن / ہوا ڈہڈہا[۲] آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک / برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پر جو پانی پڑا سربسر / نظر آئے جیسے وہ گلبرگ تر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس / کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس
لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن / ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن
گیا حوض میں جو شہ بے نظیر / پڑا آب میں عکس ماہ منیر
وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر / کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب / نہ دیکھی کوئی خوب تر اُس سے تب

۱ قلتبین۔ مجازاً تھوڑا سا ۱۲۔ آسی
۲ ڈہڈہا۔ سرسبز رنگ کی چمک دمک۔ ایک قسم کی خاص چمک ۱۲

غنیمت شمر صحبت دوستاں[1]
کہ گل پنج روز است در بوستاں

ثمر نے بھلائی کا گر ہوسکے
شتابی سے بولے جو کچھ ہوسکے

کہ رنگِ چمن پر نہیں اعتبار
یہاں چرخ[2] میں ہے خزان و بہار

پڑی جب گرہ بارھویں سال کی
کھُلی گتھی[3] غم کے جنجال کی

کہا شہ نے بلا نقیبوں کو شام
کہ ہوں صبح حاضر بھی خاص و عام

سواری تکلف سے تیار ہو
مہیا کریں جو کہ درکار ہو

کریں شہر کو مل کے آئینہ بند[4]
سواری کا ہو لطف جس سے دوچند

رعیت سبکے خوش ہوں صغیر و کبیر
کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر

یہ فرما محل میں گیا بادشاہ
نقیبوں نے سن حکم لی اپنی راہ

ہوئی شب لیا مہ نے جام شراب
گیا سجدۂ شکر میں آفتاب

خوشی میں گئی جلد شب جو گذر
ہوئی سامنے سے نمایاں سحر

عجب شب تھی وہ جوں سحر روسپید
عجب روز تھا شکل روزِ امید

گیا مژدۂ صبح لے ماہتاب
اُٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب

کہا شاہ نے اپنے فرزند کو
کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

[1] دوستوں کی صحبت کو غنیمت جان۔ کیونکہ پھول باغ میں بہت کم مدت تک رہتا ہے ۱۲

[2] چرخ۔ دورہ۔ گردش ۱۲

[3] گتھی۔ گتھی ۱۲ آسی

[4] آئینہ بندی اس طرح کی جاتی ہے کہ جا بجا ٹیٹوں میں آئینے لگاتے ہیں ۱۲

داستان حمام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب پیرِ مغاں
کہ بھولے مجھے گرم و سردِ جہاں

اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین
نہ دینا وہ ساغر جو ہو قلتین[1]

کدورت مرے دل کی دھو ساقیا
ذرا شیشۂ مے کو دھو دھا کے لا

کہ سرگرم حمام ہے بے نظیر
گیا ہے نہانے کو بدرِ منیر

ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اُس کے اندام میں

تنِ نازنیں نم ہوا اُس کا کُل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل

پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لیکر وہاں

لگیں ملنے اُس گلبدن کا بدن
ہوا ڈہڈہا[2] آب سے وہ چمن

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے وہ گلبرگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس

لگا ہونے ظاہر جو اعجازِ حسن
ٹپکنے لگا اُس سے اندازِ حسن

گیا حوض میں جو شہِ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہِ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھی کوئی خوب تر اُس سے شب

[1] قلتین۔ مجازاً تھوڑا سا ۱۲ آسی

[2] ڈہڈہا۔ سرسبز رنگ کی چمک دمک۔ ایک قسم کی خاص چمک ۱۲

کہوں اُس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات
کہ جوں بھیگتی جائے[1] صحبت میں رات

زمیں پر تھا اک موجۂ نور خیز
ہوا جب وہ فوارہ ساں آبریز

زمرد کے لے ہاتھ میں سنگ[2] پا
کیا خادموں نے جو آہنگ[3] یا

ہنسا کھل کھلا وہ گل نو بہار
لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار

عجب عالم اُس نازنیں پر ہوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا

ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے
ہوئے جی سے قرباں چھوٹے بڑے

دعائیں لگے دینے بے اختیار
کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار

کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی
مبارک تجھے روز و شب کی خوشی

نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل
چمکتا رہے یہ فلک کا سہیل[4]

کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ
اُڑھا کھیس[5] لائے اُسے ہاتھوں ہاتھ

نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

غرض شاہزادے کو نہلا دھلا
دیا خلعت خسروانہ پنہا

جواہر سراسر پنہایا اُسے
جواہر کا دریا بنایا اُسے

کڑے کنگن اور کلغی اور نورتن
کیا ایک سے ایک زیب بدن

مرصع کا سرپیچ جوں موج آب
منور بشکل رخ آفتاب

وہ موتی کے مالے[6] بصد زیب و زین
کہیں جس کو آرام جاں دل کا چین

[1] رات بھیگنا رات کا ابتدائی حصہ گزرنے کے بعد کچھ خنکی ہو جاتی ہے اسی کو رات بھیگنا کہتے ہیں ۱۲ [2] سنگ پا۔ جھانواں ۱۲ [3] آہنگ۔ ارادہ [4] ایک ستارہ جس کے نکلنے کی خاصیت سے یمن میں چمڑا خوشبودار ہو جاتا ہے ۱۲۔ آسی [5] کھیس۔ ایک قسم کی موٹی چادر ۱۲ [6] مالا۔ ہار ۱۲

جواہر کا تن پر عجب تھا ظہور
کہ اک اک عدد[1] اُس کا تھا کوہ طور

غرض ہو کے اس طرح آراستہ
خراماں ہوا سرو نوخاستہ

نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار
کیے خوان گوہر کے اُس پر نثار

ز بس تھا سواری کا باہر ہجوم
ہوا جبکہ ڈنکا[2] پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار

سنہری رو پہلی[3] تھیں عماریاں
شب و روز کی سی طرحداریاں

چمکتے ہوئے بادلے کے نشاں
سواروں کے غٹ[4] اور بانوں کی شان

ہزاروں ہی اطراف میں پالکی
جھلابور[5] کی جگمگی نالکی[6]

کہاروں کی زربفت کی کرتیاں
اور اُن کے دبے پاؤں کی پھرتیاں

بندھیں پگڑیاں تاش[7] کی سر او پر
چکاچوند میں جس سے آوے نظر

وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے
جھلک جس کی ہر ہر قدم پر پڑے

وہ ماہی مراتب[8] وہ سرور واں
وہ نوبت کہ دولھا کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما
سہانی وہ نوبت کی اُس میں صدا

وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم[9] با قدم بالباس زری

بجاتے ہوئے شادیانے تمام
چلے آگے آگے ملے شاد کام

[1] عدد۔ جواہر و زیور وغیرہ کے لیے بولتے ہیں ۱۲ [2] ڈنکا ہونا۔ نقارہ بجنا ۱۲ [3] روپہلی نقرئی ۱۲ [4] غٹ۔ بھیڑ۔ بانا لباس ۱۲ [5] جھلابور۔ چمکدار ۱۲ [6] نالکی۔ ایک قسم کی کھلی سواری ۱۲۔ تام جھام ۱۲ [7] تاش۔ ایک قسم کا ریشمی زری کا کپڑا۔ زربفت بادلا ۱۲۔ [8] ماہی مراتب۔ وہ اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے لے کر چلتے ہیں ۱۲۔ [9] قدم با قدم یعنی قدم سے قدم ملائے ہوئے ۱۲

سوار اور پیادہ صغیر و کبیر
جلو[1] میں تمامی امیر اور وزیر

وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہ زادے کو گذرانیاں

ہوے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباسِ زری میں ملبس[2] تمام

طرق[3] کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر اودھر کچھ ورے[4] کچھ پرے[5]

مرصع کے سازوں سے کوتل[6] سمند
کہ خوبی میں روح القدس[7] سے دوچند

وہ فیلوں کی اور میگڈنبر[8] کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائبان

چلے پایۂ تخت کے ہو قریب
بدستور شاہانہ نپتے جریب

سواری کے آگے پے اہتمام
لیے سونے روپے کے عاصے[9] تمام

نقیب اور جلودار اور چوبدار[10]
یہ آپس میں کہتے تھے ہردم پکار

اُسی اپنے معمول و دستور سے
ادب سے تفاوت سے اور دور سے

[1] جلو۔ ہمراہی۔ ساتھ ۱۲ [2] لباس پہنے ہوئے ۱۲ [3] طرق سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اہتمام سواری کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔ نقیب وغیرہ یا ہجوم سے مراد ہے ۱۲ [4] ورے ادھر ۱۲ [5] پرے اُس طرف۔ اُدھر ۱۲ [6] کوتل وہ سجا ہوا گھوڑا جو خالی سواری کے ساتھ ساتھ محض زینت کے لیے چلتا ہے ۱۲ [7] روح القدس حضرت جبریلؑ ۱۲ [8] میگڈنبر۔ ایک قسم کا لکڑی کا مکان جس میں شاہان اودھ سفر کرتے تھے اس مکان میں قلابے لگے ہوتے تھے جو ہاتھیوں کی زنجیروں سے بندھے ہوتے تھے یہ مکان ہاتھی لے کر چلتے تھے اور اس غرض سے کہ حرکت نہ ہو سیکڑوں کہار نیچے سے اُس کو اٹھائے ہوتے تھے پنس کی طرح اُس میں ڈنڈے لگے ہوتے تھے۔ ۱۲ آسی [9] عاصے۔ عصا ۱۲ [10] چوبدار وہ نوکر جو سونے چاندی کے خول چڑھے ہوئے عصا لیکر بادشاہوں کے آگے چلتے تھے۔ ۱۲

یلا[1] نوجوانو بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لیے آئیو

بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اس طرح سے سواری چلی
کہے تو کہ بادِ بہاری چلی

تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
دکانوں پہ تھی بادلے کی چمک

منڈھے تھے تمامی[2] سے دیوار و در
تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر

کیا تھا زبس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چند

رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ
گذرتی تھی رُک رُک کے ہر جا نگاہ

ہوے جمع کوٹھوں پہ جوں مرد و زن
ہر اک سطح تھی جوں زمین چمن

یہ خالق کی سُن قدرت کاملہ
تماشے کو نکلی زن حاملہ

لگا لنج سے تا ضعیف و نحیف
تماشے کو نکلے وضیع[3] و شریف

وحوش[4] و طیوروں[5] تلک بے خلل
پڑے آشیانوں سے اپنے نکل

نہ پہونچا جو اک مرغ[6] قبلہ نما
سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا

زبس شاہزادہ بہت تھا حسیں
ہوے دیکھ عاشق کہیں و نہیں

نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام
کیا اُس نے جھک جھک کے اُس کو سلام

دُعا شاہ کو دی کہ بار الٰہ
سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

[1] یلانو یعنی پہلوانو ۱۲ [2] تمامی (۱) ایک ریشمی کپڑے کا نام۔ تمامی (۲)، تمام۔ کل۔ سب ۱۲ [3] وضیع۔ ادنیٰ چھوٹے لوگ ۱۲ [4] وحوش۔ وحشی کی جمع ۱۲ [5] طیور طیر کی جمع طیوروں جمع الجمع ۱۲ [6] مرغ قبلہ نما سے مراد وہ سوئی جو قبلہ نما میں ہوتی ہے اور ہمیشہ قبلہ رخ رہتی ہے ۱۲۔ آسی

یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہریار   کہ روشن رہے شہر پروردگار
غرض شہر سے باہر اک سمت کو   کوئی باغ تھا شہ کا اُس میں سے ہو
گھڑی چار تک خوب سی سیر کر   رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر
اُسی کثرت فوج سے ہو سوار   پھرا شہر کی طرف وہ شہریار
سواری کو پہونچا گئی فوج اُدھر   گئے اپنی منزل میں شمس و قمر
جہاں تک کہ تھیں خادمانِ محل   خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل
قدم اپنے حجروں سے باہر نکال   کیا سب نے آ پیشوا[1] حال[2]
بلائیں لگیں لینے سب ایک بار   کیا جی کو یکدست[3] سب نے نثار
گیا جب محل میں وہ سروِ رواں   بندھا ناچ اور راگ کا واں سماں
پہر رات تک پہنے پوشاک وہ   رہا ساتھ سب کے طربناک وہ
قضا را وہ شب تھی شبِ چاردہ   پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
نظارے سے تھا اُس کے دل کو سرور   عجب عالم نور کا تھا ظہور
عجب لطف تھا سیر مہتاب کا   کہے تو کہ دریا تھا سیماب[4] کا
ہوا شاہزادے کا دل بیقرار   یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ   کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ
خواصوں نے جا شاہ سے عرض کی   کہ شہزادے کی آج یوں ہے خوشی
ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا   کہ بھایا ہے عالم لبِ بام کا
کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل   اگر یوں ہے مرضی تو کیا ہے خلل

لہ پیشوا۔ پیشوائی۔ استقبال ۱۲ ۲ہ جلد۔ جلد جلد ۱۲ ۳ہ یکدست۔ سراسر ۱۲ ۴ہ سیماب۔ سپارہ ۱۲۔ آسی

پر اتنا ہو اُس سے خبردار ہوں   جنھوں کی ہو چوکی وہ بیدار ہوں
لبِ بام پر جب وہ سوئے صنم   کریں سورۂ نور کو اُس پہ دم
تھارا مرا بول بالا[1][2] رہے   یہ اس گھر کا قائم اُجالا رہے
کہا تب خواصوں نے حق سے امید   یہی ہے کہ ہم بھی رہیں روسپید
پھر اِس حکم لے واں سے پھر شاہ کا   بچھونا وہیں جا کیا ماہ کا
قضا را وہ دن تھا اُسی سال کا   غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
سخن مولوی[3] کا یہ سچ ہے قدیم   کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم
بڑے اپنے اپنے جو سب عیش بیچ   نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ
یہ جانا کہ یوہیں رہے گا یہ دور   زمانے کا سمجھا اُنھوں نے نہ طور
کہ اس بے وفا کی نئی ہے ترنگ   یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم میں رنگ
کرا[4] بادۂ عیش در جام ریخت   کہ صد شام برفرقِ صبحش نریخت
ندارای[5] تعجب زنیرنگ دہر   کہ آرد زیک حقہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونے کی اور پری کے اُڑا لے جانے کی

شتابی سے اُٹھ ساقی سیمبر   کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر

لہ مراد بہرہ ۱۲ ۲ہ بول بالا عزت۔ آبرو۔ عروج ۱۲ ۳ہ مقولہ مولانا روم ہے چوں قضا آید طبیب ابلہ شود ۱۲
۴ہ آسمان نے کس کے پیالے میں شراب عیش دی ہے کہ اُس کی صبح کے سر پر سو شامیں نہیں ڈالیں یعنی پھر اس کو تکلیف نہیں پہونچائی ۱۲ ۵ہ تو زمانے کی نیرنگی سے تعجب نہ کرنا کہ یہ ایک ہی ڈبہ میں تریاق اور زہر رکھتا ہے ۱۲۔ آسی

یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہریار — کہ روشن رہے شہر پروردگار
غرض شہر سے باہر اک سمت کو — کوئی باغ تھا شہ کا اُس میں سے ہو
گھڑی چار تک خوب سی سیر کر — رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر
اُسی کثرت فوج سے ہو سوار — پھرا شہر کی طرف وہ شہریار
سواری کو پہونچا گئی فوج اُدھر — گئے اپنی منزل میں شمس و قمر
جہاں تک کہ تھیں خادمانِ محل — خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل
قدم اپنے حجروں سے باہر نکال — کیا سب نے آ پیشوا[1] حال[2] حال
بلائیں لگیں لینے سب ایک بار — کیا جی کو یکدست[3] سب نے نثار
گیا جب محل میں وہ سرو رواں — بندھا ناچ اور راگ کا واں سماں
پہر رات تک پہنے پوشاک وہ — رہا ساتھ سب کے طربناک وہ
قضارا وہ شب تھی شب چاردہ — پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
نظارے سے تھا اُس کے دل کو سرور — عجب عالم نور کا تھا ظہور
عجب لطف تھا سیر مہتاب کا — کہے تو کہ دریا تھا سیماب[4] کا
ہوا شاہزادے کا دل بیقرار — یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ — کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ
خواصوں نے جا شاہ سے عرض کی — کہ شہزادے کی آج یوں ہے خوشی
ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا — کہ بھایا ہے عالم لبِ بام کا
کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل — اگر یوں ہے مرضی تو کیا ہے خلل

؎۱ پیشوا۔ پیشوائی۔ استقبال ۱۲ ؎۲ جلد جلد ۱۲ ؎۳ یکدست۔ سراسر ۱۲ ؎۴ سیماب۔ پارہ ۱۲۔ آسی

پر اتنا ہو اُس سے خبردار ہوں — جنھوں کی ہو چوکی[1] وہ بیدار ہوں
لبِ بام پر جب وہ سوئے صنم — کریں سورۂ نور کو اُس پہ دم
تمہارا مرا بول[2] بالا رہے — یہ اس گھر کا قائم اُجالا رہے
کہا تب خواصوں نے حق سے امید — یہی ہے کہ ہم بھی رہیں روسپید
پھریں حکم لے واں سے پھر شاہ کا — بچھونا وہیں جا کیا ماہ کا
قضارا وہ دن تھا اُسی سال کا — غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
سخن مولوی[3] کا یہ سچ ہے قدیم — کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم
پڑے اپنے اپنے جو سب عیش بیچ — نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ
یہ جانا کہ یوں ہی رہے گا یہ دور — زمانے کا سمجھا اُنھوں نے نہ طور
کہ اس بے وفا کی نئی ہے ترنگ — یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم میں رنگ
کرا بادۂ[4] عیش در جام ریخت — کہ صد شام بر فرق صبحش نریخت
ندارِی[5] تعجب ز نیرنگ دہر — کہ دارد ز یک حقہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونے کی اور پری کے اُڑا لے جانے کی

شتابی سے اُٹھ ساقی سیمبر — کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر

؎۱ مراد پہرہ ۱۲ ؎۲ بول بالا۔ عزت۔ آبرو۔ عروج ۱۲ ؎۳ مقولہ مولانا روم ؎ چوں قضا آید طبیب ابلہ شود ۱۲
؎۴ آسمان نے کس کے پیالے میں شراب عیش دی ہے کہ اُس کی صبح کے سر پر سو شامیں نہیں ڈالیں یعنی پھر اس کو تکلیف نہیں پہونچائی ۱۲ ؎۵ تو زمانے کی نیرنگی سے تعجب نہ کر ناکہ یہ ایک ہی ڈبہ میں تریاق اور زہر رکھتا ہے ۱۲۔ آسی

بلوریں گلابی میں دے بھر کے جام | کہ آیا بلندی پہ ماہِ تمام
جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ سن | مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن
اگر مے کے دینے میں کچھ دیر ہے | تو پھر جانیو یہ کہ اندھیر ہے
وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ | کہ جس میں تنوں کو ہو جس پر اُمنگ
سراسر اوقچے زری باف کے | کہ تھے رشک آئینۂ صاف کے
کبھی چادر اک اُس پہ شبنم کی صاف | کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف
کسے اُس پہ کسنے وہ مقیش کے | کہ جھبّوں میں تھے جس کے موتی لگے
دھرے اُس پہ تکیے کئی نرم نرم | کہ مخمل کو ہو جس کے دیکھے سے شرم
کہاں تک کوئی اُن کی خوبی کو پائے | جسے دیکھ آنکھوں کو آرام آئے
وہ گل تکیے اُس کے جو تھے رشک ماہ | کہ ہر وجہ تھی اُن کو خوبی میں راہ
کبھی نیند میں جبکہ ہوتا تھا وہ | تو رخسار رکھ اُس پہ سوتا تھا وہ
چھپائے سے ہوتا نہ حسن اُس کا ماند | دیے تھے لگا اُس کے مکھڑے کو چاند
ہوئی دونوں کے حسن کی ایک جوت | کہ جیسے ہوں دو چشموں کے ایک سوت
زبس نیند میں تھا جو وہ ہو رہا | بچھونے پہ آتے ہی وہ سو رہا
وہ سویا جو اس آن سے بے نظیر | رہا پاسباں اُس کا بدرِ منیر
ہوا اُس کے سونے پہ عاشق جو ماہ | لگا دی ادھر اُس نے اپنی نگاہ

۱؎ اوقچے صاف سفید چادر جس کے کنارے پر کام ہوتا ہے اور بچھانے کے کام آتی ہے ۱۲ ۲؎ شبنم ایک باریک کپڑا ۱۲ ۳؎ کسنا۔ پلنگ کسنے کی ڈوری۔ کسنے جمع ۱۲ ۴؎ ایک قسم کا پھندنا۔ گچھا ۱۲ ۵؎ ایک قسم کے چھوٹے گول تکیے جو رخسار کے نیچے رکھے جاتے ہیں ۱۲ ۶؎ جوت۔ روشنی۔ اُجالا ۱۲ آسی

وہ مہ اُس کے کوٹھے کا ہالہ ہوا | غرض واں کا عالم دوبالا ہوا
وہ پھولوں کی خوشبو وہ ستھرا پلنگ | جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ
جہاں تک کہ چوکی کے تھے باری دار | ہوا جو چلی سو گئے ایک بار
غرض سب کو واں عالمِ خواب تھا | مگر جاگتا ایک مہتاب تھا
قضارا ہوا اک پری کا گذر | پڑی شاہزادے پہ اُس کی نظر
بھبھوکا سا دیکھا جو اُس کا بدن | جلا آتشِ عشق سے اُس کا تن
ہوئی حسن پر اُس کے جی سے نثار | وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اُتار
جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں | منور ہے سارا زمیں آسماں
دوپٹے کو اُس مہ کے منہ سے اُٹھا | دیا گال سے گال اپنا ملا
اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس | ولیکن حیا نے کہا اُس کو بس
مے عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ | کہ لے چلیے اس کا امانت پلنگ
محبت کی آئی جو دل میں ہوا | وہاں سے اُسے لے اُڑی دلربا
ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند | ہوا یں ستارہ سا چمکا دو چند
شب مہ میں وہ یوں زمیں سے اُٹھا | چلے شیر جس طرح سے جوش کھا
جلے رشک سے اُس کے شمع و چراغ | کہ اُس مہ کا پہونچا فلک پر دماغ
غرض لے گئی آن کی آن میں | اُڑا کر وہ اُس کو پرستان میں
کبھی دل رہے خوش کبھی دردمند | زمانے کی جیسے ہے پست و بلند

۱؎ باری دار۔ نمبردار پہرہ چوکی دینے والے ۱۲
۲؎ بھبھوکا۔ آگ کا شعلہ ۱۲ آسی۔

داستان حالت تباہ کرنے ماں باپ کی شاہزادے کے غائب ہونے سے

نشانی مجھے ساقیا دے شراب — کہ یہ حال سن کر ہوا دل کباب
یہاں کا تو قصہ یہیں چھوڑا یہاں — ذرا اب سنو غمزدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم — کہ گذرا جدائی سے کیا اُن پہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں — تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہرو — نہ وہ گُل ہے اُس جا نہ وہ اُس کی بو
رہے دیکھ یہ حال حیران کار — کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی — کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی — کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر ہو — گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیرِ زنخداں چھڑی — رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی اُنگلی کو دانتوں میں داب — کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیے کھول سنبل سے بال — طمانچوں سے جوں گل کیے سُرخ گال
نہ بن آئی کچھ اُن کو اس کے سوا — کہ کہیے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر — گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر
کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی — کلی کی طرح بکس رہ گئی
ہوا گم جو یوسف پڑی یہ جو دھوم — کیا خادمانِ محل نے ہجوم

کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا — عزیز دو جہاں سے وہ یوسف گیا
گئیں لے وہ شہ کو لب بام پر — دکھایا کہ سوتا تھا یہاں سیمبر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا — کہا ہائے بیٹا تو یاں سے گیا
مرے نوجواں میں کہاں جاؤں پیر — نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحرِ غم میں ڈبویا ہمیں — غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں
کروں اس قیامت کا کیا میں بیاں — ترقی پہ ہر دم تھا شور و فغاں
لب بام کثرت جو یکسر ہوئی — تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی
شب آدھی وہ جس طرح سوتے کٹی — رہی تھی جو باقی وہ روتے کٹی
عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ — قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ
سحر نے کیا جب گریبان چاک — اُڑانے لگے مل کے سب سر پہ خاک
اُٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل — کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا — ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا
گیا جبکہ وہ سرو اُس باغ سے — نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول — اُڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
صدا اب ہو کوئی انھوں کی سنے — تو کوکو سے اُن کی جگر تک بھنے
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال — ثمر رگ کے پاؤں ہوئے پائمال
ترانے سے بلبل کا جی ہٹ گیا — گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا
تبسم گیا حزن سے غنچہ بھول — ہوا غم سے ازبس لہو پی کے پھول
اُڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب — ہوئے بال سنبل کے ماتم کی شب

لب جوے اُڑانے لگی گرد گرد / گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالے کے دل کو تمام / دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اس باغ میں بسکہ سخت / ہوے نخل[1] ماتم تمامی درخت
گرے غم سے انگور مدہوش ہو / پڑے سارے سایے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ / وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لبریز جو نہر تھی جا بجا / سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اُچھلتے تھے فوارے جو اُس کے واں / گیا سب نکل اُن کا تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے / غرض رُوتے رُوتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ / کیا رخت پانی نے اپنا سیاہ
کہاں وہ کنویں اور کہاں آبشار / کوئی دل میں روتا کوئی دھاڑ[2] مار
نہ بگلوں کا عالم نہ وہ قرقرے / نہ وہ آبجوئیں[3] نہ سبزے ہرے
جہاں رقص کرتے تھے طاؤس باغ / لگے بولنے واں منڈیروں پہ زاغ
سہانی وہ چھائیں جو دلچسپ تھیں / تو کیا ہو کہ اب دل لگی واں نہیں
منقش جہاں تھے وہ رنگیں مکاں / ہوے سب وہ جوں دیدۂ خونچکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل / سو وہ سب خزاں سے ہوے مضمحل
خزاں کا الم دل میں جو آ گڑا / جگر برگ گل کی طرح جھڑ پڑا
نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا / فقط دل میں اک خار ہجراں رہا
وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ / کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ

[1] نخل ماتم - تابوت ١٢ آسی [2] دہاڑ مار کر رونا - چلّا کر رونا ١٢ [3] آبجو - ندی ١٢ - آسی

کہا گو جدائی گوارا نہیں / و لیکن خدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمھیں اضطراب / نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب
خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے / صحہ / یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
خدا کی خدائی جو معمور ہے / غرض اُس کے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام / اُسی کی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پر / بہر نوع رہنے لگے یک دگر
لٹا یا بہت باپ نے مال و زر / و لیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر

داستان شہزادے کو پرستان میں لیجانے کی

مجھے دے کے مے کھوج اُس کا بتا / ذرا خضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نہ پائی کہیں یاں تو اُس گل کی بو / کروں اب پرستان میں جستجو
اُڑی وہ پری واں سے لیکر اُسے / اُتارا پرستاں کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سیر کا اُس کے باغ / کہ جس کے گلوں سے ہو تازہ دماغ
ریاحین و گل اُس میں انواع کے / طلسمات گل اس میں انواع کے
طلسمات کے سارے دیوار و در / نہ بانکے سے کوٹھے نہ بانکے سے گھر
مطلّا[1] منقش[2] مشبک[3] تمام / پہ کیا ہو جو ہو دھوپ کا اُس میں نام
گرے چھنکے واں اس لطافت سے دھوپ / کہ زردی کا جوں زعفراں پر ہو روپ
نہ آتش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر / ضرر / نہ سردی نہ گرمی کا اُس میں خطر

[1] سونے کا کام ١٢ [2] منقش - نقشین ١٢ [3] مشبک - جالی دار ١٢

لب جوے اُڑانے لگی گرد گرد / گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالے کے دل کو تمام / دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اس باغ میں بسکہ سخت / ہوے نخل ماتم[1] تمامی درخت
گرے غم سے انگور مدہوش ہو / پڑے سارے سایے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ / وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لبریز جو نہر تھی جابجا / سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اُچھلتے تھے فوارے جو اُس کے واں / گیا سب نکل اُن کا تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے / غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ / کیا رخت پانی نے اپنا سیاہ
کہاں وہ کنویں اور کہاں آبشار / کوئی دل میں روتا کوئی دھاڑ مار[2]
نہ بگلوں کا عالم نہ وہ قرقرے / نہ وہ آبجوئیں[3] نہ سبزے ہرے
جہاں رقص کرتے تھے طاؤس باغ / لگے بولنے واں منڈیروں پہ زاغ
سہانی وہ چھائیں جو دلچسپ تھیں / تو کیا ہو کہ اب دل لگی واں نہیں
منقش جہاں تھے وہ رنگیں مکاں / ہوے سب وہ جوں دیدۂ خونچکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل / سو وہ سب خزاں سے ہوے منفعل
خزاں کا الم دل میں جو آ گڑا / جگر برگ گل کی طرح جھڑ پڑا
نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا / فقط دل میں اک خار ہجراں رہا
وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ / کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ

[1] نخل ماتم۔ تابوت ۱۲ آسی [2] دہاڑ مار کر رونا۔ چلا کر رونا ۱۲ [3] آبجو۔ ندی ۱۲۔ آسی

کہا گو جدائی گوارا نہیں / و لیکن خدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمھیں اضطراب / نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب
خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے / یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
خدا کی خدائی جو معمور ہے / غرض اُس کے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام / اُسی کی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پر / بہر نوع رہنے لگے یک دگر
لٹایا بہت باپ نے مال و زر / و لیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر

داستان شہزادے کو پرستان میں لیجانے کی

مجھے دے کے مے کھوج اُس کا بتا / ذرا خضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نہ پائی کہیں یاں تو اُس گل کی بو / کروں اب پرستان میں جستجو
اُڑی وہ پری واں سے لیکر اُسے / اُتارا پرستاں کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سیر کا اُس کے باغ / کہ جس کے گلوں سے ہو تازہ دماغ
ریاحین و گل اُس میں انواع کے / طلسمات گل اس میں انواع کے
طلسمات کے سارے دیوار و در / نہ پانکے سے کوٹھے نہ پانکے سے گھر
مطلّا[1] منقش[2] مشبک[3] تمام / یہ کیا ہو جو ہو دھوپ کا اُس میں نام
گرے چھنکے واں اس لطافت سے دھوپ / کہ زردی کا جوں زعفراں پر ہو روپ
نہ آتش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر / نہ سردی نہ گرمی کا اُس میں خطر

[1] سونے کا کام ۱۲ [2] منقش۔ نقشین ۱۲ [3] مشبک۔ جالی دار ۱۲

ہرے اور بھرے سب گلوں سے مکاں
جہاں چاہیے جا کے رکھدیں وہاں

درخشندہ ہر سقف دالان کی
ہو دیوار جیسے چراغان کی

زمیں ساری وانکی جواہر نگار
ادھر[1] میں چمن اور ہوا میں بہار

کسی کو ہو جس چیز کا اشتیاق
نظر آوے وہ چیز بالائے طاق

جواہر کے ذی روح وحش و طیور
خراماں پھریں صحن میں دور دور

پھریں دن میں سارے وہ حیواں ہو
کریں رات میں کام انسان ہو

لگے ہر طرف گوہر[2] شب چراغ
وہی دن کو گوہر وہی شب چراغ

بنائے ہوئے جال باہم نہال
گل و غنچہ سب واں کے دور از خیال

صدا آپ سے آپ گھڑیال[3] کی
کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی

رہے واں کے حجروں کا جو در کھلا
تو دنیا کے باجوں کی آئے صدا

وگر بند کر دیجیے ایک بار
تو جوں ارغنوں[4] راگ نکلیں ہزار

مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش
بخط سلیمانی اُن پر نقوش

طلسمات کے پردے اور چلونیں
ارادے پہ دل کے اُٹھیں اور کھلیں

خواصیں پریزاد اُس میں تمام
پھریں گرد گرد اُس پری کے مدام

سر نہر بنگلہ مرصع[5] نگار
سراپا برنگ گہر آب دار

رکھا شاہزادے کا اُس میں پلنگ
کھلا حسن سے اُس کے بنگلے کا رنگ

[1] ادھر معلق۔ ٹنگا ہوا ۱۲۔ آسی [2] گوہر شب چراغ ایک قسم کا لعل جو شب کو روشنی دیتا ہے ۱۲ [3] گھڑیال۔ وہ گھنٹہ جو امیروں کے دروازوں پر۔ یا مندروں وغیرہ میں بجایا جاتا ہے ۱۲ [4] ارغنوں ایک باجا جس کا موجد افلاطون تھا ۱۲ [5] مرصع نگار۔ جس پر نقش و نگار بنائے ہوں ۱۲

قضارا کھلی آنکھ اُس گُل کی جو
نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بو

نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا
تعجب سے اک اک کو تکتا رہا

اچنبھے[1] کا یہ خواب دیکھا جو واں
لگا کہنے یارب میں آیا کہاں

زبس تھا وہ لڑکا تو سہما[2] بھی کچھ
ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ

سرہانے جو دیکھی مہِ چاردہ
کہ ہے اجنبی سی وہ اک رشک مہ

کہا کون ہے تو یہ کس کا ہے گھر
لے آیا مجھے کون گھر سے ادھر

پھرا منھ کو اور لے اُدھر سے نقاب
دیا اُس پری نے یہ ہنس کر جواب

خدا جانے تو کون میں کون ہوں
مجھے بھی تعجب ہے میں کیا کہوں

پر اب تو تو مہمان ہے میرے گھر
لے آئی ہے تجھ کو قضا و قدر

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں
پر اب یہ گھر تیرا ہے میرا نہیں

ترے عشق نے مجھ کو شیدا کیا
ترا غم مرے دل میں پیدا کیا

چھڑا کر ترا تجھ سے شہر و دیار
یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار

پری ہوں میں اور یہ پرستان ہے
یہاں سب یہ قوم بنی جان ہے

کہاں صورتِ جن[3] کہاں شکل انس[4]
غرض قہر ہے صحبت غیر جنس

پری کو ہوئی شادی اُس مہ کو غم
پہ ناچار کیا کر سکے وہ صنم

کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار
کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار

غرض دل کو جوں توں لگایا وہاں
کہا اُس نے جو کچھ کہا اُس کو ہاں

[1] اچنبھا۔ تعجب ۱۲۔ [2] سہماں۔ اس طریقہ سے اب استعمال نہیں کرتے۔ اور نہ یوں قافیہ کیا جاسکتا ہے ۱۲۔ آسی [3] مراد جنات ۱۲ [4] انس۔ انسان ۱۲۔ آسی

ولیکن نہ عقل و نہ ہوش و حواس
رہے وحشیوں کی طرح وہ اداس

کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے وہ
کبھی سانس لے کر کہے ہائے وہ

وہ محلوں کی چہلیں وہ گھر کا سماں
رہے روبرو دھیان میں ہر زماں

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے
تو راتوں کو رو رو کے دریا بہائے

کبھی اپنی تنہائی پر غم کرے
کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے

کرے یاد جب اپنے ناز و نعم
فغاں زیر لب وہ کرے دمبدم

بہانے سے دن رات سویا کرے
نہ ہو جب کوئی تب وہ رویا کرے

در اضطراب اسیری

غرض مضطرب تھا وہ ہر حال میں
کہ جوں مرغ تڑپے نیا جال میں

غرض ماہرخ اُس پری کا تھا نام
پدر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام

کبھی گھر میں رہتی کبھی رہتی واں
کہ تا راز اُس کا نہ ہووے عیاں

وہ پریوں میں از بسکہ تھی ذی شعور
نئی چیز لاتی تھی اُس کے حضور

عجائب غرائب پرستان کے
دکھاتی تھی ہر شب اُسے آن کے

نئے کھانے اور میوے اقسام کے
مہیا سب اسباب آرام کے

نئی کشتیاں روز پوشاک کی
خوشامد سدا جان غمناک کی

نئے سوانگ واں کے نئے راگ رنگ
کہ تا دل لگے اور نہ ہو جی تنگ

شرابوں کے شیشے چنے طاق میں
گزک وہ کہ نکلے نہ آفاق میں

شراب و کباب و بہار و نگار
جوانی و مستی و بوس و کنار

نہ تھا اور غم کچھ تو اُس کو وہاں
بغیر از غم دوریِ دوستاں

اسی غم میں گھل گھل کے مرتا تھا وہ
سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ

پری وہ جو تھی دل لگائے ہوئے
وہ بیٹھی تھی اُس کو اُڑائے ہوئے

وہ تھی نازنیں بھی بہت عقلمند
نہ کھلنے[1] سے کچھ اُس کے ہوتی تھی بند

کہا ایک دن اُس نے اے بے نظیر
مرے دام میں تو ہوا ہے اسیر

تو ایک کام کر اک پہر بھر کہیں
کیا کر ٹک اک سیر روئے زمیں

تو رُک رُک[2] کے کر اپنے جی کو نہ بند
نہ ہووے کہیں تیرے جی کو گزند

سر شام جاتی ہوں میں باپ پاس
اکیلا تو رہتا ہے اس جا اداس

یہ گھوڑا میں دیتی ہوں کل کا تجھے
ولیکن یہ دے تو مچلکا[3] مجھے

کہ گر شہر کی طرف جائے کہیں
دیا دل کسی سے لگائے کہیں

تو پھر حال جو ہو گنہگار کا
وہی حال ہو تجھ سے دلدار کا

کہا کیونکہ میں تم کو جاؤں گا بھول
مجھے جو کہا تم نے سب ہے قبول

کہا ماہرخ نے کہ تھے تیرے بخت
کہ بخشا تجھے میں سلیماں کا تخت

جو اُترے تو کل اُس کی یوں جوڑیو
جو برعکس چاہے تو دوں موڑیو

زمیں سے لگا اور تا آسماں
جہاں چاہیو جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اُس اسپ کی خوبیاں
پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

ذرا کل کو موڑے فلک پر ہوا
جو کہیے تو کہیے اُسے بادپا

[1] نہ کھلنے سے یعنی اس کے بے تکلف نہ ہونے سے ۱۲ [2] رُک رُک کے۔ یعنی گھٹ گھٹ کے ۱۲ [3] مچلکا دینا۔ کسی امر کے نہ کرنے کا تحریری عہد دینا ۱۲ آسی

نہ کھاوے نہ پیوے نہ سووے کبھی ۔۔۔ نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی
نہ خشری[1] نہ کری[2] نہ شب کور[3] وہ ۔۔۔ نہ وہ کہنہ لنگ[4] اور نہ منہ زور[5] وہ
نہ ہڈ[7] دُنکا نے موترے[6] کا خلل ۔۔۔ نہ پیشانی اور پر ستارے کا بل
نہ سایئں[8] نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر ۔۔۔ ہر اک عیب سے وہ غرض بیخطر
یہ گھوڑا جو اُس کل کی تھا بخش[9] کا ۔۔۔ فلک سیر تھا نام اُس رخش کا
سرِ شام وہ بے نظیر جہاں ۔۔۔ اُسی رخش[10] پر ہو کے جلوہ کناں
ہر اک طرف سے ہو گذرتا تھا وہ ۔۔۔ وہیں اک پہر سیر کرتا تھا وہ
پہر[11] جب کہ بجتا تو پھرتا شتاب ۔۔۔ کہ پھر قہر تھا ماہرخ کا عتاب

داستان وارد ہونا بے نظیر کا باغ میں بدر منیر کے

کدھر ہے تو اے ساقی شوخ رنگ ۔۔۔ کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے بتنگ

[1] خشری گھوڑا۔ عیب دار گھوڑا جو اور گھوڑوں کے ساتھ مل کر نہ رہ سکے ۱۲ [2] کری۔ وہ گھوڑا جس کی کمر سواری اور حبت میں خم نہ ہو سکے ۱۲ [3] شب کور جس کو رات کو نہ دکھائی دے۔ گھوڑے کا یہ بھی ایک عیب ہے ۱۲ [4] کہنہ لنگ۔ گھوڑے کے لنگڑانے کا عیب ۱۲ [5] منہ زور لگھنا گھوڑا ۱۲ [6] موترا گھوڑے کا ایک مرض۔ یہ ایک غدود ہے جو گھوڑے کے پیچھے کے پاؤں میں نمودار ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ لنگ کرنے لگتا ہے اس مرض میں گھوڑے کے ٹخنے کی ہڈی بھی بڑھ جاتی ہے ۱۲ [7] جس گھوڑے کی پیشانی پر سفید ٹیکا ہوتا ہے اس کو منحوس مانا ہے ۱۲ [8] یہ سب علامتیں گھوڑے میں منحوس مانی گئی ہیں ۱۲ [9] بخش حصہ ۱۲ [10] گھوڑا ۱۲ [11] پہر بجنا۔ امرا اور بادشاہوں کے یہاں ایک پہر رات گزر جانے پر گھنٹا بجتا تھا ۱۲

پلا مجھ کو دارو[1] کوئی تیز و تند ۔۔۔ کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کند
مرے توسن طبع کو پر لگا ۔۔۔ مجھے یاں سے لے چل فلک پر اُڑا
سنو ایک دن کی یہ تم واردات ۔۔۔ اُٹھا سیر کر بے نظیر ایک رات
ہوا ناگہاں اُس کا اک جا گذر ۔۔۔ سُہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھی عمارت بلند ۔۔۔ کہ تھی نور میں چاندنی سے دوچند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جابجا ۔۔۔ وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھر افلاک اور وہ مہ کا ظہور ۔۔۔ لگا شام سے صبح تک وقت نور
یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ ۔۔۔ اُترا اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا
لگا جھانکنے اُس مکان کے تئیں ۔۔۔ کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہے یا نہیں
جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر ۔۔۔ کہ سب کچھ گیا اُس کے جی سے اُتر
کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو ۔۔۔ ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو
یہ کہہ نیچے اُترا دبے پاؤں وہ ۔۔۔ نظر سے بچائے ہوئے چھاؤں وہ
الگ کھول ہاتھوں سے وانکے کواڑ ۔۔۔ چلا سایہ سا یہ درختوں کی آڑ
تھے اک طرف گنجان باہم درخت ۔۔۔ کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت
لگا واں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر ۔۔۔ درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر
جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں ۔۔۔ عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں
عجب صورتیں اور طرفہ محل ۔۔۔ چلا دیکھتے ہی دل اُس کا نکل
ملی جنس کی اپنے جو اُس کو بو ۔۔۔ لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو

[1] دارو۔ مجازاً شراب ۱۲-آسی

نہ کھاوے نہ پیوے نہ سووے کبھی / نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی
نہ حشری[1] نہ کرّی[2] نہ شب کور[3] وہ / نہ وہ کہنہ لنگ[4] اور نہ منہ زور[5] وہ
نہ ہڈ[6] و نکانے موتڑے[7] کا خلل / نہ پیشانی اوپر ستارے[8] کا بل
نہ سایش[8] نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر / ہر اک عیب سے وہ غرض بےخطر
یہ گھوڑا جو اُس گل کی تھا بخش[9] کا / فلک سیر تھا نام اُس رخش کا
سرِ شام وہ بے نظیر جہاں / اُسی رخش[10] پر ہو کے جلوہ کناں
ہر اک طرف سے ہو گذرتا تھا وہ / وہی اک پہر سیر کرتا تھا وہ
پہر[11] جب کہ بجتا تو پھرتا شتاب / کہ پھر قہر تھا ماہرخ کا عتاب

داستان وارد ہونا بے نظیر کا باغ میں بدر منیر کے

کدھر ہے تو لے ساقی شوخ رنگ / کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے تنگ

[1] حشری گھوڑا عیب دار گھوڑا جو اور گھوڑوں کے ساتھ مل کر نہ رہ سکے ۱۲ [2] کرّی۔ وہ گھوڑا جس کی کمر سواری اور رغبت میں خم نہ ہو سکے ۱۲ [3] شب کور جس کو رات کو نہ دکھائی دے۔ گھوڑے کا یہ بھی ایک عیب ہے ۱۲ [4] کہنہ لنگ۔ گھوڑے کے لنگڑانے کا عیب ۱۲ [5] منہ زور لگھنا گھوڑا ۱۲ [6] [7] موتڑا گھوڑے کا ایک مرض۔ یہ ایک غدود ہے جو گھوڑے کے پیچھے کے پاؤں میں نمودار ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ لنگ کرنے لگتا ہے اس مرض میں گھوڑے کے ٹخنے کی ہڈی بھی بڑھ جاتی ہے ۱۲ [8] جس گھوڑے کی پیشانی پر سفید ٹیکا ہوتا ہے اس کو منحوس مانا ہے ۱۲ [8] یہ سب علامتیں گھوڑے میں منحوس مانی گئی ہیں ۱۲ [9] بخش حصہ ۱۲ [10] گھوڑا ۱۲ [11] پہر بجنا۔ امراء اور بادشاہوں کے یہاں ایک پہر رات گزر جانے پر گھنٹا بجتا تھا ۱۲

چلا مجھ کو دارو[1] کوئی تیز و تند / کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کند
مرے توسنِ طبع کو پر لگا / مجھے یاں سے لے چل فلک پر اُڑا
سنو ایک دن کی یہ تم واردات / اُٹھا سیر کر بے نظیر ایک رات
ہوا ناگہاں اُس کا اک جا گذر / سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھی عمارت بلند / کہ تھی نور میں چاندنی سے دوچند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا / وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھر افلاک اور وہ مہ کا ظہور / لگا شام سے صبح تک وقت نور
یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ / اُتر اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا
لگا جھانکنے اُس مکان کے تئیں / کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہے یا نہیں
جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر / کہ سب کچھ گیا اُس کے جی سے اُتر
کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو / ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو
یہ کہہ نیچے اُترا دبے پاؤں وہ / نظر سے بچائے ہوئے چھاؤں وہ
الگ کھول ہاتھوں سے وانکے کواڑ / چلا سایہ سا یہ درختوں کی آڑ
تھے اک طرف گنجان باہم درخت / کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت
لگا واں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر / درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر
جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں / عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں
عجب صورتیں اور طرفہ محل / چلا دیکھتے ہی دل اُس کا نکل
ملی جنس کی اپنے جو اُس کو بو / لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو

[1] دارو۔ مجازاً شراب ۱۲ آسی

نظر آئی واں چاندنی کی بہار | کہ آنکھوں نے کی خیرگی[۱] اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید | ہر اک طاق محراب صبح امید
مغرق[۲] زمیں پر تمامی کا فرش | جھلک جس کی لے فرش سے تا بعرش
زمیں کا طبق آسماں کا طبق | سنہرے روپہلے ہوں جیسے ورق
بلوریں دھرے ہر طرف سنگ فرش[۳] | کہ جس سے منور ہے رنگ فرش
گئی اس کے عالم پہ جس دم نگاہ | اور آئی نظر اس میں اک رشک ماہ
طرح[۴] اس کی ہر دل کی مانوس تھی | کہ گویا وہ شیشے کی فانوس تھی
کہیں دیکھ اس کے تئیں ہوشمند | پری کو کیا ہے گا شیشے میں بند
ہر اک سمت واں نور کا ازدحام | لگے آئنے قد آدم تمام
لپیٹے ہوے بادلوں سے درخت | زمیں دہ ہوا صاحب تاج و تخت
ملبب[۵] وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر | پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
لب نہر پر صاف جو غور کی | تو پٹڑی تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوے | ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوے
مقرض[۶] پڑا اس میں مقیش[۷] جو | گرا ماہ واں رشک سے پرزے ہو

۱؎ خیرگی۔ چکاچوند ۱۲ ۲؎ مغرق۔ جگمگاتا ہوا۔ باآب و تاب ۱۲ ۳؎ سنگ فرش۔ میر فرش وہ تراشے ہوئے پتھر جو فرش کے چاروں گوشوں پر اس لیے رکھ دیتے ہیں کہ ہوا سے نہ اڑ سکے ۱۲ ۴؎ طرح۔ وضع ۱۲ آسی ۵؎ ملبب۔ لبالب بھری ہوئی۔ فارسی والوں نے بقاعدہ عربی اس کو بنا لیا ہے ورنہ عرب کے لغات میں یہ لفظ نہیں ہے ۱۲ ۶؎ مقراض۔ مقراض یعنی قینچی سے تراشا ہوا ۱۲ ۷؎ چاندی سونے کے تاروں کا بنا ہوا ایک کپڑا ۱۲

لیے گو وہ مقیش چھوٹے بڑے | ہر اک جا ستارے اڑا دیں کھڑے
غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ | زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ
ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم | ملیں جلوۂ مہ کو زیر قدم
فقط چاندنی میں کہاں طور یہ | کہ طرہ نہ جب تک ملے اور یہ
زمانہ زر افشاں ہوا زر فشاں | زمیں سے لگا تا سما[۱] زر فشاں
گل و غنچہ نسرین و تاج خروس[۲] | زمین چمن سب جبین عروس
خراماں زری پوش ہمراہ وش | کریں دیکھ کر مہر و مہ جن کو غش
کھڑا ایک نگیرہ[۳] زر نگار | کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار
جڑاؤ وہ استادے[۴] الماس کے | ڈھلے ایک سانچے کے اک راس[۵] کے
کھنچی ڈوری اک طرف زر تار کی | لڑی جوں کناری کے ہوں ہار کی
کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن | کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن
مغرق بچھی مسند اک جگمگی[۶] | کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے | کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے
بلوریں صراحی وہ جام بلور | دل و دیدہ وقف تماشائے نور
زمیں نور کی آسماں نور کا | جدھر دیکھو ادھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے | جوانان شب بو[۷] کے ہر جا پرے

۱؎ سما۔ آسمان ۱۲ ۲؎ تاج خروس۔ ایک پھول کا درخت جس کو اردو فارسی میں مرغ کیس کہتے ہیں ۱۲ ۳؎ نگیرہ۔ ایک قسم کا ہلکا شامیانہ ۱۲ ۴؎ استادے۔ شامیانے اور خیمہ کی چوبیں ۱۲ ۵؎ اک راس کے یعنی ایک ناپ کے ۱۲ آسی ۶؎ جگمگی۔ چمکدار زرق برق ۱۲ ۷؎ شب بو۔ ایک پھول کے درخت کا نام ۱۲

ستاروں کا مہتاب میں جال یوں / کہ چونے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایہ اوپر نگاہ / تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے ہے نگہ جس طرف کو گذر / بجز نور آتا نہیں کچھ نظر
کروں کون سے حسن کو انتخاب / ہر اک آئینے میں وہی ماہتاب
نظر جس طرف جائے نزدیک دور / اسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
نکل اپنی وحدت سے کثرت میں آ / وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا
نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب / وہی ایک نکتہ کہ جس کی کتاب
حقیقت کی لیکن بعبارت بھی ہو / کہ دیکھے نہ اس کے سوا غیر کو

داستان تعریف بدر منیر اور عاشق ہونا بے نظیر کا

گلابی[۵۰] مرے سامنے ساقیا / مہِ چاردہ کو دکھا کر پلا
کہ دیکھے سے جس کے ہو دل کو سرور / نظر کام کر جائے نزدیک و دور
کروں اس مکاں کے مکیں کا بیاں / کہ ہے بعد خاتم نگیں کا بیاں
وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن / وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن
برس پندرہ ایک کا سن و سال / نہایت حسین اور صاحب جمال
دیئے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے / سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑی ایدھر اودھر تمام / ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام

۵۰ ایک قسم کا نگین شیشے کا گلاس ایک قسم کی بوتل نما صراحی ۱۲ - آسی

وہ بیٹھی تھی یہ دھج[۵۱] بنائے ہوئے / دل اس چاندنی پر لگائے ہوئے
اُدھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ / ادھر یہ زمیں پر مہ چاردہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں / لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند / زمانے کے منہ کو لگے چار چاند[۵۲]
عجب طرح کا حسن تھا جانفزا / کہ مہ روبرو جس کے تھا تھک رہا
کروں اس کی پوشاک کا کیا بیاں / نقط ایک پشواز[۵۳] آب رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف[۵۴] گل / کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل
اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب / جسے دیکھ شبنم[۵۵] کو آوے حجاب
صباحت[۵۶] صفا اس میں جھلکی ہوئی / پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
گریباں میں اک تکمہ[۵۷] الماس کا / ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار / نیا باغ اور ابتدا کی بہار
وہ چھب تختی اور اس کی کرتی کا چاک / تراقے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک
جھلک پائجامہ کی دامن سے یوں / کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں
صفائی پہ پوشاک کی دیکھیو / نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو
وہ ترکیب[۵۸] اور چاند سادہ بدن / وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نورتن

۵۱ دھج - وضع ۱۲ ۵۲ چار چاند لگنا - زیب و زینت کا بڑھ جانا ۱۲ ۵۳ پشواز ایک خاص لباس ۱۲ ۵۴ سنجاف - گوٹ - حاشیہ - چوڑی اور آڑی گوٹ ۱۲ ۵۵ شبنم ایک بہت باریک ریشمی کپڑے کا نام ہے ۱۲ ۵۶ صباحت - سفید رنگ گورا چٹا پن ۱۲ ۵۷ گریبان وغیرہ کی گھنڈی الجھانے کا حلقہ فارسی میں گھنڈی ۱۲ ۵۸ مراد جسم کی بناوٹ ۱۲

ستاروں کا مہتاب میں جال یوں ۔ کہ چونے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایہ اوپر نگاہ ۔ تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے ہے نگہ جس طرف کو گذر ۔ بجز نور آتا نہیں کچھ نظر
کروں کون سے حسن کو انتخاب ۔ ہر اک آئینے میں وہی ماہتاب
نظر جس طرف جائے نزدیک دور ۔ اُسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
نکل اپنی وحدت سے کثرت میں آ ۔ وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا
نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب ۔ وہی ایک نکتہ کہ جس کی کتاب
حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو ۔ کہ دیکھے نہ اُس کے سوا غیر کو

داستان تعریف بدر منیر اور عاشق ہونا بے نظیر کا

گلابی[1] مرے سامنے ساقیا ۔ مۂ چاردہ کو دکھا کر پلا
کہ دیکھے سے جس کے ہو دل کو سرور ۔ نظر کام کر جائے نزدیک و دور
کروں اُس مکاں کے مکیں کا بیاں ۔ کہ ہے بعد خاتم نگیں کا بیاں
وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن ۔ وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن
برس پندرہ ایک کا سن و سال ۔ نہایت حسین اور صاحب جمال
ڈپٹے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے ۔ سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑی ایدھر اودھر تمام ۔ ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام

[1] ایک قسم کا رنگین شیشے کا گلاس ایک قسم کی بوتل نما صراحی ۱۲- آسی

وہ بیٹھی تھی یہ دھج[51] بنائے ہوئے ۔ دل اُس چاندنی پر لگائے ہوئے
اُدھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ ۔ ادھر یہ زمیں پر مہ چاردہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں ۔ لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند ۔ زمانے کے منہ کو لگے چار چاند[52]
عجب طرح کا حسن تھا جانفزا ۔ کہ مہ روبرو جس کے تھا تھک رہا
کروں اُس کی پوشاک کا کیا بیاں ۔ فقط ایک پشواز[53] آب رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف[54] کل ۔ کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل
اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب ۔ جسے دیکھ شبنم[55] کو آوے حجاب
صباحت[56] صفا اُس میں جھلکی ہوئی ۔ پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
گریباں میں اک تکمۂ[57] الماس کا ۔ ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار ۔ نیا باغ اور ابتدا کی بہار
وہ چھب تختی اور اُس کی کرتی کا چاک ۔ ترا قے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک
جھلک پائجامہ کی دامن سے یوں ۔ کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں
صفائی پہ پوشاک کی دیکھیو ۔ نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو
وہ ترکیب[58] اور چاند سادہ بدن ۔ وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نورتن

[51] دھج۔ وضع ۱۲ [52] چار چاند لگنا۔ زیب و زینت کا بڑھ جانا ۱۲ [53] پشواز ایک خاص لباس ۱۲ [54] سنجاف۔ گوٹ۔ حاشیہ۔ چوڑی اور آڑی گوٹ ۱۲ [55] شبنم ایک بہت باریک ریشمی کپڑے کا نام ہے ۱۲ [56] صباحت۔ سفید رنگ گورا چٹا پن ۱۲ [57] گریبان وغیرہ کی گھنڈی الجھانے کا حلقہ فارسی میں گھنڈی ۱۲ [58] مراد جسم کی بناوٹ ۱۲

جڑاؤ وہ بالے کہ ہالے کا رشک
وہ موتی کے بالے کہ عاشق کا اشک

وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی نوک
کرن پھول[1] کی اور بالی کی جھوک

وہ موتی کا دُدلڑا[2] وہ موتی کا ہار
سدا اشک غم دیدہ جس پر نثار

لگا[3] دُھکدُھکی کی تیج لڑ است لڑا
سراسر گلے حسن اُس نے پڑا

جڑاؤ دمکتی وہ چنپا کلی
رہے جس سے الماس کو بے کلی

تلے اُس کے موتی لگے گرد کل
کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگ گل

جہانگیریوں[4] کا کروں کیا بیاں
کہ اُٹھتی تھی ہاتھوں سے جس کی فغاں

جواہر سے مینے کی ہیکل جڑی
کمر اور گولے کے نیچے پڑی

فقط موتیوں کی تڑی پائے زیب
کہ جس کے قدم سے گہر پائے زیب

کسی کے کہاں ہاتھ وہ پاؤں آئے
جواہر جہاں پاؤں پر پڑ کے جائے

سراپا اگر ہو زباں میرا تن
سراپا میں اُس کے کروں کیا سخن

سب اعضا بدن کے موافق درست
ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست

جہاں راستی چاہیے راستی
کجی جس جگہ چاہیے واں کجی

وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے
وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے

جو کچھ چاہیے ٹھیک نک سک[5] سے انگ[6]
نزاکت بھری موتی کا سا رنگ

کچھ اک تمکنت[7] اور کچھ اک بانکپن
غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن

کرشمہ ادا غمزہ ہر آن میں
غرض دلبری اُس کے فرمان میں

۱ کان کا ایک زیور ۱۲ ۲ دولڑا۔ دولڑ کا ہار ۱۲ ۳ زیور گلے کا ۱۲ ۴ ہاتھوں کا جڑاؤ زیور ۱۲ ۵ نک سک۔ ناک نقشہ ۱۲ ۶ انگ جسم ۱۲ ۷ تمکنت۔ غرور۔ گھمنڈ ۱۲

تغافل حیا ناز شوخی غرور
ہر اک اپنے موقع پہ وقت ضرور

تبسم تکلم ترحم ستم
موافق ہر اک حوصلے کے کرم

وہ ابرو کہ محراب ایوان حسن
جھکی شاخ نخل گلستان حسن

نگہ آفت و چشم عین بلا
مژہ دیں صفوں کو اُلٹ برملا

دُرِ گوش جب اُس کا تابندہ ہو
صدف کا دل صاف شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر
ہے انگشت قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال
اگر اُس پہ بوسہ کا گذرے خیال

نہیں رطب ویابس کا یاں کچھ حساب
بیاض گلو سب کی سب انتخاب

وہ ساعد وہ بازو بھرے گول گول
برابر ہو الماس کے جس کا مول

وہ دست حنا بستہ خوبی کا باب
شفق میں ہو جوں پنجۂ آفتاب

زبس مثل آئینہ تھا اُس کا تن
کہے تو کہ تھی ناف عکس ذقن

کمر کو کہوں کیونکہ میں اُس کے ہیچ
نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ

وہ زانو کہ آجائے گر اُس پہ ہاتھ
رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ

وہ ساق بلوریں وہ انداز پا
پھرے ہر سحر چشم و دل میں سدا

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

وہ اٹکھیلیاں اور وہ اُس کی چال
کہ دل جس سے عالم کا ہو پائمال

بنا کبک کیسی ہی گو چال لائے
کہاں پر وہ رفتار کو اُس کی پائے

لٹک[1] چال اُس کی کوئی کیا چلے
یہ انداز سب اُس کے پاؤں تلے

۱ لٹک چال۔ مستانہ انداز سے چلنا ۱۲ عبدالباری آسی ۱۲

عجب پشت پا صاف انگشت پا | کف پا دکھاوے سرِ پشت پا
مُغرّق جواہر سے اک جفت کفش | نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش
یہ قدرت کا دیکھا جو اُس نے خیال | کہا شاہزادی نے یا ذوالجلال
درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں | کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں
جو دیکھیں تو ہے اک جوانِ حسیں | درختوں کی ہے اوٹ میں مہ جبیں
یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا | ہر اک حال سے اُس کے ماہر ہوا
یہ سن ایک سے ایک واں سب کی سب | پھریں برگ گل کی طرح غنچہ لب
جو دیکھیں تو شعلہ سا روشن ہے کچھ | درختوں کا روشن سا آنگن ہے کچھ
کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا | کسی نے کہا چاند ہے یاں چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن | کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ | ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ
ہوئی صبح سب کا گیا اُٹھ حجاب | درختوں سے نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا دیکھیو اے بوا | کھڑا ہے کوئی صاف یہ مرد وا
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے | کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے
یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں | اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں
گئی بات یہ شاہزادی کے گوش | یہ سنتے ہی جاتا رہا اُس کا ہوش
کہا میں تو دیکھوں یہ کہہ کر اُٹھی | گیا سنناجی تو رہ کر اُٹھی
خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ | عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی | دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی

گئی ہمدمیں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں | دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں
گئیں جب وہ کر کے دل اپنا کرخت | وہاں جس جگہ تھے وہ باہم درخت
جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین | کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ جبین
لگیں جھانکنے سب کی سب وہ شریر | یکایک نظر واں پڑا بے نظیر
سرکنے کی واں سے نہ جاگہ نہ ٹھاؤں[1] | دیے حیرتِ عشق نے گاڑ پاؤں
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن | جوانی کی راتیں مرادوں کے دن
نئی پشت لب سے مسوں کی نمود | جسے دیکھ نیلا ہو چرخ کبود
گلے میں پڑا نیمہ[2] شبنم کا ایک | بدن سے عیاں نور عالم کا ایک
تمامی کی سنجاف جلوہ کناں | کہ جوں عکس مہ زیرِ آب رواں
طرح دار اک سر پہ پھینٹا[3] سجا | تمامی کا پٹکا کمر سے بندھا
عجب پیچ پر پیچ بیٹھے تھے بل | کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل
جواہر کا تکمہ گلے میں بندھا | ستارہ ہو جوں صبح کا جگمگا
وہ موتی کا لٹکن[4] زمرد کی ہڑ[5] | لٹک جس کی زیبندہ دستار پر
وہ گورا بدن صاف ترکیب وار | بھرے ڈنڈ[6] پر نورتن[7] کی بہار
اک الماس کی ہاتھ میں انگشتری | سراسر حنا دست و پا میں لگی
عیاں حسن و جا بکی گات[8] سے | نمود جوانی ہر اک بات سے

[1] ٹھاؤں جگہ۔ ٹھکانا ۱۲ [2] نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ ۱۲ [3] پھینٹا۔ ایک قسم کی پگڑی ۱۲ [4] لٹکن سے مراد یہاں زریں طرہ ہے ۱۲ [5] ہڑ ایک قسم کی لمبی گھنڈی جو ہڑ سے مشابہ ہوتی ہے جیسے بٹوے گوندھتے ہیں ۱۲ [6] ڈنڈ۔ بازو ۱۲ [7] نورتن۔ بازو کا ایک زیور ۱۲ [8] گات۔ وضع۔ اسلوب جسم کی خوشنمائی ۱۲

بدن آئینہ سا دمکتا ہوا / گل باغ خوبی لٹکتا ہوا
اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل / جوانی کی شب کا سماں برمحل
قیافے سے ظاہر سراپا شعور / جبیں پر برستا شجاعت کا نور
دلے عشق کی تیغ کھائے ہوئے / کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے
یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں / وہ جتنی کہ آئی تھیں سب مر گئیں
شتابی سے جا کر کہا واں کا حال / کہ اے شاہزادی صاحب جمال
عجب سیر ہے سیر مہتاب میں / یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں
کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم / جو دیکھو گی آنکھوں تو جانو گی تم
اُٹھا پائے گلگوں کو جلد اے نگار / نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار
نہیں اور کچھ تم نہ کیجیو ہراس / چلی آؤ ٹک ان درختوں کے پاس
گئی اُس جگہ جب وہ بدر منیر / اور اُس نے جو دیکھا شہ بے نظیر
گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل / نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل
غرض بے نظیر اور بدر منیر / گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر
رہی کچھ نہ تن من کی سُدھ بُدھ اُسے / نہ کچھ اپنے تن کی رہی سُدھ اُسے
تھی ہمراہ اک اُس کے دخت وزیر / نہایت حسین اور قیامت شریر
زبس تھی ستارہ سی وہ دلربا / اُسے لوگ کہتے تھے نجم النسا
شتابی سے لا اُس نے چھڑکا گلاب / تب آئی تنوں میں ذرا اُن کے تاب
وہ اُٹھنے تو اُٹھی یہ حیران سی / گل شبنم آلودہ گریاں سی
وہ شہزادہ دل شدہ تو ٹھٹھک / وہیں رہ گیا نقش پا سا بھچک[1]

[1] بھچک۔ حیران ۱۲ آسی

کہ وہ نازنیں کچھ جھجک منہ چھپا / کمر اور چوٹی کا عالم دکھا
چلی اُس کے آگے سے منہ موڑ کر / وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر
وہ گدّی[1] وہ شانے وہ پشت کمر / وہ چوٹی کا کولے پہ آنا نظر

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

پلا ساقیا ساغر مشک بو / کہ ہے مجھ کو در پیش تعریف مو
سر شام سے دے یہاں تک شراب / کہ مستی میں دیکھوں رُخ آفتاب
کروں اُس کے بالوں کا کیا میں بیاں / نہ دیکھا کسی رات میں یہ سماں
وہ زلفیں کہ دل جس میں اُلجھا رہے / اُلجھنے سے جی جن کے سلجھا رہے
کنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف / کناری کا پیچھے چمکتا موباف[2]
کہوں اُس کی چوٹی کا کیا رنگ ڈھنگ / کہ جوں آخری شب ہو جھمکے کا رنگ
نمایاں تھی یوں اوڑھنی سے جھمک / کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک
موباف زری نے کیا ہے غضب / دیا ہے گرہ دن کو دنبال شب
سنگاروں میں وہ بسکہ ہے اُتار[3] / یہ کہتے ہیں چوٹی کا اُس کو سنگار
نہ ہو کیونکہ چوٹی کا رتبہ بڑا / کہ اک نور ہے اس کے پیچھے پڑا
گل و سنبل اُس پر سے قربان ہے / کہ اُس کی لٹک میں عجب آن ہے
لڑی تھی زبس سحر سے اُس کے سانٹھ[4] / شب و روز کر دے رکھا اُس نے گانٹھ

[1] گدی۔ گردن کا پچھلا حصہ ۱۲ [2] فیتہ یا پٹی جسے عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں ۱۲
[3] اُتار۔ کم درجہ۔ کم رتبہ ۱۲ [4] سانٹھ۔ سازش ۱۲ آسی۔

بدن آئینہ سا دمکتا ہوا ۔ گل باغ خوبی لہکتا ہوا
اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل ۔ جوانی کی شب کا سماں برمحل
قیافے سے ظاہر سراپا شعور ۔ جبیں پر برستا شجاعت کا نور
دلِ عشق کی تیغ کھائے ہوئے ۔ کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے
یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں ۔ وہ جتنی کہ آئی تھیں سب مر گئیں
شتابی سے جا کر کہا واں کا حال ۔ کہ اے شاہزادی صاحب جمال
عجب سیر ہے سیر مہتاب میں ۔ یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں
کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم ۔ جو دیکھو گی آنکھوں تو جانو گی تم
اٹھا پائے گلگوں کو جلد اے نگار ۔ نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار
نہیں اور کچھ تم نہ سمجھو ہراس ۔ چلی آؤ ٹک ان درختوں کے پاس
گئی اس جگہ جب وہ بدر منیر ۔ اور اس نے جو دیکھا شہ بے نظیر
گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل ۔ نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل
غرض بے نظیر اور بدر منیر ۔ گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر
رہی کچھ نہ تن من کی سدھ بدھ اسے ۔ نہ کچھ اپنے تن کی رہی سدھ اسے
تھی ہمراہ اک اس کے دخت وزیر ۔ نہایت حسین اور قیامت شریر
زبس تھی ستارہ سی وہ دلربا ۔ اسے لوگ کہتے تھے نجم النسا
شتابی سے لا اس نے چھڑکا گلاب ۔ تب آئی تنوں میں ذرا ان کے تاب
وہ اٹھنے تو اٹھی یہ حیران سی ۔ گل شبنم آلودہ گریاں سی
وہ شہزادہ دل شدہ تو ٹھٹھک ۔ وہیں رہ گیا نقش پا سا بھچک[1]

[1] بھچک۔ حیران ۱۲ آسی

کہ وہ نازنیں کچھ جھجک منہ چھپا ۔ کمر اور چوٹی کا عالم دکھا
چلی اس کے آگے سے منہ موڑ کر ۔ وہیں نیم بسمل اسے چھوڑ کر
وہ گدی[1] وہ شانے وہ پشت کمر ۔ وہ چوٹی کا کولے پہ آنا نظر

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

پلا ساقیا ساغر مشک بو ۔ کہ ہے مجھ کو در پیش تعریف مو
سر شام سے دے یہاں تک شراب ۔ کہ مستی میں دیکھوں رخ آفتاب
کروں اس کے بالوں کا کیا میں بیاں ۔ نہ دیکھا کسی رات میں یہ سماں
وہ زلفیں کہ دل جس میں الجھا رہے ۔ الجھنے سے جی جن کے سلجھا رہے
کنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف ۔ کناری کا پیچھے چمکتا موباف[2]
کہوں اس کی چوٹی کا کیا رنگ ڈھنگ ۔ کہ جوں آخری شب ہو چھٹکے کا رنگ
نمایاں تھی یوں اوڑھنی سے چمک ۔ کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک
موباف زری نے کیا ہے غضب ۔ دیا ہے گرہ دن کو دنبال شب
سنگاروں میں وہ رتبے گو ہے اتار[3] ۔ یہ کہتے ہیں چوٹی کا اس کو سنگار
نہ ہو کیونکہ چوٹی کا رتبہ بڑا ۔ کہ اک نور ہے اس کے پیچھے پڑا
گل و سنبل اس پر سے قربان ہے ۔ کہ اس کی لٹک میں عجب آن ہے
لڑی تھی زبس سحر سے اس کے سانٹھ[4] ۔ شب و روز کر دے رکھا اس نے گانٹھ

[1] گدی۔ گردن کا پچھلا حصہ ۱۲ [2] فیتہ یا پٹی جسے عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں ۱۲
[3] اتار۔ کم درجہ۔ کم رتبہ ۱۲ [4] سانٹھ۔ سازش ۱۲ آسی۔

ولے ہاتھ آتا ہے اُس کا کٹھن　　کہ ہے فی الحقیقت وہ کالے کا من
اُلٹ کر نہ دیکھے اُسے ہوشیار　　کہ وہ اک ستارہ ہے دنبالہ دار
وہ پیٹھ اُس کی شفاف آئینہ سال　　تس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وبال
کہوں اُس کے عالم کا کیا ماجرا　　کہ جوں ہووے دریا پہ کالی گھٹا
بھری تھی دلوں سے زبس اُس کی مانگ　　بہت دل لیے اُس سے کنگھی نے مانگ
دل عاشق اُس پر سے قربان ہے　　کہ مشاطہ[1] کا سر پہ احسان ہے
کشاکش میں تھا ورنہ جینا تو ہیچ　　بھلے کو رکھا اُس نے ڈھیلا ہی پیچ
غرض حسن کا اُس کے ہے سب یہ بھید　　جو چاہے کرے وہ سیاہ و سفید
کرے سرخ جو کوئی اُس میں موباف　　کرے خون دل اپنا اُس کو معاف
کیا قتل گو اُس نے دل کو تو کیا　　شفق کا نہیں شام پر خوں بہا
کہاں تک کہوں اُس کی چوٹی کی بات　　کہ تھوڑا ہے سوانگ اور بڑی ہے یہ رات
دیا شعر کو گرچہ ہر بار طول　　ولیکن یہ ہو عرض میری قبول
بہت مو شگافی جو کی میں نے یاں　　گھٹانے کی جاگہ نہ تھی درمیاں
تس اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال　　ہوئی ہے مری فکر مجھ پر وبال
اب اس پیچ سے باہر آتا ہوں میں　　سماں ایک تازہ دکھاتا ہوں میں
غرض وہ مڑی جب دکھا اپنے بال　　تو گویا کہ مارا محبت کا جال
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی　　چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی
غضب منہ پہ ظاہر ولے دل میں چاہ　　نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

[1] مشاطہ۔ کنگھی کرنے والی عورت مجازاً وہ عورت جو بناؤ سنگھار کراتی ہے ۱۲ آسی۔

یہ ہے کون کم بخت آیا یہاں　　میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں　　چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب　　چھپا ابر تاریک میں آفتاب
کہ اتنے میں آئی وہ دخت وزیر　　لگی ہنس کے کہنے کہ بدر منیر
مجھے چوچلے[1] تو خوش آتے نہیں　　ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہیں
مری طرف ٹک دیکھ تو ہائے ہائے　　مثل ہے کہ من بھائے[2] منڈیا ہلائے
کیا ہے اگر تو نے گھایل اسے　　تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اُسے
ٹک[3] اک حظ اُٹھا زندگانی کا تو　　مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو
مے عیش کا جام اب نوش کر　　غم دین و دنیا فراموش کر
یہ حُسن و جوانی یہ جوش و خروش　　غفور ست ایزد تو ساغر بنوش
کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار　　یہ جوبن کا عالم بھی ہے یادگار
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں　　گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار　　ولے حاصل عمر ہے وصل یار
خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ　　کریں یک دگر جلوۂ مہر و مہ
کہاں چاہ والے ہیں یوسف عزیز　　اری باؤلی چاہ میں کر تمیز
ترے گھر میں آیا ہے مہماں غریب　　یہ ہے واردات عجیب و غریب
شتابی سے مجلس کو تیار کر　　تو اس گل سے گھر رشک گلزار کر

[1] چوچلا۔ ناز نخرے کی باتیں ۱۲ [2] من بھائے منڈیا ہلائے۔ یعنی جی چاہے اور انکار کرے ۱۲ [3] ٹک۔ اک۔ ذرا اک ۱۲۔

بلا ساقیانِ گل اندام کو
نگہ ساتھ گردش میں لا جام کو

شب و روز پی مل کے جامِ شراب
مہ و مہر کو رشک سے کر کباب

یہ سُن سُن کے وہ نازنیں مسکرا
لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا

میں سمجھی ترا جی گیا ہے اُدھر
بہانے تو کرتی ہے کیوں مجھ پہ دھر

لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہ وش
ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش

مجھی پر تو چھڑکا تھا تم نے گلاب
بھلا میری خاطر بلاؤ شتاب

یہ آپس میں رمزوں کی باتیں ہوئیں
اشاروں کی باہم جو گھاتیں ہوئیں

بلا لائی جا اُس جواں کے تئیں
کیا میزباں میہماں کے تئیں

بلا اک مکاں میں بٹھایا اُسے
محل کا سماں سب دکھایا اُسے

پھر اُس نازنیں نے پکڑ اُس کا ہاتھ
بٹھایا ہی لا آخر اُس گُل کے ساتھ

داستان ملاقات کرنا بدر منیر کا بے نظیر سے

بلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش
ملی ہے نصیبوں سے یہاں جائے عیش

بہم مل کے بیٹھے ہیں دو رشکِ مہ
قِرانِ[1] مہ و مہر ہے اس جگہ

ہر اک برج رشکِ گلستاں ہے آج
بہارِ وصالِ غریباں ہے آج

بزور اُس کو لا کر بٹھایا جو واں
نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے

منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

[1] قِران نجوم کی اصطلاح میں دو سعد ستاروں کے باہم اتصال کو کہتے ہیں ۱۲- آسی

پسینا پسینا ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن

گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بند حجاب

اُنھوں کے رُکے بیٹھنے سے خفا
ہوئی دل میں اپنے وہ نجم النسا

گلابی کو لا اُس کے آگے دھرا
پیالے کو پھر جلد اُس نے بھرا

کہا شاہزادی کو بیٹھی ہے کیا
یہ پیالہ تو اس بت کے منہ سے لگا

ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو
لبِ لعلِ شیریں کو ٹک کھول تو

میں صدقے ترے تجھ کو میری قسم
کئی ساغر اس کو پلا دمبدم

یہ دیکھ اس کی منت پیالہ اُٹھا
ادھر سے پھرا منہ کو اور مسکرا

کہا بادہ نوشی سے ہو جس کو ذوق
پیے یہ پیالہ نہیں اُس کا شوق

کہا شاہزادے نے ہنس کر کے یوں
پیوں میں کسی کے نہورے[1] سے کیوں

غرض ہو کے آپس میں راز و نیاز
پیے دو پیالے بصد امتیاز

پھر آخر کو شہزادے نے بھی اُٹھا
پیالہ بھرا اور اُس کو دیا

جب آپس میں چلنے لگے جامِ مُل
ہنسے غنچہ ساں دل کھلے مثلِ گل

ہوئی یک دگر پھر تو تفتیشِ حال
لگی ہونے آپس میں قال و مقال

کھلا بند جس دم درِ گفتگو
جواں نے حقیقت کہی مو بمو

کہی ابتدا سے جو گذری تھی سب
جتایا سب اپنا حسب اور نسب

پری کا بھی احوال ظاہر کیا
چھپے راز سے اس کو ماہر کیا

کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے
زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے

[1] نہورا۔ منت سماجت۔ احسان۔ رائے ثقیلہ سے بھی بولتے ہیں ۱۲ آسی۔

بلا ساقیا اِن گل اندام کو / نگہ ساتھ گردش میں لا جام کو
شب و روز پی مل کے جامِ شراب / مہ و مہر کو رشک سے کر کباب
یہ سُن سُن کے وہ نازنیں مسکرا / لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا
میں سمجھی ترا جی گیا ہے اُدھر / بہانے تو کرتی ہے کیوں مجھ پہ دھر
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہ وش / ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش
مجھی پر تو چھڑکا تھا تم نے گلاب / بھلا میری خاطر بلا دو شتاب
یہ آپس میں رمزوں کی باتیں ہوئیں / اشاروں کی باہم جو گھاتیں ہوئیں
بلا لائی جا اُس جوان کے تئیں / کیا میزبان میہمان کے تئیں
بلا اک مکاں میں بٹھایا اُسے / محل کا سماں سب دکھایا اُسے
پھر اُس نازنیں نے پکڑ اُس کا ہاتھ / بٹھایا ہی لا آخر اُس گل کے ساتھ

داستان ملاقات کرنا بدر منیر کا بے نظیر سے

بلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش / ملی ہے نصیبوں سے یہاں جائے عیش
بہم مل کے بیٹھے ہیں دو رشکِ مہ / قرانِ[1] مہ و مہر ہے اس جگہ
ہر اک برج رشکِ گلستاں ہے آج / بہارِ وصالِ غریباں ہے آج
بزور اُس کو لا کر بٹھایا جو واں / نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے / بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے / لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

۱ قران نجوم کی اصطلاح میں دو سعد ستاروں کے باہم اتصال کو کہتے ہیں ۱۲ آسی

پسینا پسینا ہوا سب بدن / کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تک وہ مہ و آفتاب / رہے شرم سے پائے بندِ حجاب
اُنھوں کے رُکے بیٹھنے سے خفا / ہوئی دل میں اپنے وہ نجم النسا
گلابی کو لا اُس کے آگے دھرا / پیالے کو پھر جلد اُس نے بھرا
کہا شاہزادی کو بیٹھی ہے کیا / یہ پیالہ تو اس بت کے منہ سے لگا
ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو / لبِ لعلِ شیریں کو ٹک کھول تو
میں صدقے ترے تجھ کو میری قسم / کئی ساغر اس کو پلا دمبدم
یہ دیکھ اس کی منت پیالہ اُٹھا / ادھر سے پھرا منہ کو اور مسکرا
کہا بادہ نوشی سے ہو جس کو ذوق / پیے یہ پیالہ نہیں اُس کا شوق
کہا شاہزادے نے ہنس کر کے یوں / پیوں میں کسی کے نہورے[1] سے کیوں
غرض ہو کے آپس میں راز و نیاز / پیے دو پیالے بصد امتیاز
پھر آخر کو شہزادے نے بھی اُٹھا / پیالہ بھرا اور اُس کو دیا
جب آپس میں چلنے لگے جامِ مُل / مندے غنچہ ساں دل کھلے مثلِ گل
ہوئی یک دگر پھر تو تفتیشِ حال / لگی ہونے آپس میں قال و مقال
کھلا بند جس دم درِ گفتگو / جواں نے حقیقت کہی مو بمو
کہی ابتدا سے جو گذری تھی سب / جتایا سب اپنا حسب اور نسب
پری کا بھی احوال ظاہر کیا / چھپے راز سے اس کو ماہر کیا
کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے / زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے

۱ نہورا۔ منت سماجت۔ احسان۔ رائے ثقیلہ سے بھی بولتے ہیں ۱۲ آسی۔

یہ سن دل ہی دل پیچ کھا پیچ وتاب ۔ دیا شاہزادی نے اُس کو جواب
مروتم پری پردہ تم پر مرے ۔ بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے[1]
یہ اس طرح کا دل لگاتی نہیں ۔ یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں
میں سمجھی ہوں تم کو بہت دور ہو ۔ چلو اب کہیں یہاں سے کافور ہو
عبث تم سے کیوں دل لگاوے کوئی ۔ بھلے چنگے دل کو جلاوے کوئی
بہے شمع ساکیوں کوئی اشک سے ۔ جلے کس لیے آتشِ رشک سے
یہ سُن پاؤں پر گر پڑا بے نظیر ۔ کہا کیا کروں آہ بدر منیر
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر فدا ۔ میں تجھ پر فدا ہوں مجھے اُس سے کیا
کہا چل سر اپنا قدم پر نہ دھر ۔ کسی کے مجھے جی کی کیا ہے خبر
یہ رمز و کنائے جو ہونے لگے ۔ تو آپس میں ہنس ہنس کے رونے لگے
رہی آخرش دل کی دل میں بات ۔ پہر بھر گئی اتنے عرصے میں رات
خبر رات کی سن اُٹھا بے نظیر ۔ کہا اب میں جاتا ہوں بدر منیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا ۔ تو پھر آج کے وقت کل آؤں گا
یہ مت سمجھیو ہوں میں آرام میں ۔ کروں کیا پھنسا ہوں عجب دام میں
دل اس جا سے اُٹھنے کو کرتا[2] نہیں ۔ کوئی آپ سے آپ مرتا نہیں
کرم مجھ پہ رکھیو ذرا میری جاں ۔ میں دل چھوڑے جاتا ہوں اپنا یہاں
یہ کہہ اُس طرف وہ روانہ ہوا ۔ دل اس طرف اُس کا دوانہ ہوا

له پرے ۔ اُدھر ۱۲ ۲ه دل کرنا ۔ دل چاہنا ۔ قدیم محاورہ ہے نواح دہلی میں اب بھی بولتے ہیں ۔ لکھنؤ میں دل کرنا ہمت و جرأت کرنا کے معنی میں بولتے ہیں ۱۲ ۔ آسی

گیا اپنے معمول سے بے نظیر ۔ اِدھر کا ہوا قیدی اُدھر اسیر
پری ساتھ کاٹی وہ جوں توں کے رات ۔ اُٹھا صبح ملتا ہوا اپنے ہات
سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا ۔ مزہ دل میں سارا سمایا ہوا
اُٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب ۔ نہ ہو وصل اور دل کو ہو اضطراب
نئی بات کا لطف پانا غضب ۔ وہ پہلے پہل دل لگانا غضب
قلق دل پہ یعنی کٹے روز کب ۔ ٹلے مجھ سے شمع شب افروز کب
محبت میں زلف سیہ فام کی ۔ لگا دیکھنے راہ پھر شام کی
وہ دن ہجر کا اور شامت ہوا ۔ اُسے کاٹنا دن قیامت ہوا
اِدھر کا تو احوال تھا اس طرح ۔ کہا میں نے کر مختصر جس طرح
و لے اب سنو تم اُدھر کا بیاں ۔ ہوا طرفہ تا ہی کا کیا حال واں
وہ شب اس کو اندوہ و غم میں کٹی ۔ گھڑی جو کٹی سو الم میں کٹی
رہی صورت آنکھوں میں جو یار کی ۔ ہوئی یاد میں صبح رخسار کی
کچھ امید جی میں کچھ اک جی کو یاس ۔ لبوں پر ہنسی لیک چہرہ اُداس
لگا اُس کو باتوں میں نجم النسا ۔ لگی کہنے جی چاہتا ہے مرا
کہ تو آج کر خوب اپنا سنگار ۔ مجھے حُسن کی اپنے دکھلا بہار
لگی کہنے چل ری دِوانی نہ ہو ۔ کہیں بات اپنی بگانی نہ ہو
کروں کس کی خاطر میں اپنا سنگار ۔ وہ ہے کون جس کو دکھاؤں بہار
غرض شاہزادی بہت دور تھی ۔ یہ شکل اُس کو پہلے ہی منظور تھی
نہا دھو کے اس روز ایسی بنی ۔ کہ دو دن کی سیج پج ہو جیسے بنی[1]

له نئی نویلی دلہن ۱۲ [illegible] ۲ه [illegible] ۳ه [illegible] ۱۲ [illegible]

وہ مکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ
شب ماہ ہو دیکھ کر جس کو دنگ

وہ مسی وہ اُس کے لب لعل فام
سوادِ دیارِ بدخشاں کی شام

وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب
کہے تو پڑی نرگستاں[۱] میں شب

ستم تس پہ سرمے کی تحریر سی
کھنچی ہاتھ کافر کے شمشیر سی

لکھوٹا[۲] وہ پانوں کا مسی کے ساتھ
کہ جوں دامن شب شفق کے ہو ہاتھ

وہ پشواز اک ڈانک[۳] کی جگمگی
ستاروں کی تھی آنکھ جس پر لگی

اور اک اوڑھنی جالی مقیش کی
پڑی چاندنی سی مہ عیش کی

جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگار
فرشتہ ملے ہاتھ بے اختیار

وہ باریک کرتی مثالِ ہوا
عیاں ہو جس سے تن کی صفا

ڈلک[۴] سرخ نیفے کی اُبھری ہوئی
گلابی سی گرد ایک تہ دی ہوئی

جھلک پائجامے کی دامن سے یوں
کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں

مغرق زری کا وہ شلوار[۵] بند
ثریا سے تابندگی میں دوچند

پڑی پاؤں میں کفش زریں نگار
ستاروں[۶] کی جیسے زمیں پر بہار

لگا پا سے وہ نازنیں تا بہ فرق
سراپا جواہر کے دریا میں غرق

۱ نرگستان۔ نرگس زار۔ نرگس کا جنگل۔ نرگس کا تختہ۔ نرگس کو آنکھ سے تشبیہ دینا مسلمات سے ہے ۱۲

۲ لکھوٹا۔ پان کی وہ سرخی جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں ۱۲۔ آسی ۳ ڈانک۔ سنہرا یا روپہلا ورق جو نگینے وغیرہ کے نیچے اس لیے رکھتے ہیں کہ چمک دمک پیدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے نیچے بھی ڈانک لگاتے تھے ۱۲ ۴ ڈلک۔ جماؤ۔ اُبھار۔ چمک دمک۔ ہلکی سی سیون ۱۲ ۵ شلوار بند۔ ازاربند ۱۲ ۶ ستارہ۔ وہ گول گول سنہرے روپہلے چاند جو جوتیوں وغیرہ میں لگاتے ہیں ۱۲

گتھی ہوئی ترکیب اور وہ بدن
وہ پوشاک و زیور کی اس پر پھبن

وہ چھب[۱] تختی اُس کی نزاکت نہاد
چمن زار قدرت میں نخل مراد

بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں
نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں

وہ ماتھے پہ ٹیکے کی اُس کے جھلک
سحر چاند تاروں کی جیسے چمک

ہوس ہو نہ دیکھ اُس کے زیور کو پھر
کہے تو کہ ٹیکا[۲] تھا سب اُس کے سر

وہ بالے کی تابندگی زیر گوش
جسے دیکھ اُڑ جائیں بجلی کے ہوش

وہ ہیرے کا تکمہ بصد آب و تاب
وہ صبح گلو مطلع آفتاب

وہ تکمے پہ چنپا کلی کی پھبن
کہ سورج کے آگے ہو جیسے کرن

وہ چھاتی پہ الماس کی دُھکدُھکی[۳]
رہے آنکھ سورج کی جس پر جھکی

وہ موتی کے مالے لٹکتے ہوئے
رہیں دل جہاں سر پٹکتے ہوئے

وہ الماس کی ہیکل اک خوشنما
تصور رہے جس کا دل سے لگا

وہ بھجبند[۴] بازو کے اور نورتن
کہ جوں گل سے ہو شاخ زیبِ چمن

وہ پہونچی زمرد کی اور دستبند[۵]
نزاکت میں تھی شاخ گل سے دوچند

وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار
سدا اشک خونیں ہو جس پر نثار

وہ مینے کے پاؤں میں چھلے تھے کل
کہ آنکھوں سے دل اُن پہ کھاتے تھے گل

وہ بالوں کی بو رشک مشک ختن
وہ ڈوبا ہوا عطر میں پیرہن

۱ چھب تختی۔ جسم کی خوبصورتی، انگات جسم کی بناوٹ ۱۲ ۲ ٹیکا سر ہونا۔ بجائے سر سہرا ہونا استعمال کیا ہے ۱۲۔ آسی ۳ دھکدکی گلے کا ایک زیور ۱۲ ۴ بھجبند بازو کا ایک زیور ۱۲ ۵ دستبند۔ کلائی کا ایک زیور ۱۲

زمیں سے معطر ہوا تا فلک
زمانہ گیا اُس کی بُو سے مہک

کیا اس طرح کا جب اُس نے سنگار
ہوئے مہر و مہ اُس کے منہ پر نثار

فلک تک گئی حسن کی اُس کے دھوم
لیا ہاتھ مشاطہ نے اپنا چوم

خواصوں نے گھر کو دیا انتظام
تمامی کے پردے لگائے تمام

بچھا فرش اور کر چھپرکھٹ کو صاف
مرصع کا اُس پر اُڑھا کر غلاف

وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں
نہ نکلیں سو لا کر چُنے طاق میں

ولایت کے میوے دھرے ہر طرف
کہ لیجاوے بُو اُن کی گل پر شرف

دھرے لخلخے[1] خاص ایوان میں
ہوا ہو گئی عطر دالان میں

دھریں کشتیاں اک طرف بیشمار
چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار

اچار اور مربے دھرے خوشنما
وہ باہر کے دالان میں جا بجا

چھپرکھٹ کے پاس ایک مسند بچھا
اور اُس پر تمامی کے تکیے لگا

چنگیریں[2] بنا اور رکھ پاندان
قرینے سے اُس میں رکھے ہار پان

کئی عطر دان وال مرصع دھرے
انوکھی گھڑت کے کئی چوگھڑے[3]

سرہانے مجلد دھری اک کتاب
ظہوری نظیری کا کل انتخاب

دھری اک بیاض اور رشک چمن
پر از شعر سودا و میر و حسن

قلمدان بھی اک نزاکت بھرا
قرینے سے زیر چھپرکھٹ دھرا

دھرا اک طرف گنجفہ خوش قماش
دھری چوپڑ[4] اک طرف کو غم تراش

[1] لخلخہ۔ مرکب خوشبوئیں جو مجموعہ کے طور پر تیار کرتے ہیں ۱۲۔ آسی [2] چنگیر۔ پھولوں کی ڈلیا ۱۲ [3] چوگھڑا۔ ایک قسم کے چوگوشیہ صندوقچے جس میں ڈلی الائچی وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲ [4] چوپڑ۔ پچیسی ۱۲

بچھی ایک چوکی پڑا تورہ[1] پوش
کریں دیکھ کر غش جسے بادہ نوش

صراحی و ساغر شراب و کباب
دھرا اُس پہ ساقی نے کر انتخاب

ولے اُس کو رکھا چھپائے ہوئے
کہ چھٹتے نہیں منہ لگائے ہوئے

کہا خاصہ پز[2] کو خبردار کر
کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر

یہ سب کچھ ہوا جب کہ آراستہ
خراماں ہوئی سرو نو خاستہ

سر شام لے ہاتھ میں اک چھڑی
ولیکن چھڑی وہ کہ جگنو جڑی

روش پر لگی پھرنے ایدھر اُدھر
کہ چھپ جائے سورج اُسے دیکھ کر

داستان بینظیر کے آنے کی اور باہم ملاقات کرنے کی

پلا مجھ کو ساقی شراب وصال
کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال

تڑپتا تھا اُدھر جو وہ بے نظیر
ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر

پر اُس نے بھی اتنا تکلف کیا
کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا

تمامی کی سنجاف سے کر درست
بنا جلد جلد اور بہت تنگ و چست

بہت لعل و یاقوت کے نور تن
وہ گل اس طرح ہو کے رشک چمن

فلک سیر پر ہو شتابی سوار
ہوا آسماں پر ہُوا ایک بار

یکایک جو وارد ہوا اُس جگہ
کہ جس جا خراماں تھی وہ رشکِ مہ

نظر ناز نیں کی جو اُس پر پڑی
ہوئی جا درختوں کے اوجھل[3] کھڑی

کیا چھپ کے عالم یہ جو اُس کے دھیان
تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان

[1] تورہ پوش۔ ایک قسم کا خوان پوش ۱۲ [2] خاصہ پز۔ شاہی باورچی ۱۲۔ آسی [3] اوجھل۔ اوٹ میں ۱۲ آسی

زمیں سے معطر ہوا تا فلک ۔ زمانہ گیا اُس کی بُو سے مہک
کیا اس طرح کا جب اُس نے سنگار ۔ ہوئے مہر و مہ اُس کے منہ پر نثار
فلک تک گئی حسن کی اُس کے دھوم ۔ لیا ہاتھ مشاطہ نے اپنا چوم
خواصوں نے گھر کو دیا انتظام ۔ تمامی کے پردے لگائے تمام
بچھا فرش اور کر چھپر کھٹ کو صاف ۔ مرصع کا اُس پر اُڑھا کر غلاف
وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں ۔ نہ نکلیں سو لا کر چُنے طاق میں
ولایت کے میوے دھرے ہر طرف ۔ کہ لیجاوے بو اُن کی گل پر شرف
دھرے لخلخے[۱] خاص ایوان میں ۔ ہوا ہو گئی عطر دالان میں
دھریں کشتیاں اک طرف بیشمار ۔ چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار
اچار اور مربے دھرے خوشنما ۔ وہ باہر کے دالان میں جا بجا
چھپر کھٹ کے پاس ایک مسند بچھا ۔ اور اُس پر تمامی کے تکیے لگا
چنگیریں[۲] بنا اور رکھ پاندان ۔ قرینے سے اُس میں رکھے ہار پان
کئی عطر دان وال مرصع دھرے ۔ انوکھی گھڑت کے کئی چوگھڑے[۳]
سرہانے مجلد دھری اک کتاب ۔ ظہوری نظیری کا کل انتخاب
دھری اک بیاض اور رشک چمن ۔ پر از شعر سودا و میر و حسن
قلمدان بھی اک نزاکت بھرا ۔ قرینے سے زیر چھپر کھٹ دھرا
دھرا اک طرف گنجفہ خوش تماش ۔ دھری چوپڑ[۴] اک طرف کو غم تراش

۱؎ لخلخہ۔ مرکب خوشبوئیں جو مجموعہ کے طور پر تیار کرتے ہیں ۱۲۔ آسی ۲؎ چنگیر۔ پھولوں کی ڈلیا ۱۲ ۳؎ چوگھڑا۔ ایک قسم کے چوکوشیہ صندوقچے جس میں ڈلی الائچی وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲ ۴؎ چوپڑ۔ پچیسی ۱۲

بچھی ایک چوکی بڑا تورہ پوش[۱] ۔ کریں دیکھ کر غش جسے بادہ نوش
صراحی و ساغر شراب و کباب ۔ دھرا اُس پہ ساقی نے کر انتخاب
ولے اُس کو رکھا چھپائے ہوئے ۔ کہ چھٹتے نہیں منہ لگائے ہوئے
کہا خاصہ بز[۲] کو خبر دار کر ۔ کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر
یہ سب کچھ ہوا جب کہ آراستہ ۔ خراماں ہوئی سرو نو خاستہ
سر شام لے ہاتھ میں اک چھڑی ۔ ولیکن چھڑی وہ کہ جگنو جڑی
روش پر لگی پھرنے ایدھر اُدھر ۔ کہ چھپ جائے سورج اُسے دیکھ کر

داستان بےنظیر کے آنے کی اور باہم ملاقات کرنے کی

پلا مجھ کو ساقی شراب وصال ۔ کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال
تڑپتا تھا اُدھر جو وہ بے نظیر ۔ ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر
پر اُس نے بھی اتنا تکلف کیا ۔ کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا
تمامی کی سنجاف سے کر درست ۔ بنا جلد جلد اور بہت تنگ و چست
بہت لعل و یاقوت کے نور تن ۔ وہ گل اس طرح ہو کے رشک چمن
فلک سیر پر ہو شتابی سوار ۔ ہوا آسماں پر ہوا ایک بار
یکایک جو وارد ہوا اُس جگہ ۔ کہ جس جا خراماں تھی وہ رشک مہ
نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی ۔ ہوئی جا درختوں کے اُوجھل[۳] کھڑی
کیا چھپ کے عالم پہ جو اُس کے دھیان ۔ تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان

۱؎ تورہ پوش۔ ایک قسم کا خوان پوش ۱۲ ۲؎ خاصہ بز۔ شاہی باورچی ۱۲۔ آسی ۳؎ اوجھل۔ اوٹ میں ۱۲ آسی

کہ دھانی ہے جوڑا گلے میں پڑا / چھپا سبزے میں چاند سا ہے کھڑا

کہے تو کہ شب چاند نے آن کے / نکالا ہے منہ کھیت سے دھان کے

وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب / زمرد میں جوں جلوۂ آفتاب

سماں دیکھ اُس شعلۂ حسن کا / ہوئی اور جلنے کی اُس کو ہوا

خواصیں جو تھیں ہٹ گئیں جان کے / کہا ایک ہمراز نے آن کے

کہ اب کس طرف ان کو لیجائیے / جہاں حکم ہو جا کے بٹھلائیے

کہا وہ جو آراستہ ہے مکاں / اِدھر سے تو ووں ہو کے لیجا وہاں

کہے کے بموجب اُٹھا کر نقاب / چھپا اُس کو لا کر بٹھایا شتاب

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر / اور ادھر سے آئی جو بدر منیر

اُسے دیکھ اُس نے تو پھر غش کیا / لباس اور زیور سے غشِ غش[1] کیا

زبس حوصلے نے جو تنگی سی کی / حیا عشق نے خانہ جنگی[2] سی کی

پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اُسے / محبت کے رشتہ میں اینچا اُسے

لگی کہنے ہے ہے مرا چھوڑ ہاتھ / یہ گرمی ہی جس سے رہی اس کے ساتھ

کہا ہائے[3] پیاری جلایا مجھے / رکھائی[4] نے تیری ستایا مجھے

اری ظالم اک دم تو تو بیٹھ جا / ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا

تڑپتا[5] ہے کب سے پڑا میرا دل / ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل

۱؎ کسی چیز کی پسندیدگی سے وجد میں آنا ۱۲ ۲؎ خانہ جنگی، گھر کی لڑائی ۱۲ ۳؎ ایک نسخے میں یہ شعر ہے ع کہا شاہزادے نے لے نازنیں + رکاوٹ تمھیں اتنی لازم نہیں + اور دوسرا شعر نہیں ہے تیسرا شعر "تڑپتا ہے" موجود ہے ۱۲ ۴؎ بدخلقی بے مروتی ۱۲ ۵؎ تڑپتا ہے کب سے الخ کے بعد ایک نسخے میں یہ شعر ہے
(باقی اگلے صفحہ پر)

غرض آخرش بعد راز و نیاز / وہ مسند پہ بیٹھی بصد امتیاز

ہوا پھر تو صہبائے گلگوں کا دور / ہوئے اور ہی اور کچھ واں کے طور

ہوئے جبکہ بدمست وہ ماہرو / لگی اُن میں ہونے عجب گفتگو

کہ دستے جو نرگس کے واں تھے ہزار / لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار

خواصیں جو تھیں رد بدل ہٹ گئیں / بہانے سے ہر کام کے ہٹ گئیں

غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو / چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو

لیا کھینچ اُنھوں نے جو پردہ شتاب / چھپے ایک جا وہ مہ و آفتاب

لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ / درِ حسن کے کھل گئے وہ کواڑ

لگے پینے باہم شراب وصال / ہوئے نخل اُمّید سے وہ نہال

لبوں سے ملے لب دہن سے دہن / دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو / گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو

لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ / چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ

کسی کی گئی چولی آگے سے چل / کسی کی گئی چین ساری نکل

غم و درد دامن کشیدہ ہوئے / وہ گل نارسیدہ رسیدہ ہوئے

اُٹھے پی کے باہم شراب امید / کوئی سرخرو اور کوئی روسپید

چھپر کھٹ سے باہر رکھ اپنے قدم / نکل آئے بھرتے محبت کا دم

نشہ سے وہ لذت کے بیہوش ہو / گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اجازت نہ دیتا تھا لیکن حجاب + کہ دیتی وہ اس بات کا کچھ جواب + اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع یوں ہے۔ مگر آخرش الخ یہ شعر بعض نسخوں میں بتقدم و تاخر ہر دو مصرع لکھا ہے ۱۲ آسی

کیے آنکھ نیچی اُدھر نازنیں | عرق میں ادھر غرق وہ مہ جبیں
یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر | کہ اتنے میں اودھر سے باجا پہر
پہر کے وہ بجتے اُٹھا بے نظیر | ہوئی غم کی تصویر بدر منیر
نہ بولی نہ کی بات نے کچھ کہا | نہ دیکھا اُدھر آنکھ اپنی اُٹھا
کہا مجھ سے پیاری نہ بیزار ہو | پھر آؤں گا. بولی کہ مختار ہو
خفا اُس کے ہونے سے وہ نوجواں | گیا تو دلے منھ پہ آنسو رواں
ہوے دل جو دونوں کے آپس میں بند | لگے ہجر سے دل پہ آنے گزند
بندھا پھر تو معمول اُس کا مدام | کہ ہر روز آتا اُدھر وقت شام
پہر رات تک ہنسنا اور بولنا | درِ حسن اور عشق کو کھولنا
کبھی ہجر سے اُن کو ہونا ملول | کبھی وصل میں بیٹھنا بھول بھول

داستان خبر پانا ماہ رخ کا زبانی دیو کے عشق بینظیر اور بدر منیر سے اور قید کرنا بینظیر کو

پلا جلد ساقی مجھے بھر کے جام | ناصح | کہ ہے چرخ اب در پے انتقام
یہ دو دل کو اک جا بٹھاتا نہیں | کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں
یہ ہے دشمن وصل و دلسوز ہجر | کرے ہے شب وصل کو روز ہجر
جدائی انھوں کی خوش آئی اسے | پھر اتنی بھی صحبت نہ بھائی اسے
کسی دیو نے دی پری کو خبر | کہ معشوق عاشق ہوا اور پر

یہ سن کے وہ شعلہ بھبھوکا ہوئی | لگی کہنے ہیں یہ بلا کیا ہوئی
قسم مجھ کو حضرت سلیمانؑ کی | ہوئی دشمن اب اُس کی میں جان کی
کہا دیو سے دے مجھے تو پتا | کہا وہ کسی باغ میں تھا کھڑا
کوئی نازنیں سی تھی اک اُس کے ساتھ | کھڑی تھی دیے ہاتھ میں اُس کے ہاتھ
قضارا اڑا میں جو ہو کر اُدھر | وہ دونوں مجھے واں پڑے تھے نظر
یہ اُڑتی سی اُس کو خبر سُن پڑی | کہا دیکھنے پاؤں اُس کو ذری
تو کھا جاؤں کچا اُسے موت ہو | لگی ہے مری اب تو وہ موت ہو
وہ آوے تو آگئے مرے نابکار | گریباں کو اُس کے کروں تار تار
یہی قول و اقرار تھا میرے ساتھ | بھلا اُس کا دامن ہے اور میرا ہاتھ
ہمارے بزرگوں نے سچ ہے کہا | کہ ہیں آدمی زاد کل بے وفا
غضبناک بیٹھی تھی یہ تو ادھر | کہ اتنے میں آیا وہ رشک قمر
اُسے دیکھ غصے میں وہ ڈر گیا | کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا
بلا سی وہ دیکھ اُس کے پیچھے پڑی | کہا سن تو اے موذی و مدعی
تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا | کہ اُس مالزادی کو جوڑا دیا
الگ ہم سے یوں رہنا اور چھوٹنا | یہ اوپر ہی اوپر مزے لوٹنا
محلکا دیا تھا نہ تو نے یہی | بھلا اُس کا بدلہ نہ لوں تو سہی
پھرا جیسے راتوں کو دلشاد تو | کرے گا دنوں کو بہت یاد تو
مزہ چاہ کا دیکھ اپنی ذرا | جھنکاتی ہوں کیسے کنوئیں وہ بھلا

لہ اس طرح کے قوافی اب جائز نہیں سمجھے جاتے ۱۲-آسی

تجھے جی سے ماروں تو کیا اے عزیز ـ دلے چاہتے ہیں یہ تیرے نصیب

کہ چاہِ الم میں پھنساؤں تجھے ـ ہنسا ہے تو جیسا رُلاؤں تجھے

یہ کہہ اور بُلا اک پریزاد کو ـ کہا سُنیو اس کی نہ فریاد کو

اُسے کھینچتا یاں سے لیجا شتاب ـ وہ صحرا جو ہے دردِ محنت کا باب[1]

کنواں اُس میں جو ہے مصیبت بھرا ـ کئی من کا پتھر ہے اُس پر دھرا

اسے جا کے اُس چاہ میں بند کر ـ دہی سنگ پھر اُس کے منہ پر تو دھر

سرِ شام کھانا کھلانا اسے ـ اور اک جام پانی پلانا اسے

نہ دیجو سوا اس کے جو کچھ کہے ـ یہی اس کا معمول دائم رہے

یہ سُن دیو اُس گل کے نزدیک آ ـ پکڑ ہاتھ اُس کا فلک پر اُڑا

گری اُس پہ جو آسمانی بلا ـ دل اُس نازنیں کا ہوا[2] ہو چلا

ہوا یوں جو اُس بخت وا ژوں[3] کا اوج ـ چلی آہ و نالہ کی ساتھ اُس کے فوج

کہا دل یہ رتبہ جو کچھ آج ہے ـ یہی عشق کی جان معراج ہے

کیا بند پھر جا کے اُس چاہ میں ـ کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں

وہ یوسف کنویں میں ہوا جبکہ بند ـ ہوا اُس سے پستی کا رتبہ بلند

کھلے اس کنویں کے یکایک نصیب ـ کہ آیا وہ اُس میں مہ دلفریب

منور وہ گھر اُس کا سارا ہوا ـ کنویں کی وہ پُتلی کا تارا ہوا

وہ اندھا پڑا تھا سو روشن ہوا ـ جو اُس میں وہ سانپ کا من ہوا

ولے پاؤں جب اُس کا تہ پر گیا ـ کنواں اُس کے اندوہ سے بھر گیا

[1] دروازہ مجازاً ۱۲ [2] ہوا ہونا ـ مراد بیقرار ہونا ـ جاتا رہنا ـ غائب ہونا ۱۲ [3] واژوں ـ اُلٹا ـ برگشتہ ۱۲

زمیں میں سمایا متحیر سے آب ـ گئے سوکھ آنسو کنویں کے شتاب

ہوا داں سے او پر گئی کانپ کانپ ـ کنویں نے لیا سنگ سے منہ کو ڈھانپ

دل اُس نازنیں کا دھڑکنے لگا ـ جگر ٹکڑے ہو کر پھڑکنے لگا

اندھیرے اُجالے نہ نکلا تھا جو ـ ہوا قید آ اس اندھیرے میں وہ

نکلنے کی سوجھی نہ واں اُس کو راہ ـ ہوا اُس کی آنکھوں میں عالم سیاہ

اندھیرے نے اُس کا کیا دم خفا[1] ـ کہ جوں لے سیاہی کسی کو دبا

فغاں کی بہت اور پکارا بہت ـ سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت

پکارا وہ جس تس کو فریاد کر ـ نہ پہنچا کوئی کارواں بھی اُدھر

نہ مونس نہ غمخوار اُس کا کوئی ـ نہ تھا جز خدا یار اُس کا کوئی

وہی چاہ تاریک اُس کا رفیق ـ وہی سنگ سر پر بجائے شفیق

ہوا کبھی نہ واں جس سے دمساز ہو ـ کنویں کی سنے کون آواز کو

کنواں ہی مدام اُس کا ہمدم رہے ـ جو اُس سے سنے وہ ہی اُس سے کہے

کنواں اس کو پوچھے وہ پوجھے اُسے ـ اندھیری سوا کچھ نہ سوجھے اُسے

سیاہی میں وہ جیسے کافر کا دل ـ صعوبت[2] میں اُس سے جہنم خجل

نہ شب کی سیاہی نہ واں دن کا نور ـ سدا ظلمت غم کا اُس جا ظہور

غم و دردِ اُلفت کو کہا کہا جیے ـ لہو پانی اپنا کنویں میں پیے

اس اندھیر کو کیا لکھوں اب میں آہ ـ قلم کے نکلتے ہیں آنسو سیاہ

نہ تھا وہ کنواں تھا ستونِ الم ـ نشانِ شب آفت و درد و غم

[1] گھٹنا ۱۲ ـ آسی [2] صعوبت ـ سختی ۱۲

کروں مختصر یاں سے اب غم کی بات — لگا رہنے اس میں وہ آب حیات
نہیں مخلصی[1] سوجھتی اب اُسے — نکالے ذرا دیکھیے کب اسے
پھنسا اس طرح سے جو وہ بے نظیر — پڑی بیقراری میں بدر منیر
بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہے چاہ — تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ
قلق واں جو گذرا تو یاں غم ہوا — رکا جی وہاں یاں خفا دم ہوا
کئی دن نہ آیا جو وہ رشک ماہ — نظر میں ہوا اُس کی عالم سیاہ
لگی کہنے نجم النسا سے بُوا — خدا جانے اُس شخص کو کیا ہوا
کہا اُس نے بی تم کو سودا ہے کچھ — وہ معشوق ہے اُس کو پروا ہے کچھ
خدا جانے کس شغل میں لگ گیا — مری چڑھ ہے اتنا بھی ہونا فدا
وہ رہ رہ کے تم کو دلاتا ہے چاہ — عبث آپ کو مت کرو تم تباہ
رکے جو کوئی اس سے رُک جائیے — جھکے آپ سے اُس سے جھک جائیے
نفول[2] بھلا کچھ نکالا کرو — ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو
یہ سُن چپ رہی دل میں کھا پیچ و تاب — دیا پھر نہ اس بات کا کچھ جواب
گئے اُس پہ جب دن کئی اور بھی — بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی — درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جاں میں اضطراب — لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی — دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی — بہانے سے جا جا کے سونے لگی

[1] مخلصی - رہائی. چھٹکارا ۱۲ [2] نفول - فال نکالنا ۱۲ آسی

تب غم کی شدت سے پھر کانپ کانپ — اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا — نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اُٹھنا اُسے — محبت میں دن رات گھٹنا اُسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو — تو اُٹھنا اُسے کہکے ہاں جی چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے — تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی — یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے — کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
کسی نے کہا سیر کیجیے ذرا — کہا سیر سے دل ہے میرا بھرا
جو پانی پلانا تو پینا اُسے — غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے
نہ کھانے کی سُدھ اور نہ پینے کا ہوش — بھرا دل میں اُس کے محبت کا جوش
چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر — وہی سامنے صورت آٹھوں پہر
نہفتہ اُسی سے سوال و جواب — سدا ورد اُس کے غم کی کتاب
جو آجائے کچھ ذکر شعر و سخن — تو پڑھنے یہ اشعار میر حسن

غزل

یہ کیا عشق آفت اُٹھانے لگا — مرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا
ملا میرے دلبر کو مجھ سے خدا — نہیں تو مرا جی ٹھکانے[1] لگا
گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں — مرا دل ہی مجھ کو ڈبانے لگا

[1] جی ٹھکانے لگنا - جی کو سکون دے - یا جی کو فنا کردے ۱۲

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا — کہ جس کے عوض یوں رلانے لگا
نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسن — مرا دوست مجھ کو ستانے لگا
غزل یا رباعی دیا کوئی فرد — اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں — نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں
سبب یہ کہ دل سے تعلق ہے سب — نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل — کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

داستان بدر منیر کے غم و اندوہ کی اور علیش بائی کے بلانے میں

گلابی میں غنچے کی مجھ کو شتاب — پلا ساقیا کیتکی کی شراب
پیالے میں نرگس کے دے میری جاں — کہ دیکھوں میں کیفیت بوستاں
حکایت کروں ایک دن کی رقم — کہ دنیا میں توام ہیں شادی و غم
اٹھی سوتے اک دن وہ رشک پری — کہا جا کے دیکھوں چمن کو ذری
مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل — کہ غم نے کیا ہے نپٹ[1] مضمحل
زبس گل سے آتی ہے بو یار کی — ہوا[2] پھر ہوئی اس کو گلزار کی
پھر اک دن ہوا یہ کہ منہ ہاتھ دھو — چلی اٹھ کے دالان سے سیر کو
زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا — وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا

۱؎ نپٹ۔ بہت زیادہ ۱۲ ۲؎ خواہش

کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا — اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا
نہ پوچھ اس کے پائے نگاریں کا حال — زبانِ حنا وصف میں جس کے لال
کفک[1] اور فندق سے لالہ کو داغ — نہ ہو ایسی کیفیت پائیں باغ
طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ — سنہری شفق جس کو ہو دیکھ دنگ
جواہر کے چھلے بھرے پور پور — زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ تور[2]
زبس سوتی اٹھی تھی وہ نازنیں — پڑی تھی عجب ڈھب سے چین جبیں
خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں — وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں
جوانی کا موسم شروع بہار — وہ سینے سے اس کے کچوں[3] کا ابھار
نشے میں وہ آ حسن کے بیٹھنا — وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا
خواص ایک حقہ لیے تھی کھڑی — کہ لالے کی نے تھی اس میں پڑی
وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام — مغرق زری کا وہ نیچہ تمام
ولے ایک اس پر پڑا تھا جو پیچ — یہ سب اس کے آگے تھا گویا کہ ہیچ
لب نازک اور پر وہ مہنال دھر — نکالے تھی پردے سے دودِ جگر
ادھر اور ادھر ہر طرف تھی نگاہ — کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ
خواصیں کھڑی اس کے سب گرد پیش — جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش
کوئی مورچھل لے کوئی پیکدان — کوئی لے چنگیر اور کوئی ہار پان
رسیلی چھبیلی بنی تنگ و چست — لباس اور زیور سے ہر اک درست

۱؎ کفک۔ ایڑی ۱۲ ۲؎ تور۔ فیتہ یا گوٹ جو کپڑوں کے کنارے پر لگی ہو ۱۲ آسی
۳؎ کچ۔ سینہ۔ چھاتی ۱۲ آسی

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا — کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا
نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسنؔ — مرا دوست مجھ کو ستانے لگا

غزل یا رباعی دیا کوئی فرد — اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں — نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں
سبب یہ کہ دل سے تعلق ہے سب — نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل — کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

داستان بدر منیر کے غم واندوہ کی اور علیش بائی کے بلانے میں

گلابی میں غنچے کی مجھ کو شتاب — پلا ساقیا کیتکی کی شراب
پیالے میں نرگس کے دے میری جاں — کہ دیکھوں میں کیفیت بوستاں
حکایت کروں ایک دن کی رقم — کہ دنیا میں توام ہیں شادی و غم
اُٹھی سوتے اک دن وہ رشک پری — کہا جا کے دیکھوں چمن کو ذری
مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل — کہ غم نے کیا ہے نپٹ[1] مضمحل
زبس گل سے آتی ہے بو یار کی — ہوا[2] پھر ہوئی اُس کو گلزار کی
پھر اک دن ہوا یہ کہ منہ ہاتھ دھو — چلی اُٹھ کے دالان سے سیر کو
زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا — وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا

۱ نپٹ۔ بہت زیادہ ۱۲ ۲ خواہش

کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا — اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا
نہ پوچھ اُس کے پائے نگاریں کا حال — زبانِ حنا وصف میں جس کے لال
کفک[1] اور فندق سے لالہ کو داغ — نہ ہوا ایسی کیفیت پائیں باغ
طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ — سنہری شفق جس کو ہو دیکھ دنگ
جواہر کے چھلے بھرے پور پور — زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ تور[2]
زبس سوتی اُٹھی تھی وہ نازنیں — پڑی تھی عجب ڈھب سے چین جبیں
خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں — وہ جوبن کے عالم کی سیرسائیاں
جوانی کا موسم شروع بہار — وہ سینے سے اُس کے کچ[3] جوبن کا اُبھار
نشے میں وہ آ حسن کے بیٹھنا — وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا
خواص ایک حقہ لیے تھی کھڑی — کہ لالے کی پنی تھی اُس میں پڑی
وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام — مغرق زری کا وہ نیچہ تمام
ولے ایک اُس پر پڑا تھا جو پیچ — یہ سب اُس کے آگے تھا گویا کہ ہیچ
لب نازک اور پر وہ مُہنال دھر — نکالے تھی پردے سے دودِ جگر
ادھر اور اُدھر ہر طرف تھی نگاہ — کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ
خواصیں کھڑی اُس کے سب گرد پیش — جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش
کوئی مورچھل لے کوئی پیک دان — کوئی لے چنگیر اور کوئی ہار پان
رسیلی چھبیلی بنی تنگ و چست — لباس اور زیور سے ہر اک درست

۱ کفک۔ ایڑی ۱۲ ۲ تور۔ فیتہ یا گوٹ جو کپڑوں کے کنارے پر لگی ہو ۱۲ آسی
۳ کچ۔ سینہ۔ چھاتی ۱۲ آسی

کھڑی نیچی آنکھیں کیے باادب ۔ اسی شرم سے پر قیامت غضب
وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ ۔ اُدھر غش میں آتے تھے سب پھول کاہ
کئی ہمدم اُس کی جو تھیں ماہرو ۔ بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو
برابر برابر ادھر اور اُدھر ۔ وہ گرد اُس کے بیٹھی تھیں یکدگر
سماں اُس گھڑی کا لکھوں کیا میں آہ ۔ ستاروں میں آوے نظر جیسے ماہ
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر ۔ کہ ہر گل کی تھی اُس کے منہ پر نظر
چمن اُس گھڑی بر سر جوش تھا ۔ گل و غنچہ جو تھا سو بیہوش تھا
زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی ۔ دوبالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی
معطر ہوا اور گل کا دماغ ۔ کہ مہکا تمام اُس کی خوشبو سے باغ
پڑا عکس اُس کا جو طرف چمن ۔ ہوا لالہ گل اور گل نسترن
درختوں پر اُس کی پڑی جو جھلک ۔ زمرد کو دی اور اُس نے چمک
ہوئی اُس کے بیٹھے سے گلشن کو زیب ۔ گیا اُڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اُس گل کی دیکھی بہار ۔ ہوا دیکھ اپنے گلوں کا فگار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل ۔ لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ ۔ ہوئی سرو کی شکل قمری کو آہ
ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در ۔ وہ سب کے دل میں ہوئی جلوہ گر
کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آ گیا ۔ ادا سے لگی کہنے وہ دلربا
اری ہے کوئی یاں ذرا جائیو ۔ مری عیش بائی کو لے آئیو
عجب وقت ہے اور عجب ہے سماں ۔ کرے دو گھڑی آ کے مجرا یہاں

خفا ہوں مرا جی بھی مشغول ہو ۔ کوئی دم تو داغِ جگر پھول ہو
کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں ۔ جلے ہے جگر دل سُلگتا نہیں
یہ سنتے ہی دوڑی گئی اک نگار[1] ۔ لیا عیش بائی کو اُس نے پکار
وہ آنے لگی کافر اس آن سے ۔ کہ جانے لگا جی مسلمان سے
عجب چال سے وہ چلی نازنیں ۔ کہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں
وہ خلقت کی گرمی وہ ڈومن پنا[2] ۔ نشے میں بھبھوکا سا چہرہ بنا
لٹیں منہ پہ چھوٹی ہوئیں سربسر ۔ کہ بدلی ہو جوں مہ کے ادھر اودھر
وہ بن پوچھے ہونٹوں کی مسی غضب ۔ کہ منہ پر تھی گویا قیامت کی شب
فقط کان میں ایک بالا پڑا ۔ کہے تو کہ تھامے کے ہالا پڑا
وہ پشواز اگری[3] وہ نرگس کا ہار ۔ وہ کمخواب کے بندروے ازار
بندھا سر پہ جوڑا اڑی زرد شال ۔ کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال
وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست ۔ کناروں پہ مینا بنت[4] کا درست
وہ اٹھی ہوئی چین[5] پشواز کی ۔ وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی
وہ مہندی کا عالم وہ توڑے چھڑے ۔ وہ پاؤں میں سونے کے دو دو کڑے
چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی ۔ کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی
عجب ایک عالم تھا بے ساختہ ۔ کہ عالم تھا اک اُس پہ دل باختہ
کئی کافریں اور بھی دل نواز ۔ لیے ساتھ ساتھ اُس کے سب اپنا ساز

۱؎ حسین۔ معشوق ۱۲ ۲؎ ڈومنی پن ۱۲ ۳؎ اگری۔ گہرا کشمشی رنگ ۱۲ ۴؎ کپڑے کی لمبی چٹ پر نقرئی اور طلائی تاروں کا کام۔ مینا۔ مرصع کاری ۱۲۔ آسی ۵؎ چین۔ شکن ۱۲۔ آسی

چلیں ایک اغماز[1] اور ناز سے
کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے

روش پر جو تھا فرش اُس کے حضور
ادب سے وہاں بیٹھیاں دور دور

ہوا حکم گوری[2] کا جو برملا
لیے ساز اپنے سبھوں نے اُٹھا

دیا آسماں[7] پر جو طبلوں کو کھینچ
ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اینچ

لگی گانے پٹ[3] وہ اس آن سے
نکلنے لگی جان ہر تان[4] سے

عجب تال پڑتی تھی انداز سے
کہ بیکل تھی ہر تان آواز سے

وہ تھی گٹکری[5] یا لڑی نور کی
مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی

گل و غنچہ کی طرح محبوب تھی
کھلی اور منڈی دل کو مرغوب تھی

غرض کیا کہوں اُس کا میں ماجرا
عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا

وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں
وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں

گھڑی چار دن باقی اُس وقت تھا
سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ
وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ

لپیٹے ہوئے پوستوں پر تمام
روپہلے سنہرے ورق صبح و شام

وہ لالے کا عالم ہزارے کا رنگ
وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کی ترنگ

۱؎ بظاہر غمزہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اغماز در اصل عیب کرنا چغلی کھانا ۱۲ ۲؎ گوری۔ ایک راگنی کا نام یہ رات کو دو بجے گائی جاتی ہے اور اسی وقت سوہنی رج بھی گاتے ہیں ۱۲ ۳؎ ایک راگ کا نام ۱۲ ۴؎ تان۔ گانے کی لمبی اور بلند آواز ۱۲۔ آسی ۵؎ گٹکری۔ گویوں کے گانے میں جو تجعید سُر ہوتے ہیں اُسی کو گٹکری کہتے ہیں مُرکی بھی اسی انداز کی چیز ہے۔ اس کو زمزمہ اور دانا بھی کہتے ہیں۔ سُر کے جھٹکے ۱۲ ۶؎ جمع متروک ۱۲ ۷؎ آسمان پر طبلوں کو کھینچنا۔ طبلے کا سُر چڑھانا ۱۲۔ آسی

گلابی سے ہو جانا دیوار و در
درختوں سے آنا شفق کا نظر

وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور
ہر اک جانور کا درختوں پہ شور

وہ سرو سہی اور وہ آب رواں
وہ پانی کا مستی سے بہنا وہاں

وہ اُڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا
کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ

وہ رقص بتاں اور وہ ستھری الاپ
وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ

وہ دل بیٹھنا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ
اُچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ

نہ انسان کا ہی دل ہوا اس میں بند
ہوئے محو سنکر چرند اور پرند

غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے
اُڑے جس جگہ تھے اُڑے رہ گئے

جو تھے پیچھے آگے نہ وہ چل سکے
جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے

لگی دیکھنے آنکھ نرگس اُٹھا
گلوں نے دیے کان اُدھر لگا

لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت
کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت

درختوں سے گرنے لگے جانور
بنے مثل آئینہ دیوار و در

ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن
بھرا اشک سے بلبلوں نے چمن

ہوئے نہر سے سنگپارے پگھل
پڑے رالے فوارے اُس کے اُچھل

عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر
کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر

بندھا اس طرح کا جو اُس جا سماں
ہوا سب کے دل کا عجب حال واں

ولیکن جو کچھ دل گیوں[1] پر گیا
کہ بن آئی[2] ہر اک وہاں مر گیا

لگا تھا زبس عشق کا اُس کو تیر
لگی کھینچنے آہ بدر منیر

۱؎ دل گیوں پر۔ یعنی عاشقوں پر ۱۲ ۲؎ بن آئی۔ بغیر موت ۱۲۔ آسی

بندھا اُس کو عاشق کا اپنے خیال / لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رُمال
کہیں کا کہیں لے اُڑا اُس کو راگ / ہوا سے ہوئی اور دونی وہ آگ
لگی کہنے ہے ہے یہ دیکھوں میں سیر / نہ ہو پاس میرے وہ یادش بخیر
وہی جانے ہو جس کے کچھ دل کو لاگ / کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ
بھلا کیونکہ جی اُس کا خوشحال ہو / کہ ہجراں کا غم جس کے دنبال ہو
جگر میں اگر آہ کی سُول[1] ہو / لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال / جسے یاد شمشاد کی ہو کمال
کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر / جسے اپنے گل کی نہ ہووے خبر
یہ کہکر اُٹھی واں سے وہ دل رُبا / چھپرکھٹ پہ جا کر گری منہ چھپا
خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا / ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اُٹھتے ہی بس اُس کے جاتی رہیں / طوائف کہیں اور خواصیں کہیں
مری عقل اس جا پہ حیران ہے / کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے
ہر اک وقت ہے اس کا عالم جدا / جو جا ہے یہ پھر ہو تو امکان کیا
کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار / نہیں اک وطیرے پہ لیل و نہار

داستان بےنظیر کے غم ہجر سے بدرمنیر کی بیقراری میں

پلا ساقیا ایک جام شراب / کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب
شب ہجر کی پھر علامت ہوئی / غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی

[1] کانٹا۔ درد۔ برچھی کی نوک ۱۲۔ آسی نسخہ۔ پلا ساقی اک جام مجکو شتاب

گری جب چھپرکھٹ پہ وہ رشک حور / سبھوں کو کہا تم رہو دور دور
اکیلی وہ رونے لگی زار زار / گئی اپنے عالم میں بے اختیار
گرے چشم سے اُس کے اتنے گہر / کہ دھویا اُسی آب سے منہ سحر
صبوحی[1] تو دے ساقی لعل فام / کہ رو رو کے یہ رات کاٹی تمام
ہوا آفتاب الم جو طلوع / اُداسی کا ہونے لگا دن شروع
ذرا آئینے کے دیکھا جو رنگ / تو جوں آئینہ رہ گئی وہ بھی دنگ
بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار / کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار[2]
فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر / لگی دل کو بہلانے ادھر اودھر
زباں پر تو باتیں ولے دل اُداس / پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر / نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر
اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں / جو کرتی ہے میلی تو محرم[3] نہیں
جو مسّی ہے دو دن کی تو ہے وہی / جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی
جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے / غم آلودہ صبح طربناک ہے
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام / نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام
ولیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاؤ[4] / کہ بگڑے سے دونا ہوا اُن کا بناؤ[5]
نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی / جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی
غرض بے ادائی ہے اُن کی ادا / بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا

[1] صبوحی وہ شراب جو صبح کو پی جائے ۱۲ [2] فشار۔ نچوڑنا، کھینچنا، دبانا ۱۲ [3] خبردار۔ باخبر۔ رازدار۔ آگاہ ۱۲ [4] عادت طور طریقہ ۱۲ [5] بناؤ۔ زینت ۱۲ ۔عبدالباری آسی۔

بندھا اُس کو عاشق کا اپنے خیال — لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رُمال
کہیں کا کہیں نے اُڑا اُس کو راگ — ہوا سے ہوئی اور دونی وہ آگ
لگی کہنے ہے ہے یہ دیکھوں میں سیر — نہ ہو پاس میرے وہ یادش بخیر
وہی جانے ہو جس کے کچھ دل کو لاگ — کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ
بھلا کیونکہ جی اُس کا خوشحال ہو — کہ ہجراں کا غم جس کے دنبال ہو
جگر میں اگر آہ کی سُول[1] ہو — لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال — جسے یاد شمشاد کی ہو کمال
کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر — جسے اپنے گُل کی نہ ہووے خبر
یہ کہکر اُٹھی واں سے وہ دل رُبا — چھپر کھٹ پہ جا کر گری مُنھ چھپا
خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا — ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اُٹھتے ہی بس اُس کے جاتی رہیں — طوائف کہیں اور خواصیں کہیں
مری عقل اس جا پہ حیران ہے — کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے
ہر اک وقت ہے اس کا عالم جدا — جو جا ہے یہ پھر ہو تو امکان کیا
کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار — نہیں اک وطیرے پہ لیل و نہار

داستان بلنظیر کے غم ہجر سے بدرمنیر کی بیقراری میں

پلا ساقیا ایک جام شراب — کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب
شب ہجر کی پھر علامت ہوئی — غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی

۱؎ کانٹا - درد - برچھی کی نوک ۱۲ - آسی نے - پلا ساقی اک جام مجکو شتاب

گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشک حور — سبھوں کو کہا تم رہو دور دور
اکیلی وہ رونے لگی زار زار — ہوئی اپنے عالم میں بے اختیار
گرے چشم سے اُس کے اتنے گہر — کہ دھویا اُسی آب سے منھ سحر
صبوحی[1] تو دے ساقی لعل فام — کہ رو دھو کے یہ رات کاٹی تمام
ہوا آفتاب الم جو طلوع — اُداسی کا ہونے لگا دن شروع
ذرا آئنہ لے کے دیکھا جو رنگ — تو جوں آئنہ رہ گئی وہ بھی دنگ
بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار — کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار[2]
فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر — لگی دل کو بہلانے ادھر اودھر
زباں پر تو باتیں وے دل اُداس — پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ منھ کی خبر اور نہ تن کی خبر — نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر
اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں — جو کُرتی ہے میلی تو محرم[3] نہیں
جو مسّی ہے دو دن کی تو ہے وہی — جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی
جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے — غم آلودہ صبح طربناک ہے
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام — نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام
ولیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاؤ[4] — کہ بگڑے سے دونا ہوا اُن کا بناؤ[5]
نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی — جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی
غرض بے ادائی ہے اُن کی ادا — بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا

۱؎ صبوحی وہ شراب جو صبح کو پی جائے ۱۲ ۲؎ فشار - نچوڑنا، کھینچنا، دبانا ۱۲ ۳؎ خبردار - باخبر - رازدار - آگاہ ۱۲ ۴؎ عادت طور طریقہ ۱۲ ۵؎ بناؤ - زینت ۱۲ - عبدالباری آسی -

جو اُتھے پہ چین جبیں غم سے ہے
تو وہ بھی ہے اک موج دریائے مے

وہ آنکھیں جو روتی ہیں بس پھوٹ پھوٹ
تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ

تپ غم سے یوں تمتماتے ہیں گال
کہ جو رنگ لالہ ہو وقت زوال

گریباں سینے پہ ہے جو کھلا
تو گویا وہ ہے صبح عشرت فزا

نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے
دیا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے

ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا
کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی سی ہوا

داستان بیقراری بدرمنیر کی بےنظیر کے فراق میں اور نجم النساء کے تسلی دینے میں

پلا ساقیا ساغرِ بے نظیر
پھنسی دام ہجراں میں بدرمنیر

وہ حسن و جوانی اور اس پر یہ غم
ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم

جہاں بیٹھنا آہ کرنا اُسے
بہانہ نزاکت پہ دھرنا اُسے

کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا
کسی کو کبھی دیکھ دھو ڈالنا

خواصوں کو بالا[لہ] بتانا اُسے
اکیلے درختوں میں جانا اُسے

وہ لے اُن درختوں میں جس میں وہ ماہ
سر شام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ

سو یہ بھی پہر دن سے آواں مدام
اُسی چھاؤں میں بیٹھ کرتی تھی شام

گیا اس طرح جب مہینا گذر
کہ وہ ماہ مطلق نہ آیا نظر

لہ بالا بتانا۔ فریب دینا۔ بہانا کرنا ۱۲ آسی

اور اُس کا ادھر رنگ گھٹنے لگا
جگر خوں ہو مژگاں پہ بٹنے لگا

لگی رہنے تب جان بیتاب میں
لگا فرق آنے خور و خواب میں

محبت کا سودا سا ہونے لگا
جنوں تخم وحشت کا بونے لگا

سرکنے لگا پاس ناموس و ننگ
لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ

خموشی اُٹھانے لگی دل میں شور
جتانے لگی ناتوانی بھی زور

یہ احوال دیکھ اُس کا دختِ وزیر
لگی جل کے کہنے کہ بدرمنیر

تو وہ ہے کہ سب کے تئیں دے وتوف[لہ]
کدھر دل گیا تیرا اے بیوقوف

مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت[ٹہ]
مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت[سہ]

ارے چار دن کے ہیں یہ آشنا
ملا دل کو آخر کرے ہیں جدا

گئے آسماں گہ زمیں کے ہیں یہ
جہاں بیٹھے جا بس وہیں کے ہیں یہ

تو بھولی ہے کس بات پر اے بوا
خبر لے دوانی تجھے کیا ہوا

سنو جانی اپنے پہ جو کوئی مرے
تو دل پہلے اپنا بھی صدقے کرے

اگر آپ پر کوئی شیدا نہ ہو
تو پھر چاہیے اُس کی پروا نہ ہو

وہ خوش ہوگا اپنی پری کو لیے
عبث اُس پہ بیٹھی ہو تم جی دیے

تمہاری اُسے چاہ ہوتی اگر
تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر

لگی کہنے تب اُس کو بدرمنیر
کہ سنتی ہے اے میری دخت وزیر

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ اُس کا خدا عالم الغیب ہے

لہ وتوف دینا۔ ہوشیاری کی باتیں سکھانا ۱۲ ٹہ پیت۔ محبت ۱۲ سہ جوگی ہوئے کس کے میت یعنی کس کے لیے جوگی ہوئے ۱۲

وہ اپنے دلوں سے تو ہم نیک ذات — ہوئی اُس پہ کیا جانے کیا واردات
ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ — گئے اتنے دن اب تلک تو یا نہ وہ
مجھے رات دن اُس کا رہتا ہے ڈر — پری نے سنی ہو نہ یاں کی خبر
نہ باندھا ہو اُس کو کسی صید میں — کیا ہو نہ اُس کے تئیں قید میں
پری نے کہیں طیش کھا لاؤ میں — دیا ہو نہ پھینک اُس کو کہ قاف[1] میں
پرستاں سے کبھی نکالا نہ ہو — کسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو
نہ ملنے کے دکھ اُس کے سب ہیں سہے — بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی — گہر آنسوؤں کے پرونے لگی
کھٹ پٹی[2] لے کے آخر کو لیٹ — چھپر کھٹ کے کونے پہ سر منہ لپیٹ

خواب میں دیکھنا بدر منیر کا بے نظیر کو کنوئیں میں اور جوگن بن کر نکلنا نجم النساء کا اس کی تلاش میں

پلا ساقیا جام جم سے وہ مُل — کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کل
کسی کے تو آ کام فرخندہ فال — کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ جھپکی جو اُس حال میں — تو دیکھا پھنسا اُس کو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اُس کو خواب — کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب

[1] کوہ قاف - ایک پہاڑ جہاں مشہور ہے کہ پریاں اور جنات رہتے ہیں ۱۲ [2] کھٹ پٹی لے کر پڑ رہنا - اٹواٹی کھٹواٹی لے کے لیٹ جانا ۱۲

یہ دیکھا کہ صحرا ہے اک لق و دق[1] — کہ رستم جسے دیکھ ہو جائے فق
نہ انسان ہے واں نہ حیوان ہے — فقط اک کفِ دست[2] میدان ہے
مگر بیچ میں اُس کے ہے اک کنواں — کہ اُٹھتا ہے آہوں کا واں سے دھواں
کنوئیں کا ہے منہ بند اُس سے اڑی — کئی لاکھ من کی ہے اک سِل پڑی
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر — ترے چاہِ غم میں ہوا ہوں اسیر
میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جاں — کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قیدِ گراں
پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے — فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے — تو اس قیدِ غم سے چھڑا دے مجھے
نہیں مجھ کو مرنے سے کچھ اپنے ڈر — یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اس وقت میں دیکھ لوں — جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال — نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
کوئی دم کا مہماں ہوں آج کل — اسی چاہ میں جائے گا دم نکل
یہ سن واردات شہ بے نظیر — جو چاہے کرے بات بدر منیر
پہ ہرگز میسر نہ آئی اُسے — قضا نے نہ اُس کی سنائی اُسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل — بھرے اشک رخسار پر آئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ — پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اپنے یوسف کی سن خواب سے — اُٹھی باؤلی جان بیتاب سے
کہا گو کسی سے نہ اُس نے یہ بھید — ولے جوں مہ صبح چہرہ سفید

[1] لق و دق - ویران میدان جہاں درخت اور آدمی نہ ہوں ۱۲ [2] کف دست میدان ہموار صاف ۱۲ آسی

وہ اپنے دلوں سے تو پہ نیک ذات / ہوئی اُس پہ کیا جانے کیا واردات
ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ / گئے اتنے دن آج تک تو آیا نہ وہ
مجھے رات دن اُس کا رہتا ہے ڈر / پری نے سنی ہو نہ یاں کی خبر
نہ باندھا ہو اُس کو کسی صند میں / کیا ہو نہ اُس کے تئیں قید میں
پری نے کہیں طیش کھا اُس دن میں / دیا ہو نہ پھینک اُس کو کوہ قاف[1] میں
پرستاں سے بھی نکالا نہ ہو / کسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو
نہ ملنے کے دُکھ اُس کے سب ہیں سہے / بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی / گہر آنسوؤں کے پرونے لگی
کبھی منہ لپیٹی ماں[2] آخر کو لیٹ / چھپر کھٹ کے کونے پہ سر منہ لپیٹ

خواب میں دیکھنا بدر منیر کا بے نظیر کو کنوئیں میں اور جوگن بن کر نکلنا نجم النساء کا اس کی تلاش میں

پلا ساقیا جام جم سے وہ مُل / کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کل
کسی کے تو آ کام فرخندہ فال / کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ جھپکی جو اُس حال میں / تو دیکھا پھنسا اُس کو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اُس کو خواب / کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب

۱؎ کوہ قاف۔ ایک پہاڑ جہاں مشہور ہے کہ پریاں اور جنات رہتے ہیں ۱۲ ۲؎ ہاتھ پر سر پیٹ کر پڑ رہنا۔ اڑواٹی کھٹواٹی لے کے لیٹ جانا ۱۲

یہ دیکھا کہ صحرا ہے اک لق و دق[1] / کہ رستم جسے دیکھ ہو جائے فق
نہ انسان ہے واں نہ حیوان ہے / فقط اک کف دست[2] میدان ہے
مگر بیچ میں اُس کے ہے اک کنواں / کہ اُٹھتا ہے آہوں کا واں سے دھواں
کنوئیں کا ہے منہ بند اُس سے اڑی / کئی لاکھ من کی ہے اک سل پڑی
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر / ترے چاہ غم میں ہوا ہوں اسیر
میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جاں / کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قید گراں
پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے / فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے / تو اس قید غم سے چھڑا دے مجھے
نہیں مجھ کو مرنے سے کچھ اپنے ڈر / یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اس وقت میں دیکھ لوں / جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال / نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
کوئی دم کا مہماں ہوں آج کل / اسی چاہ میں جائے گا دم نکل
یہ سن واردات شہ بے نظیر / جو چاہے کرے بات بدر منیر
یہ ہرگز میسر نہ آئی اُسے / قضا نے نہ اُس کی سنائی اُسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھُل / بھرے اشک رخسار پر آئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ / پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اپنے یوسف کی سُن خواب سے / اُٹھی باؤلی جان بیتاب سے
کہا گو کسی سے نہ اُس نے یہ بھید / ولے جوں مہ صبح چہرہ سفید

۱؎ لق و دق۔ ویران۔ میدان جہاں درخت اور آدمی نہ ہوں ۱۲ ۲؎ کف دست میدان ہموار۔ صاف ۱۲ آسی

ڈھلے منہ پہ آنسو ہوا بسکہ رنج — چھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج[1]
وہ مہتاب سا چہرہ ہو زرد زرد — سراپا ہوا شکل اندوہ و درد
زبس آہ پنہاں سے گھٹنے لگی — تو منہ پر ہوائی[2] سی چھٹنے لگی
مژہ وہ نکیلی جو تھیں تیز سی — ہوئیں اشک خونیں سے گلریز سی
بھچنیا[3] سا قد تھا جو رشک انار — نکلنے لگے اُس سے شعلے ہزار
جلیں اُس کی آہوں سے کل صورتیں — ہوئیں سب وہ مٹی کی جوں مورتیں
چھپایا بہت اُس نے پر ہم نشیں — چھپائے سے آتش چھپے ہے کہیں
کسی سے کسی کو جو ہوتی ہے لاگ — بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ
خواصیں کئی وہ جو ہمراز تھیں — بڑی خدمتوں میں سرافراز تھیں
کہا اُن سے رو رو کے احوال خواب — رُلایا اُنھیں پڑھ کے غم کی کتاب
سنا جبکہ نجم النسا نے یہ حال — ہوئی بیقراری تب اس کو کمال
لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا — ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا
بس اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں — اُسے ڈھونڈھ لانے کو چلتی ہوں میں
جو باقی رہا کچھ مرے دم میں دم[4] — تو پھر آکے یہ دیکھتی ہوں قدم
وگر مر گئی تو بلا سے موئی — تو یوں جانیو مجھ پہ صدقے ہوئی

[1] گنج۔ ذخیرہ۔ گنج چھوٹنا بہت سے پٹاخوں کا اک دم چھوٹنا ۱۲ [2] منہ پر ہوائی چھوٹنا یا اُڑنا۔ چہرے کا رنگ اُڑنا ۱۲ [3] بھچنیا۔ ایک قسم کی چنیا جس کو بوئیں چنیا بھی کہا جاتا ہے اور یہ اسی کا مخفف ہے۔ ایک قسم کی آتشبازی ۱۲۔ عبدالباری آسی [4] میرے دم میں دم ہے تو یعنی اگر میں زندہ ہوں تو ۱۲

کہا شاہزادی نے سن اے رفیق — ہوئی میں تو اس چاہ غم میں غریق
بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو — کہ ہے وہ پری اور انسان تو
رسائی تری ہوگی کیونکر وہاں — مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے میری جاں
میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط — کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط
وگرنہ میں رُک رُک کے مرجاؤں گی — اسی طرح جی سے گذر جاؤں گی
کہا اُس نے کیا کیجیے پھر بھلا — پڑی اب تو اپنے ہی سر پہ بلا
میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈول[1] — ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول
تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں — اس اندوہ کا مجھ کو یارا نہیں
یہ کہہ اُس نے رو رو اُتارا سنگار — کیا اپنی پشواز کو تار تار
گریباں کو مثل گل چاک کر — دیا خاک پر پھینک ایدھر اودھر
پھر آئے جو کچھ اُس کو ہوش و حواس — سجا تن پہ جوگن کا اُس نے لباس
پہن سیلی[2] اور گیروا اوڑھ کھیس — چلی بن کے صحرا کو جوگن کے بھیس
کئی سیر موتی جلا راکھ کر — بھبھوت[3] اپنے تن پر ملا سر بسر
پہن ایک لہنگا زری باف[4] کا — وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا
زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ — بدن کو چھپا اور گاتی[5] کو باندھ

[1] ڈول۔ ڈھنگ ۱۲۔ آسی [2] سیلی وہ بالوں یا سیاہ ریشم کا تاگا جو گلے میں باندھتے ہیں۔ ہندو فقیر ایسا کرتے ہیں۔ اور بعض وقت صرف زینت کے لیے کلائی پر باندھتے ہیں یا گلے میں ڈالتے ہیں ۱۲ [3] بھبھوت۔ راکھ جو جوگی سنیاسی اپنے بدن پر ملتے ہیں ۱۲ [4] زری باف ایک قسم کا کپڑا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا ہوتا ہے ۱۲ [5] گاتی۔ چادر یا دوپٹے کو دونوں کاندھوں پر ڈال کر سینہ کو باندھنا ۱۲

زمرد کے مندرے[1] لگا کان میں ۔ کہ جوں سبزۂ و گل گلستان میں
گلے بیچ ڈال اپنے مالوں کے تئیں ۔ پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں
زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا ۔ کیا سنبلستان[2] کو جگمگا
لٹیں دے کے بل دوش پر چھوڑ دیں ۔ وہ ناگیں سی شبدیز[3] کی موڑ دیں
ے غم سے آنکھوں کو کر لال لال ۔ رکھا چشم میں خون دل کو نکال
زمرد کی سمرن[4] کو ہاتھوں میں ڈال ۔ اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال
جو منکے[5] تھے من کے لیے کر درست ۔ پہن اپنے موقع سے چالاک و چست
چلی بن کے جوگن وہ باہر کے تئیں ۔ دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں
تف سوز دل کا عیاں منہ سے حال ۔ اڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال[6]
اس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں ۔ صفا راکھ سے اور چمکی وہاں
کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند ۔ چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند
چھپانے کو سوانگ[7] اس نے جو جو کیے ۔ غرض حسن نے اور جلوے دیے
وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک ۔ شب تیرہ میں کہکشان فلک
زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے ۔ کہ جوں شب میں کوئی بنیٹی[8] کرے

[1] مندرا۔ وہ حلقے جو جوگی کانوں میں پہنتے ہیں ۱۲ [2] سنبلستان سے مراد زلفیں۔ بال ۱۲ [3] شبدیز۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا ۱۲ [4] سمرن۔ ہندوانہ تسبیح ۱۲ [5] منکے وہ مہرے جو فقرا گلے میں پہنتے ہیں ۱۲ [6] رال اڑانا۔ آگ کے ذریعہ سے رال کو بارود کی طرح اڑانا ۱۲ [7] سوانگ۔ روپ بھرنا۔ تماشا ۱۲ [8] بنیٹی کرنا۔ بنیٹی پھرانا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بانس کے دونوں سروں پر دو گیندیں یا مشعلیں باندھ کر اس طرح پھراتے ہیں کہ حلقہ بندھ جاتا ہے ۱۲

زمانے کو بھائی جو اس کی ادا ۔ تو اس رات پر دن کو صدقے کیا
کرے جو کہ تقویم[1] دل سے حساب ۔ کہے سنبلہ میں گیا آفتاب
یہ برق اور یہ ابر حبشیہ ہے اگر ۔ تو دامان عشاق ہوئیں گے تر
زمرد کے مندرے وہ اس آن پر ۔ کہوں کیا کہ جیسے کھلے کان پر
وہ مندرے وہ تن اس کا خاکستری ۔ ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری
اڑے سبزۂ و گل کے دیکھ اس کو ہوش ۔ وہ دونوں ہوئے اس کے حلقہ بگوش
نظر کر صفائی کو اس گوش کی ۔ زمرد کو اس گوش کی لو لگی
بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرد کی شان ۔ جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان
وہ موتی کی مالا وہ مونگے کا ہار ۔ گل نسترن کی چمن میں بہار
گلابی سے وہ نرگس شوخ رنگ ۔ پھرے جس میں لالا کے لالے کے رنگ
وہ قشقہ کھنچا سرخ ماتھے پہ یوں ۔ پڑے نور پر لعل کا عکس جوں
ادا اس کی دیکھے جو عاشق کبھو ۔ تو رو یا کرے چشم سے وہ لہو
یہ بین[2] اس کے کاندھے پہ تھی خوشنما ۔ چلے جوں کوئی مست شیشہ اٹھا
دیار محبت میں بھنگی تھی وہ ۔ نہ تھی بین عشرت کی بہنگی[3] تھی وہ
نہ تھی بین تھے تمبے رنگ کے ۔ وہ پاتھے سبو بحر آہنگ کے
سو وہ بین کاندھے پہ رکھ یوں چلی ۔ کہ لاوے کوئی جیسے گنگا جلی

اسکو

[1] تقویم۔ جنتری ۱۲ آسمی [2] بین ایک باجا ۱۲ [3] بہنگی ترازو کی طرح کی ایک چیز بنا کر کندھے پر رکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے بوجھ ڈھوتے ہیں شکل میں بھی قریب قریب ایسی ہی ہوتی ہے ۱۲

هر اک تار تھا بین کا رودِ نیل[1] — وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل
نہ عاشق ہوئے اُس کے عالم پہ لوگ — دوانہ ہوا جوگ دیکھ اُس کا جوگ[2]
بنی جبکہ جوگن وہ اس رنگ سے — لگے پھوڑنے دوست سر سنگ سے
وہ رخصت جو اس طرح ہونے لگی — تو وہ صاحبِ خانہ رونے لگی
وہ رد رو کے دو ابرِ غم یوں ملے — کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے[3]
یہاں تک بندھا اس کے رونے کا تار — بہے پھوٹ دیوار و در ایک بار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد گُل — وہ رو رو ہوئے شبنم آلودہ گُل
نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار — کہا حق کو سونپا تجھے لے سدھار
چلی جس طرح پیٹھ اپنی دکھا — اُسی طرح دکھلا ہمیں[4] منہ پھر آ
کسی نے کہا بھولیو مت مجھے — خدا کے تئیں[5] میں نے سونپا تجھے
کہا اُس نے خیر اب تو جاتی ہوں میں — جو ملتا ہے تو اُس کو لاتی ہوں میں
تمھیں بھی خدا کو میں سونپا شتا — مرا بخشیو تم کہا[6] اور سُنا
جدا ہوکے القصہ روتوں کو چھوڑ — چلی اپنے گھر بار سے منہ کو موڑ
نہ سُدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی — نکل شہر سے راہ جنگل کی لی
لیے بین پھرتی تھی صحرا نورد — تن چاک چاک اور رُخ گرد گرد

۱؎ رودِ نیل۔ ایک دریا کا نام جو مصر میں واقع ہے ۱۲ ۲؎ جوگ۔ درویشی۔ سنیاس ۱۲
۳؎ ساون بھادوں ملنا۔ ساون کا مہینہ ختم ہوکر بھادوں کا شروع ہونا ۱۲۔ آسی۔
۴؎ جانے والے سے کہتے ہیں کہ جیسے پیٹھ دکھاتے ہو اسی طرح منہ دکھانا ۱۲ آسی۔
۵؎ خدا کے تئیں اب متروک ہے ۱۲ ۶؎ کہا سنا بخشنا۔ یعنی خطا معاف کرنا ۱۲

کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے — کہ جس سے وہ شیدا کا شیدا ملے
جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین — تو سننے کو آتے تھے آہوئے چین
بجاتی وہ جوگن جہاں جوگیا[1] — تو واں بیٹھتی خلق دھونی رما
اُسے سُن کے آتا تھا صحرا کو جوش — صدا سے درختوں کو آتا خروش
گُلِ نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار — تو لیتا اُسے دشت دامن پسار
کہیں حلقہ حلقہ کہیں لخت لخت — کھڑے ہوکے گرد اُس کے سنتے درخت
بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بن کے بین — خس و خار سنتے تھے تن تن کے بین
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی — ہر اک عالمِ شوق میں تھی کھڑی
تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی — دد[2] و دشت غش میں پڑے تھے سبھی
یہاں تک کہ رہ میں جو تھے نقشِ پا — وہ بیٹھے تھے کان اپنے اُدھر لگا
گُلِ نغمۂ تر کی یہ تھی بہار — کہ صحرا کے گُل اُس کے آگے تھے خار
سُن آواز کی اُس کی شان و شکوہ — نکلنے لگی دب کے آواز کوہ
نہ پانی ہی سُن شور اُس کا چلے — کنوئیں کے بھی دل میں اُٹھے ولولے
نہ چشمے ہی کچھ آبدیدہ رہے — گریبان کر چاک دریا بہے
ہوا بلبل و گُل کا یاں تک ہجوم — کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم
تحیر کا تھا واں ہر اک کو مقام — زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام
چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں — بساتی تھی جنگل میں دنگل کے تئیں
یہ ہر جا پہ تھا اُس کے دم سے طلسم — بندھا تھا اُسی دم قدم سے طلسم

۱؎ جوگیا ایک راگنی کا نام ۱۲۔ آسی ۲؎ دد۔ درندے جانور ۱۲۔ آسی

شب و روز سرگشتہ مثل صبا ۔۔ اسی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار ۔۔ کہ صحرا سے اب دل ہوا خار خار

کوئی پھول سی دے شتابی شراب ۔۔ کہ شہر مطالب کو پہونچوں شتاب

وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو ۔۔ کہ جینے کی بیمار کے آس ہو

سبب کے اسباب دیکھو ذرا ۔۔ کہ قدرت میں اس کی ہے کیا کیا بھرا

سفید و سیہ اُس کے ہے اختیار ۔۔ بنایا ہے اُس نے یہ لیل و نہار

جہاں میں ہے اندوہ و عشرت بہم ۔۔ کہیں صبح عیش و کہیں شام غم

دورنگی زمانے کی مشہور ہے ۔۔ کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے

قضارا سہانا سا اک وقت تھا ۔۔ کہ اک شب ہوا اس کا واں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ ۔۔ ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشک مہ

بچھی ہر طرف چادر نور تھی ۔۔ یہی چاندنی اس کو منظور تھی

بچھا مرگ چھالے[1] کو اور لیکے بین ۔۔ دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین

کدارا[2] بجانے لگی غرق ہو ۔۔ لگی دست و پا مارنے ذوق میں

کدارا یہ بجنے لگا اس کے ساتھ ۔۔ کہ مہ نے کیا دائرہ لیکے ساتھ

[1] مرگ چھالا۔ ہرن کی کھال جسے اکثر جوگی وغیرہ بچھاتے ہیں ۱۲ [2] کدارا۔ ایک راگ کا نام ۱۲

بندھا[1] اس طرح کا جو اس جا سماں ۔۔ صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں

وہاں سنسان جنگل وہ نور قمر ۔۔ وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت ۔۔ اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوے ۔۔ خس و خار سارے جھمکتے ہوے

درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور ۔۔ گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

دیا یہ کہ جوگن کا منہ دیکھ کر ۔۔ ہوا نور سایہ کا ٹکڑے جگر

گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل ۔۔ گئے سایہ و نور آپس میں مل

وہ صورت خوش آئی جو اُس نور کی ۔۔ دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی

ہوا بندھ گئی اس گھڑی اس اصول ۔۔ بسیرا گئے جانور اپنا بھول

درختوں سے لگ لگ کے باد صبا ۔۔ لگی وجد میں بولنے واہ واہ

کدارے کا عالم تھا یہ اُس گھڑی ۔۔ کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

یہاں تو یہ عالم تھا اور طور یہ ۔۔ تس اوپر مزا تم سنو اور یہ

کہ تھا اک پریزاد فرخ سیر ۔۔ جنوں کے تھا وہ بادشہ کا پسر

نہایت طرحدار صاحب جمال ۔۔ برس بیس اکیس کا سن و سال

ہوا پر اُڑاے ہوے اپنا تخت ۔۔ کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت

وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ ۔۔ اُسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ

یکایک سنی بین کی جو صدا ۔۔ وہاں تخت لا اُس نے اپنا رکھا

جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشک حور ۔۔ کہ چشم فلک نے نہ دیکھا یہ نور

[1] ہوا بندھنا۔ سماں بندھنا ۱۲ آسی

شب و روز سرگشتہ مثل صبا
اسی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقیِ گلعذار
کہ صحرا سے اب دل ہوا خار خار

کوئی پھول سی دے شتابی شراب
کہ شہرِ مطالب کو پہونچوں شتاب

وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو
کہ جینے کی بیمار کے آس ہو

مسبب کے اسباب دیکھو ذرا
کہ قدرت میں اس کی ہے کیا کیا بھرا

سفید و سیہ اُس کے ہے اختیار
بنایا ہے اُس نے یہ لیل و نہار

جہاں میں ہے اندوہ و عشرت بہم
کہیں صبحِ عیش و کہیں شامِ غم

دورنگی زمانے کی مشہور ہے
کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے

قضارا سُہانا سا اک وقت تھا
کہ اک شب ہوا اس کا واں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شبِ چار دہ
ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشکِ مہ

بچھی ہر طرف چادرِ نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی

بچھا مرگ چھالا[1] کے اور لیکے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین

کدارا[2] بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں

کدارا یہ بجنے لگا اس کے ساتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لیکے ساتھ

[1] مرگ چھالا۔ ہرن کی کھال جسے اکثر جوگی وغیرہ بچھاتے ہیں ۱۲ [2] کِدارا۔ ایک راگ کا نام ۱۲

بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں

وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے

درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

وہ یا یہ کہ جوگن کا منہ دیکھ کر
ہوا نور سایہ کا ٹکڑے جگر

گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل
گئے سایہ و نور آپس میں مل

وہ صورت خوش آئی جو اُس نور کی
دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی

ہوا بندھ[1] گئی اس گھڑی اس اصول
بسیرا گئے جانور اپنا بھول

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی وجد میں بولنے واہ وا

کدارے کا عالم تھا یہ اُس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

یہاں تو یہ عالم تھا اور طور یہ
تس اوپر مزا تم سنو اور یہ

کہ تھا اک پریزاد فرخ سیر
جنوں کے تھا وہ بادشہ کا پسر

نہایت طرحدار صاحب جمال
برس بیس اکیس کا سن و سال

ہوا پر اُڑاے ہوے اپنا تخت
کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت

وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ
اُسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ

یکایک سنی بین کی جو صدا
وہاں تخت لا اُس نے اپنا رکھا

جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشک حور
کہ چشم فلک نے نہ دیکھا یہ نور

[1] ہوا بندھنا۔ سماں بندھنا ۱۲ آسی

نظر کر کے حسن اس کا غش کر گیا
تعشق کے عالم میں بس مر گیا

یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے
لگا کہنے جوگی جی آدیس[1] ہے

بڑا تم پہ ایسا کہو کیا بجوگ[2]
لیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ

کدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے
دیا[3] اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے

وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا ادھر
کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر

خس و خار ہے عشق حسن آگ ہے
سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے

ولے راگ ہے اور ان میں ہوا
کہ دونوں طرف آگ دے ہے لگا

کہا ہنس کے جوگن نے ہر[4] بول ہر
جہاں سے تو آیا چلا جا ادھر

کہا تب پریزاد نے واہ جی
بہت گرم[5] ہیں آپ اللہ جی

نہ روکھی[7] ہو اتنا بھلا جاؤں گا
ذرا بین سنکر چلا جاؤں گا

کہا ہوتے[6] سوتے سے اپنے کہو
فقیروں کو چھیڑو نہ بیٹھے رہو

یہ دو دو لطیفے جو باہم ہوئے
اسی لطف میں یہ تو بیدم ہوئے

گیا بیٹھ آ سامنے ریت میں
رہا کھیت یہ تو اسی کھیت میں

نظر حسن پر گاہ گہ بین پر
سراپا دل اس لعبت چین پر

رہا تن بدن کا نہ کچھ اس کو ہوش
بنا گل وہ جوں نقش پا چشم و گوش

وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر
ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر

[1] سلام۔ حکم ۱۲ [2] مصیبت۔ جدائی ۱۲ [3] دیا۔ رحم کرنا۔ مہربانی ۱۲ [4] ہر بول ہر یعنی خدا خدا کر ۱۲ [5] گرم۔ مراد تیز طرار ۱۲ [6] ہوتے سوتے کو کہنا عزیزوں کے حق میں برا کہنا ۱۲ [7] نہ روکھی ہو۔ یعنی بدخلقی نہ کرو ۱۲ آسی

نہ سدھ[1] گھر کی لی اور نہ لی راہ کی
جب آئی ذرا سدھ تو پھر آہ کی

بجاتی رہی بین وہ صبح تک
یہ رویا کیا سامنے بیدھڑک

ادھر تان پر بین کی تھی بہار
بندھا تھا ادھر اس کے رونے کا تار

دھری اپنے کاندھے پہ جب اس نے بین
اٹھی لے کے انگڑائی زہرہ جبین

پریزاد نے تب پکڑ اس کا ہاتھ
شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ

زمیں سے اڑا آسماں کے تئیں
وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں

نہ مانا اور اس نے اڑایا اسے
پرستان میں لا کر بٹھایا اسے

یہ مژدہ گیا باپ پاس اپنے لے
کہا عرض رکھتا ہوں میں آپ سے

یہ جوگی جو ہیں ایک صاحب کمال
ذرا بین سنیے اور ان کے خیال

بہت آپ ان سے اٹھائیں گے حظ
بہت بین سن ان کی پائیں گے حظ

کہا اس نے بابا بہت خوب ہے
ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے

کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر
کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر

کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے
سروں پر ہمارے قدم آپ کے

بہت اس کی تعظیم و تکریم کی
جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بلانے میں

پلا مجھ کو ساقی محبت کا جام
کہ مہمانیوں میں ہوا دن تمام

یہ جوگن جو بیٹھی بروگن[2] ہوئی
کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی

[1] سدھ۔ خبر ہوش ۱۲ آسی [2] فرقت زدہ ۱۲

نظر کر کے حسن اس کا غش کر گیا / تعشق کے عالم میں بس مر گیا
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے / لگا کہنے جوگی جی آدیش۱؎ ہے
بڑا تم پہ ایسا کھو کیا بجوگ۲؎ / لیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ
کدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے / دیا۳؎ اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے
وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا ادھر / کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر
خس و خار ہے عشق حسن آگ ہے / سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے
ولے راگ ہے اور ان میں ہوا / کہ دونوں طرف آگ دے ہے لگا
کہا ہنس کے جوگن نے ہر بول ہر۴؎ / جہاں سے تو آیا چلا جا ادھر
کہا تب پریزاد نے واہ جی / بہت گرم۵؎ ہیں آپ اللہ جی
نہ روکھی ہو اتنا بھلا جاؤں گا / ذرا بین سنکر چلا جاؤں گا
کہا ہوتے سوتے سے اپنے کہو / فقیروں کو چھیڑو نہ بیٹھے رہو
یہ دو دو لطیفے جو باہم ہوئے / اسی لطف میں یہ تو بیدم ہوئے
گیا بیٹھ آسامنے ریت میں / رہا کھیت یہ تو اسی کھیت میں
نظر حسن پر گاہ گہ بین پر / سراپا دل اس لعبت جبین پر
رہا تن بدن کا نہ کچھ اس کو ہوش / بنا گل وہ جوں نقش پا چشم و گوش
وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر / ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر

۱؎ سلام۔ حکم ۱۲ ۲؎ مصیبت۔ جدائی ۱۲ ۔ ۳؎ دیا۔ رحم کریا۔ مہربانی ۱۲ ۴؎ ہر بول ہر یعنی خدا خدا کر ۱۲ ۵؎ گرم۔ مراد تیز طرار ۱۲ ۶؎ ہوتے سوتے کو کہنا عزیزوں کے حق میں برا کہنا ۱۲ ۷؎ نہ روکھی ہو۔ یعنی بدخلقی نہ کرو ۱۲ ۔ آسی

نہ سدھ۱؎ گھر کی لی اور نہ لی راہ کی / جب آئی ذرا سدھ تو پھر آہ کی
بجاتی رہی بین وہ صبح تک / یہ رویا کیا سامنے بیدھڑک
ادھر تان پر بین کی تھی بہار / بندھا تھا ادھر اس کے رونے کا تار
دھری اپنے کاندھے پہ جب اس نے بین / اٹھی لے کے انگڑائی زہرہ جبین
پریزاد نے تب پکڑ اس کا ہاتھ / شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ
زمیں سے اڑا آسماں کے تئیں / وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں
نہ مانا اور اس نے اڑایا اسے / پرستان میں لا کر بٹھایا اسے
یہ مژدہ گیا باپ پاس اپنے لے / کہا عرض رکھتا ہوں میں آپ سے
یہ جوگی جو ہیں ایک صاحب کمال / ذرا بین سنیے اور ان کے خیال
بہت آپ ان سے اٹھائیں گے حظ / بہت بین سن ان کی پائیں گے حظ
کہا اس نے بابا بہت خوب ہے / ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے
کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر / کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر
کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے / سر و پر ہمارے قدم آپ کے
بہت اس کی تعظیم و تکریم کی / جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بلانے میں

پلا مجھ کو ساقی محبت کا جام / کہ مہمانوں میں ہوا دن تمام
یہ جوگن جو بیٹھی برہ۲؎ جوگن ہوئی / کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی

۱؎ سدھ۔ خبر ہوش ۱۲ ۔ آسی ۲؎ فرقت زدہ ۱۲

بھبھوت اپنے منہ پر شتابی سے مل   رکھا انڈوے[1] کو سر پہ شب آئی نکل
دکھاتی ہوئی سوز دل دور سے   اُڑاتی ہوئی مہ دل کو نور سے
ستاروں کے مالے گلے بیچ ڈال   وہ پہونچی پرستان میں حال حال[2]
ہوئی شب کو وہ بزم انجم فروز   چھپا رشک سے اُس کے پردے میں روز
ملک نے پرستان میں مجلس بنا   بُلایا اُسے جس کی تھی یہ ثنا
پریزاد سارے ہوئے جمع واں   کہ دیکھیں تو جوگن کا چل کر سماں
وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ جبیں   سو مجلس میں آئی لیے اپنی بین
بہت منتوں سے بلایا اُسے   بڑی عزتوں سے بٹھایا اُسے
کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے   سماں بین کا ہم کو دکھلائیے
کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام   ہر اک طرح لینا ہمیں ہر[3] کا نام
ہے بیزار فرمایشوں سے فقیر   ولے کیا کریں اب ہوئے ہیں اسیر
کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے   کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے
جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں   نہیں جس میں راضی ہو تم سو کریں
کہا اس طرح سے جو فرماؤ گے   تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے
یہ کہہ اُس نے اور بین کاندھے پہ دھر   یہاں تک بجائی کہ دیوار و در
کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے ہوئے   نظر جو پڑے واں سو روئے ہوئے
گیا اہل مجلس کا جو دل پگھل   تو جوں شمع اشک آئے سب کے نکل
ہوئیں بین پر انگلیاں یوں دواں   کہ ہاتھوں سے اُس کے ہوا دل رواں

[1] انڈوا - گول حلقہ جو جوگی سر پر رکھتے ہیں ۱۲ [2] حال حال - جلد جلد ۱۲ [3] ہر - خدا ۱۲ - آسی

رواں و دواں کر دیا جان کو   رُلایا ہر اک جن و انسان کو
ہوا حال پر اُس کا یہ کچھ تباہ   وہ عاشق جو تھا اُس پہ فیروز شاہ
کبھی سامنے آ کے کرتا نظر   کبھی دیکھتا چھپ کے ایدھر اُدھر
ستوں کے کبھی اوٹ میں ہو کے وہ   کھڑا دیکھتا اُس کو رو رو کے وہ
کبھی ایدھر اُدھر سے پھر پھر کے آ   چھپے اُس کے مکھڑے کی لیتا بلا
وہ گو کچھ نہ تھی سنتی نہ کہتی اُسے   کنکھیوں سے پر دیکھ رہتی اُسے
نظر اُس کی جب آن پڑتی اُدھر   تو یہ اور کی طرف کرتی نظر
اس آن و ادا پر وہ فیروز شاہ   دل و جان سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ
اگر کوئی جوگن کی کرتا ثنا   تو کھا رشک کہتا کہ پھر تم کو کیا
غرض تھی یہ صحبت کہ میں کیا کہوں   یہی دل تھا اس کا کہ دیکھا کروں
بجی پہلی صحبت میں واں ایسی بین   کہ غش کر گئے وے جو تھے نکتہ چین
سراہا پریزاد کے باپ نے   کہا کیا دیا جوگی جی آپ نے
اسی طرح ہر شب کرم کیجیے   مری بزم رشک ارم کیجیے
مقدم ہمارا رجھانا[1] کرو   ہمیں اپنا مشتاق جانا کرو
یہ گھر بار ہے آپ کا ہی تمام   ہوئے آج سے ہم تمہارے غلام
تکلف کو موقوف کر دیجیے   جو کچھ تم کو درکار ہو لیجیے
کہا اس نے مطلب نہیں کچھ ہمیں   تمہارا مبارک رہے گھر تمہیں
کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ   یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ

[1] رجھانا - متوجہ کرنا - ریجھانا ۱۲ - آسی

یہ کہہ واں سے اُٹھی وہ جوگن اُدھر   دیا تھا جہاں اُس کے رہنے کو گھر
لگی رہنے اُس میں شب و روز وہ   سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ
کہا اپنے جی سے کہ سنتا ہے جی   نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی
بہ بینم کہ تا کردگار جہاں   دریں آشکارا چہ دارد نہاں[1]
غرض اس طرح اُس کا معمول تھا   کہ اُس شاہ پریوں کی خدمت میں جا
پہر رات تک ہنستی اور بولتی   ہر اک بات میں قند تھی گھولتی
بجا بین سب کو رجھاتی تھی وہ   پہر کے بجے گھر میں آتی تھی وہ
ولے کیا کہوں حال فیروز شاہ   کہ تھی دن بدن اُس کی حالت تباہ
نہ دنیا کی اُس کو نہ دیں کی خبر   اُسی کے تصور میں شام و سحر
اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے   پتنگے کے مانند گرنا اُسے
بہانے سے ہر کام کے روز و شب   وہیں کاٹنی اُس کو اوقات سب
اسی طرح اوقات کھونا اُسے   سدا بین سن سن کے رونا اُسے
وہ جوگن بھی سو سو طرح کر ادا   ہر اک تان میں اُس کو لیتی لُبھا
ولے کچھ بھی پاتی جو حسن طلب   تو عاشق پہ غصہ وہ کرتی غضب
کبھی خوش کیا اور کیا گہ اُداس   کبھی دور بیٹھی کبھی اُس کے پاس
کیا اُس نے پردے میں جب کچھ سوال   دوانہ کیا اُس کو باتوں میں ڈال
کبھی تیکھی نظروں سے گھائل کیا   کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا
کبھی ٹیڑھی باتوں سے مارا اسے   کبھی سیدھے دل سے پکارا اسے

[1] دیکھوں کہ جہاں کا مالک اس پردہ میں کیا بات چھپائے ہوئے ہے ۱۲ - آسی

کبھی ہنس کے دیکھا ذرا خوش کیا   کبھی ہو کے غمگین ناخوش کیا
کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی   کبھی مار ڈالا جلایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا   کبھی ساتھ بالوں کے سٹکا[1] دیا
وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی   پہ نظروں میں دل کو بھاتی رہی
بچارا پریزاد وہ سادہ دل   ادائیں یہ انسان کی مستقل
اسی طرح مدت گئی جب اُسے   چڑھی گرمیٔ عشق کی تب اُسے
نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور   کئی دن[2] میں دل ہو گیا چور چور
جگر خوں ہوا آنکھوں سے آیا ابل   گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل
یہ دی پردۂ دل سے جی نے صدا   کہ ہے صبر کی اپنے اب انتہا
جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ حال دل   کہ اب تنگ ہے اپنا احوال دل
سنبھلنا ہے اب بھی تو ظالم سنبھل   نہیں کوئی دم میں چلا میں نکل
ملا کر تو اب دست افسوس کو   پڑا رہ لیے ننگ و ناموس کو
یہ سن جی کا پیغام مجبور ہو   کہا اپنے نزدیک گو دور ہو
بلا سے اگر آن[3] رہتی نہیں   کہ اب بن کہے جان رہتی نہیں
غرض ایک دن بات یہ ٹھان کر   لگا گھات[4] پر اپنی وہ آن کر
نہ تھا اُس گھڑی کوئی ایدھر اُدھر   اکیلی پڑی اُس کو جوگن نظر
اکیلی اُسے دیکھ ہو بے قرار   گرا پاؤں پر اُس کے بے اختیار

[1] سٹکنا - بھاگ جانا - سٹکانا - متعدی ۱۲ [2] مراد تھوڑی سی مدت ۱۲ [3] آن - عزت آبرو - عہد - وضع ۱۲ [4] گھات - داؤ - موقع ۱۲ - آسی -

گرا اس طرح سے قدم پر جو وہ
تو کہنے لگی مسکرا اُس کو وہ

کہ ہے آج یہ کیا خلاف قیاس
گرا اتنا تو ہو کے کیوں بے حواس

کسی نے ترا دل ستایا کہیں
دیا جی کو تیرے لبھایا کہیں

مرے بیٹھنے سے اذیت ہوئی
کہ بھائیوں کی مصیبت ہوئی

فقیروں سے اتنا نہ ہو تو خفا
چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا

اذیت مگر ہم سے پاتا ہے تو
کہ اب پاؤں پڑ پڑ اُٹھاتا ہے تو

لگا کہنے رو رو کے فیروز شاہ
کہ بس بس یہی تو کہو گی نہ واہ

تمھاری سمجھ نے تو مارا ہمیں
یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں

ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا
جلے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا

ہوئیں تم نہ واقف مرے حال سے
فدا میں رہا جان اور مال سے

تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے
بھلا تم کو اب یاں کوئی کیا کہے

تم ایسی ہی بے رحم و بے درد ہو
غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو

کہا اُس نے کہہ شتاب اپنا حال
کہ تو کیوں گرا سر کو پاؤں میں ڈال

کہا تب پریزاد نے میری جاں
کہاں تک کروں راز دل کا نہاں

بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول
غلامی میں اپنی مجھے کر قبول

لگی ہنس کے کہنے کہ اک طور سے
جو میری کہانی سنے غور سے

مطالب اگر میرے بر لائے تو
تو شاید مراد اپنی بھی پائے تو

کہا اُس نے پھر جلد فرمائیے
جو کچھ آپ سے ہو بجا لائیے

کہا اُس نے یہ ہے مری داستاں
کہ شہر سراندیپ ہے اک مکاں

ملک ایک واں کا ہے مسعود شاہ
کہ بیٹی ہے ایک اُس کی مانند ماہ

جہاں میں ہے بدر منیر اُس کا نام
میں رہتی تھی خدمت میں اُس کی مدام

بنایا تھا اُس نے الگ ایک باغ
کہ فردوس کا تھا وہ چشم و چراغ

جدا باپ سے تھی وہ اُس جا مقیم
سدا سیر کرتی تھی بے خوف و بیم

میں نجم النسا اس کی دختِ وزیر
ہمیشہ سے ہمراز تھی اور مُشیر

جدا ایک دم اُس سے ہوتی نہ تھی
سُلائے بغیر اُس کے سوتی نہ تھی

خوشی سے سروکار غم سے فراغ
برنگِ چمن رہتی تھی باغ باغ

کسی طرح کا غم نہ تھا دھیان میں
ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں

ہوئی ایک دن یہ عجب واردات
کہ اک شخص وارد ہوا ایک رات

کہاں تک کہوں اُس کا قصہ ہے دور
نہ تھا آدمی نور کا تھا ظہور

گیا اُس پہ اُس شاہزادی کا دل
گئے کچھ دنوں میں وہ آپس میں مل

ولے عاشق اُس پر تھی کوئی پری
محبت میں تھی اس کی وہ بھی بھری

کہیں واں کے آنے کی سن کر خبر
خدا جانے پھینکا ہے اس کو کدھر

دیا قید میں اُس کو ڈالا کہیں
کہ مدت سے اس کی خبر کچھ نہیں

سو میں کھوج میں اُس کے جوگن ہوئی
یہاں تک تو پہنچی بروگن[1] ہوئی

پریزاد آپس میں تم ایک ہو
اگر تم ذرا کھوج اس کا کرو

تو شاید مدد سے تمھاری ملے
تو پھر آرزو بھی ہماری ملے

دل آباد ہو جی کو آرام ہو
تمھارا بھی اس کام میں کام ہو

[1] بروگن - فراق زدہ ۱۲

کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا — انگوٹھا دکھایا کہ اترا نہ جا
کہا پھر یہی کچھ نہیں مہ جبیں — لگی ہنس کے کہنے نہیں رے نہیں
یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا — تقید سے سب کو بلا کر کہا
کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کرو مت کمی — کہ ہے اک پرستاں میں قید آدمی
جو تم میں سے لاوے گا اُس کی خبر — جواہر کے دوں گا لگا اُس کے پر
یہ سن اپنے سردار کا سب کلام — تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام
ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر — جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر
وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے — تو کچھ اُس کو آئی صدا چاہ سے
کہا کچھ تو ملتا ہے یاں سے سراغ — کہ آتی ہے یاں بوے گلزار داغ
وہ چوکی کے جو دیو تھے جا بجا — لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا
کہا ماہ رخ کا ہے قیدی یہاں — کنوئیں میں تڑپتا ہے اک نوجواں
وہ تحقیق کر اور لے واں کا بھید — اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید
کیا جا کے فیروز شہ کو سلام — سُن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام
کہا میرا مجرا ہے اب لائیے — جو دینا کہا ہے سو دلوائیے
جو معمول تھا واں کے انعام کا — جواہر کے اُس کو دیے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہرخ کو

یہ بھیجا پھر اس ماہرخ کو پیام — کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام

له ٹھینگا دکھانا۔ بے ادائی جتانا۔ چڑھانا ۱۲-آسی مله مجرا-ادب سے سلام کرنا ۱۲-آسی

بنی آدموں کو تو چوری سے لا — بٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتا
ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال — تو کیا حال ہو تیرا اے چھنال
عزیزا پنی رکھتی نہیں جان کو — یہی ہے کہ پھونکوں پرستان کو
ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں — تجھے کیا پریزاد جتّرتا نہیں
ہمارا گئی بھول خوف و خطر — لگی رکھنے انسان پر تو نظر
بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال — کنوئیں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال
اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں — لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں
گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب — ہوئی خوف سے وہ پریشان تب
کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی — کہو اُس کو لے جائے یاں سے کوئی
اگر اب میں لاگو ہوں اُس کی کبھی — تو پھر پھونک دیجو مجھے تم ابھی
پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو — کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو
مرے باپ کو تئیں نہ ہووے خبر — کہ پھر میں نہ ادھر کی ہوں نے اُدھر
یہ سنکر جواب اُس کا فیروز شاہ — چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ
سر چاہ پر جب وہ پہونچا شفیق — کہا اُن کو تھے وہ جو اُس کے رفیق
کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے ہلے — کسی طرح چھاتی سے پتھر ملے
کھڑے تھے جو دیو واں جوں پہاڑ — انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ
وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ راہ — دیا پھینک واں سے اُسے مثل کاہ
وہ بادل سا سر کا جو اُس چاہ سے — تو اک نور چمکا شب ماہ سے

له سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں رکاوٹ ہو ۱۲-آسی

کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا — انگوٹھا دکھایا کہ اترا نہ جا
کہا پھر یہی کچھ نہیں مہ جبیں — لگی ہنس کے کہنے نہیں رے نہیں
یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا — تقید سے سب کو بلا کر کہا
کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کرو مت کمی — کہ ہے اک پرستاں میں قید آدمی
جو تم میں سے لاوے گا اُس کی خبر — جواہر کے دوں گا لگا اُس کے پر
یہ سن اپنے سردار کا سب کلام — تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام
ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر — جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر
وہ روتا جو تھا نالۂ و آہ سے — تو کچھ اُس کو آئی صدا چاہ سے
کہا کچھ تو ملتا ہے یاں سے سراغ — کہ آتی ہے یاں بوے گلزار داغ
وہ چوکی کے جو دیو تھے جا بجا — لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا
کہا ماہ رخ کا ہے قیدی یہاں — کنویں میں تڑپتا ہے اک نوجواں
وہ تحقیق کر اور لے واں کا بھید — اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید
کیا جا کے فیروز شہ کو سلام[2] — سُن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام
کہا میرا مجرا[3] ہے اب لائیے — جو دینا کہا ہے سو دلوائیے
جو معمول تھا واں کے انعام کا — جواہر کے اُس کو دیے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہ رخ کو

یہ بھیجا پھر اس ماہ رخ کو پیام — کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام

[1] ٹھینگا دکھانا۔ بے ادائی جتانا۔ چڑھانا ۱۲-آسی [2] [3] مجرا۔ ادب سے سلام کرنا ۱۲-آسی

بنی آدموں کو تو چوری سے لا — بٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتا
ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال — تو کیا حال ہو تیرا پھر اے چھنال
عزیز اپنی رکھتی نہیں جان کو — یہی ہے کہ پھونکوں پرستان کو
ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں — تجھے کیا پریزاد جُھڑتا نہیں
ہمارا گئی بھول خوف و خطر — لگی رکھنے انسان پر تو نظر
بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال — کنویں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال
اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں — لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں
گیا ماہ رخ کو یہ فرمان جب — ہوئی خوف سے وہ پریشان تب
کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی — کہو اُس کو لے جائے یاں سے کوئی
اگر اب میں لاگو ہوں اُس کی کبھی — تو پھر پھونک دیجو مجھے تم تبھی
پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو — کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو
مرے باپ کو تئیں نہ ہووے خبر — کہ پھر میں نہ ادھر کی ہوں نے اُدھر
یہ سنکر جواب اُس کا فیروز شاہ — چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ
سر چاہ پر جب وہ پہونچا شفیق — کہا اُن کو تھے وہ جو اُس کے رفیق
کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے ہلے — کسی طرح چھاتی سے پتھر ٹلے
کھڑے تھے جو دیواں جوں پہاڑ — انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ
وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ راہ[1] — دیا پھینک واں سے اُسے شل کاہ
وہ بادل سا سرکا جو اُس چاہ سے — تو اک نور چمکا شب ماہ سے

[1] سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں رکاوٹ ہو ۱۲-آسی

اندھیرے سے اس چاہ کے اسکا تن / نظر یوں پڑا جیسے کالے کا من
وہ من ڈالے اُس میں پڑا تھا جواں / کہا اُس پریزاد نے سب کو ہاں
نکالو امانت ابھی اس نمط / کہ لیتے ہیں بو مشک سے جس نمط
تمھیں احتیاط اس کی اب ہے ضرور / سمجھیو اسے اپنی پتلی کا نور

داستان کنویں سے نکلنے میں بے نظیر کے

قدح بھر کے لا ساقی باتمیز / کنویں سے نکلتا ہے یوسف عزیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار / مے لالہ گوں سے دکھا لالہ زار
گلابی چھلکتی پلادے مجھے / سماں کوئی ایسا دکھادے مجھے
کہ وہ ماہ نخشب[1] کنویں سے نکل / منازل کو اپنے بھرے برمحل
کوئی دیو تھا واں سکندر نژاد / کنویں میں اُتر کر بحسب مراد
الگ یوں لے آیا کنویں سے نکال / کہ فوارہ جوں آب کو دے اُچھال
لے آیا وہ جوں خضر سوگھات سے / نکال آب حیواں کو ظلمات سے
ہوئی مست اس نازبو سے وہ کل / کہ نکلا وہ سنبل سے مانند گل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں / کہ حرفوں سے جوں ہوویں معنی عیاں

[1] ماہ نخشب نخشب ماوراءالنہر کے ایک شہر کا نام جو شہر سبز کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک حکیم ابن عطا نے جو ابن مقنع کے نام سے مشہور ہے۔ پارہ وغیرہ سے ایک چاند بنایا تھا۔ اور وہ چاند دو ماہ تک ہر رات کو کنویں سے نکلتا تھا۔ یہ کنواں بائیں کوہ سیام میں واقع تھا اس چاند کی چیاد فرسنگ تک روشنی ہوتی تھی یہ کنواں جس سے چاند نکلتا تھا نخشب سے دو فرسنگ پر واقع تھا۔

وہ جیتا تو نکلا دلے اس طرح / کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
زبس اوپر آنے کا تھا اُس کو غم / کہے تو کہ بھرتا تھا اوپر[1] کا دم
جمی خاک تن پر برنگ زمیں / گڑا جیسے نکلے ہے پُتلا کہیں
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں / کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں
وہ تن سرخ جو تھا سو پیلا ہوا / وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اُس کے سنبل سے بال / ہوئے لاغری سے بدن کی وبال
فقط پوست باقی تھا اور استخواں / نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں
بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود / کہ اُلجھی ہو جوں ریسمانِ کبود
بدن خشک و زرد اس طرح تھا وہ گل / خزاں دیدہ ہو جس طرح برگ گل
وہ ناخن جو تھے اُس کے مثل ہلال / سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدر کمال
یہ دیکھا جو احوال اُس کا تباہ / تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ
بٹھا تخت پر اپنے اُس کو وہاں / لے آیا وہ بیٹھی تھی جوگن جہاں
رکھا تخت اک جا پہ اُس کا چھپا / کہا پھر یہ جا کر کہ نجم النسا
چل اب تو کہ میں اُس کو لایا یہاں / یہ سنتے ہی گھبرا کے بولی کہاں
دوانی تھی از بس وہ اُس نام[2] کی / نہ سر کی رہی سُدھ نہ کچھ پانوں کی
کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے / ذرا اُس کی صورت دکھا تو مجھے
کنارہ سے چلیو ذرا تھم رہو / کہ شادی بڑی ہے کہیں غم نہ ہو
یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ / لے آیا وہ جوگن کو واں ساتھ ساتھ

[1] اوپر کا دم بھرنا مراد آخری سانسوں سے ۱۲۔ آسی [2] نام ۱۲۔ آسی

گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور ۔ دکھایا اُسے اور کہا کر تو غور
جسے ڈھونڈھتی تھی سو یہ ہے وہی ۔ کہا ہاں ارے ہاں یہ وہی ہے وہی
یہ کہہ اور اُس تخت کے پاس آ ۔ کہا اے پریزاد تو اُٹھ ذرا
کر اس تخت کے گرد اک دم پھروں ۔ بلائیں میں دل کھول کر اس کی لوں
کہا اُس نے ہنس کر بھلا دیکھ تو ۔ تو اس بات پر میرے صدقے بھی ہو
کہا اُس نے تب اپنی جوتی دکھا ۔ ارے دیو تو کیوں دوانہ ہوا
غرض وہ پریزاد نیچے اُتر ۔ کھڑا ہو گیا تخت سے ہو اُدھر
یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی ۔ بلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی
گلے لگ کے رونے لگی زار زار ۔ کیا اپنے تن من کو اُس پر نثار
وہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بے نظیر ۔ تو نجم النسا ہے یہ دختِ وزیر
کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ ۔ کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ
کہا تیرے غم نے دوانہ کیا ۔ کہ عالم سے اپنے بگانہ کیا
بغل کھول کر دونوں آپس میں مل ۔ وے رویا کیے دیر تک متصل
بیان اپنا دونوں جو کرنے لگے ۔ دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگے
کہی سرگذشت اُس نے اُس دم تلک ۔ کہ اس طرح پہونچے ہو تم ہم تلک
یہ سُن بینظیر اپنے دلسوز سے ۔ لگا شاد ہونے اُسی روز سے
کیا ایک دن تو اُنھوں نے مقام ۔ چلے دوسرے دن وہ نزدیک شام
اُسی تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر ۔ کہ تھا نقشِ مطلوب اُن کا جدھر
وہ جوگن وہ فیروز شاہ اور وہ ماہ ۔ چلے تخت پر بیٹھ اوپر کی راہ

پڑھے حرفِ مطلب زبس سوچ کر ۔ تو بے کسر بیٹھے مثلث کے گھر
مربع نشیں تھی جو بدر منیر ۔ وہاں اُس کو لائی وہ دختِ وزیر
اُتارا وہیں لا درختوں میں تخت ۔ دوبارہ کھلے اُن درختوں کے بخت
اکیلی اُتر واں سے آئی ادھر ۔ لیے سوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر
یکایک جو آ وہ قدم پر گری ۔ تو جھجکی وہ شہزادی اور کچھ ڈری
پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ ۔ مرے درد و غم کی بروگن ہے یہ
کہا میری نجم النسا تو ہے جاں ۔ اری تیرے صدقے مری مہرباں
ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی ۔ کہ جینے سے اپنے ہمیں یاس تھی
بہت اُس نے چاہا کہ ہووے کھڑی ۔ کھڑی ہوتے ہوتے وہیں گر پڑی
کہا بارِ غم سے افاقت نہیں ۔ اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں
بلائیں لگی لینے نجم النسا ۔ لگی گرد پھرنے برنگِ صبا
اُسے شاہزادی کا تھا حال یاد ۔ جو تو دیکھا تو یاں اُس سے کچھ ہے زیاد
نہ گھر کی وہ رونق نہ اُس کا وہ حال ۔ گلوں سے لگا دل تلک پائمال
پڑے سارے بے داشت دیوار و در ۔ محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
خواصیں جو تھیں پاس وہ نازنیں ۔ سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں
نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درست ۔ جو چالاک تھی بن گئی وہ بھی سست
ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو دنگ ۔ اُڑا رنگ چہرے کا مثلِ پتنگ
نہ آپس کی چہلیں نہ وہ چہچہے ۔ نہ گانا بجانا نہ وہ قہقہے
غم آلودہ ہر ایک زار و نزار ۔ نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار

غم آلودہ ہر ایک زار و نزار — نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
جو بیٹھیں تو رونا جو اُٹھیں تو غم — غرض بیٹھتے اُٹھتے اُن پر ستم
چمن سارے ویران سے ہیں پڑے — شجر گل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے
جو خود ہے تو حیران و بیمار سی — کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی
نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس — ضعیف و نحیف و پریشاں اُداس
یہ دیکھ اُس کا احوال نجم النسا — جلی شمع کی طرح آنسو بہا
و لیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم — کیا مثل پروانہ اُس پر ہجوم
سنی ایک نے ایک سے یہ خبر — مبارک سلامت ہوئی یک دگر
کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی — کوئی دوڑ کر اُس سے ملنے لگی
ٹکے کوئی صدقے کے لانے لگی — کوئی سر سے روٹی چھوانے لگی
کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی — اِدھر سے کوئی اور اُدھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی — لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
ہوا سر پہ اُس کے زبس اژدہام — لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہا بیبو کل کہوں گی میں حال — کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال
وہ انبوہ جب کچھ ہوا برطرف — تو پھر دیکھ نجم النسا ہر طرف
کہا شاہزادی تو آتی نہیں — اِدھر اپنی تشریف لاتی نہیں
چلو یہ چل کے آرام ٹک کیجیے — کچھ اک تم سے کہنا ہے سن لیجیے
گئی جب کہ خلوت میں بدر منیر — کہا میں لے آئی ترا بے نظیر
یہ سن ایک دم تو وہ غش کر گئی — کہے تو کہ حیرت میں آ مر گئی

تعجب سے پوچھا کہ سچ مچ ہے یہ — دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ
کہا مجھ کو سوگند اس جان کی — غلط کہنے والی میں قربان کی
نشاط و خوشی کی خبر یک بیک — نہیں منہ پہ کہہ بیٹھتے بے دھڑک
کہا کیونکہ لائی کہا اس طرح — وہ سب کہہ دیا حال تھا جس طرح
ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں — اور اک اور بندھوا اڑا لائی ہوں
کہا پھر وہ دونوں کہاں ہیں کہا — درختوں میں اُن کو رکھا ہے چھپا
عجب وقت میں ہیں ہوئی تھی جدا — کہ دلبر کو تیرے دیا لا ملا
مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی — کہ میں تیری خاطر بلا میں پھنسی
سو اب ایک کو تو لے آتی ہوں میں — ہوا دوسرے کو بتاتی ہوں میں
یہ سُن شاہزادی ہنسی کھلکھلا — کہا کیوں اُڑاتی ہے نجم النسا
اری ایک ہی تو بڑی قہر ہے — کہیں تو ہے امرت کہیں زہر ہے
چل اب جو چلے بس زیادہ نہ کر — شتابی اُنھیں جا کے لے آ ادھر
کہا پھر پریزاد کے رو برو — بغیر از کسی کے کہے ہو گی تو
کہا وہ تو ایسا دوانا نہیں — وہ اس بات کو کیا کہے گا نہیں
اگر دل میں کچھ تیرے وسواس ہے — نہیں دور وہ بھی ترے پاس ہے
ذرا پوچھ لیجیو تو اس بات کو — کہ وہ رو برو اُس کے ہو یا نہ ہو
یہ سنکر شتابی گئی وہ نگار — لیا جا کے آہستہ اُن کو پکار
چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں — وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکاں

لہ بندھوا - قیدی - پابند - اسیر ۱۲ آسی لہ ہوا بتانا - ٹالنا - فریب دینا ۱۲ لہ امرت - آبِ حیات ۱۲ آسی

پھر اُس سے یہ پوچھا کہ اے بے نظیر / کہے تو چلی آئے بدر منیر
کہا خیر ہے تجھ کو رشکِ چمن / چھپے ہے کہیں بھائی سے بھی بہن
مرا جان و مال اُس پہ قربان ہے / کہ اس کے سبب سے مری جان ہے
مرا یہ تو ہمدم ہے دن رات کا / مجھے اس سے پردہ ہے کس بات کا

داستان بے نظیر اور بدر منیر کے ملنے کی اور اس کے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے منہ سے ساقی ملا دے شراب / کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب
یہ سن سن کے باتیں وہ پردہ نشیں / چلی آئی اک ناز سے نازنیں
حیا سے پھر آ کر جو بیٹھی وہ پاس / پھر آہی گئے اُس کو ہوش و حواس
اُدھر اشک خونیں ادھر چشم نم / اُسے اُس کا غم اور اسے اُس کا غم
نہ وہ انگ اس کا نہ وہ اُس کا حال / تن زرد زرد اور رخ لال لال
بہم دو خزاں دیدہ گلزار سے / ملے جیسے بیمار بیمار سے
عجب صحبت آپس میں اُس دم ہوئی / کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ / حیا سے کیے اپنی نیچی نگاہ
سرشک محبت بہانے لگے / اس احوال پر حیف کھانے لگے
اودھر اس طرف کو شاہزادہ نڈھال / لگا رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر / لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر
چھپا منہ کو اس طرف سے نازنیں / لگی کرنے تر دامن و آستیں

پڑیں غم کی باتیں جو آ درمیاں / یہ روئی کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں
غرض دیر تک مل کے روتے رہے / جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے
رخ زرد پر اشک گلگوں بہا / بہار و خزاں کو کیا ایک جا
کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار / سو آنکھوں سے اُن کی دکھائی بہار
پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر / لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر
کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا / زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا
مگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم / کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم
ذرا تن میں آنے دے اس کے تواں / ابھی اس کو رونے کی طاقت کہاں
یہ مُردہ بھلا لائی ہوں میں اس لیے / کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے
وہاں میں نے اس کی نہیں کی دوا / کہ ہے خانۂ یار دار الشفا
لے آئی ہے اس کو محبت کی دھن / جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سُن
اسے وصل کی اپنے دارو پلا / کسی طرح اس نیم جاں کو جلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو / خدا پھر نہ تم کو رلائے کبھو
نہیں خوشنما پاس آئے ہوئے / رہیں دو جنے منہ پھلائے ہوئے
یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل / پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل
بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط / اُبلنے لگے دل سے عیش و نشاط
شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا / تکلف سے ہر اک کے آگے دھرا
عجب چہل سے سب نے آپس میں مل / کیا نوش حسب تمنائے دل
پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے / الگ خواب گاہوں میں جا سو گئے

پھر اُس سے یہ پوچھا کہ اے بینظیر
کہے تو چلی آئے بدر منیر

کہا خیر ہے تجھ کو رشکِ چمن
چھپے ہے کہیں بھائی سے بھی بہن

مرا جان و مال اُس پہ قربان ہے
کہ اس کے سبب سے مری جان ہے

مرا یہ تو ہمدم ہے دن رات کا
مجھے اس سے پردہ ہے کس بات کا

داستان بینظیر اور بدر منیر کے ملنے کی اور اس کے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے منہ سے ساقی ملا دے شراب
کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب

یہ سن سن کے باتیں وہ پردہ نشیں
چلی آئی اک ناز سے نازنیں

حیا سے پھر آکر جو بیٹھی وہ پاس
پھر آہی گئے اُس کو ہوش و حواس

اُدھر اشک خونیں اِدھر چشم نم
اُسے اُس کا غم اور اسے اُس کا غم

نہ وہ انگ اس کا نہ وہ اُس کا حال
تن زرد زرد اور رخ لال لال

بہم دو خزاں دیدہ گلزار سے
ملے جیسے بیمار بیمار سے

عجب صحبت آپس میں اُس دم ہوئی
کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی

وہ نجم النسا اور فیروز شاہ
حیا سے کیے اپنی نیچی نگاہ

سرشک محبت بہانے لگے
اس احوال پر حیف کھانے لگے

اور اِس طرف کو شاہزادہ نڈھال
لگا رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال

وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر
لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر

چھپا منہ کو اس طرف سے نازنیں
لگی کرنے تر دامن و آستیں

پڑیں غم کی باتیں جو آ درمیاں
یہ روئی کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں

غرض دیر تک مل کے روتے رہے
جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے

رخ زرد پہ اشک گلگوں بہا
بہار و خزاں کو کیا ایک جا

کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار
سو آنکھوں سے اُن کی دکھائی بہار

پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر
لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر

کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا
زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا

اگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم
کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم

ذرا تن میں آنے دے اس کے تواں
ابھی اس کو رونے کی طاقت کہاں

یہ مُردہ بلا لائی ہوں میں اس لیے
کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے

وہاں میں نے اس کی نہیں کی دوا
کہ ہے خانۂ یار دار الشفا

لے آئی ہے اس کو محبت کی دھن
جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سُن

اسے وصل کی اپنے دارو پلا
کسی طرح اس نیم جاں کو جلا

بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو
خدا پھر نہ تم کو رُلائے کبھو

نہیں خوشنما پاس آئے ہوئے
رہیں دو جنے منہ پھُلائے ہوئے

یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل
پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل

بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط
اُبلنے لگے دل سے عیش و نشاط

شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا
تکلف سے ہر اک کے آگے دھرا

عجب چہل سے سب نے آپس میں مل
کیا نوش حسب تمنائے دل

پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے
الگ خواب گاہوں میں جا سو گئے

اُٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال — ہوئے اس مزے میں وہ خواب و خیال
الگ ہو کے لیٹی جو وہ ماہرو — ہوئی لیٹے لیٹے عجب گفتگو
وہ گذرا ہوا یاد کر کے حال — لگے رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہا شاہزادے نے احوال سب — کنوئیں میں جو گذرا تھا رنج و تعب
کہ یوں میں اندھیرے میں رویا کیا — کنوئیں میں تن اپنا ڈبویا کیا
نہ پہونچا کوئی میرا فریاد رس — تڑپتا رہا دل برنگ جرس
وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا — سدا میری چھاتی پہ پتھر رہا
محبت نے یہ چاشنی اور دی — کہ تن کے تئیں جیتے جی گور دی
زمیں سے نکلنے کی کب آس تھی — فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی
عجب طرح سے زیست کرتا رہا — تری جان سے دور مرتا رہا
خدا ہی نے تجھ سے ملایا مجھے — اُٹھا قبر سے پھر جلایا مجھے
دیا شاہزادی نے رو رو جواب — کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب
ترے داغ کی دل میں جو بو گئی — میں اک رات روتی ہوئی سو گئی
تو کیا دیکھتی ہوں کہ صحرا ہے ایک — اور اُس دشت میں کنواں سا ہے ایک
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر — ادھر آ کہ یاں قید ہے بے نظیر
میں ہر چند چاہا کروں تجھ سے بات — ولے کی گئی واں نہ کچھ مجھ سے بات
مری جان گو اس طرف ڈھل گئی — اُسی دم مری آنکھ پھر کھل گئی
عجب اُس گھڑی مجھ پہ گذرا قلق — کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق
اُسی دن سے یہ حال پہونچا مرا — کہ مرتی رہی نام لے لے ترا

نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر — ولے تھا ترے غم سے دل کو اثر
گذرتا تھا واں تجھ پہ جو صبح و شام — وہ اندھیر تھا مجھ پہ روشن تمام
یہ کہتی میں کس سے یہ درد نہاں — شب و روز جلتی تھی میں شمع ساں
عجب طرح سے زیست کرتی تھی میں — کہ اس زیست کرنے سے مرتی تھی میں
اسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار — کہ کیونکر ملاوے گا پروردگار
مری شکل پر رو کے نجم النسا — گئی اس طرح حال اپنا بنا
پھر آگئے تو معلوم ہے تم کو سب — کہ ہم تم ملے پھر اُسی کے سبب
یہ آپس میں کہہ حال دل رو اُٹھی — وہ کہنے کو سوئی تھی بس سو اُٹھی
جو ملتے ہیں بچھڑے ہوئے ایک جا — اُنھیں نیند باتوں میں آتی ہے کیا
پریزاد نجم النسا واں جدے — الگ اپنی باتوں میں سرگرم تھے
کٹی رات حرف و حکایات میں — سحر ہو گئی بات کی بات میں
شب وصل کی جو سحر ہو گئی — تو سوتوں کو گویا خبر ہو گئی
لیا ماہ نے اپنے منھ پر نقاب — اُٹھا بستر خواب سے آفتاب
صبوحی کو اُٹھتا ہے جیسے مدام — شراب شفق سے بھرے اپنا جام
لیے روز کو ساتھ آنے لگا — وہ سوتوں کو شب کے جگانے لگا
ہوئی چشم وا اور مژگاں دراز — سپید و سیہ میں ہوا امتیاز
گیا عقدۂ صبح اُس دم جو کھل — نکل آئے ادھر اُدھر سے وہ گل
اُٹھے جب کہ آپس میں گلفام وہ — گئے باری باری سے حمام وہ
دوبارہ کیا سب نے اپنا سنگار — چمن میں نئے سر سے آئی بہار

وہ جوگن ہوئی تھی جو نجم النسا
جمی گرد اپنے بدن سے چھڑا

نہا دھو کے نکلی عجب آن سے
کہ الماس نکلے ہے جوں کان سے

نہانے سے نکلا عجب اُس کا روپ
نکل آئے بدلی سے جس طرح دھوپ

ولے آگ اُس نے لگائی یہ اور
کہ پوشاک کی سرخ لالے کے طور

جلانے کو عاشق کے دکھلا کھبن
لیا سُرخ لاہی[1] کا جوڑا پہن

تمامی کی سنجاف اُس پر لگا
طلا کی طرح سے دیا دگدگا[2]

اُسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس
تصور میں ہو سُرخ جس کے قیاس

بھبھوکا سا تن اور وہ منہ کی دمک
کہ جوں شعلہ آتش سے اُٹھے بھڑک

نکیلی وہ اُٹھتی ہوئی چھاتیاں
بھری اپنے جوبن میں اتراتیاں

گلے کی صفائی وہ کرتی کا چاک
تڑاقے[3] کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک

وہ کنچن[4] سی اُس میں کچیں لال لال
بھری رنگ سے قمقمے کی مثال

نلاہٹ[5] وہ کٹھنی کی اُس سے نمود
کہ جوں سرخ چہرے پہ خالِ کبود

گیا باغبان حسن کا دھر کے بھول
کنول کی کلی پر بنفشہ کا پھول

کہے تو لیے اپنے منہ پر نقاب
شفق میں چھپے جوں مہ و آفتاب

بنت گرد اُس کے نہ کیونکر پھرے
کہ واں گوکھرو لہر کھا کر گرے

وہ پاجامۂ سبز کمخواب اور
دوپٹہ بنارس کا سورج کے طور

جواہر سجا اپنے موقع سے کُل
ترشح میں ہو جیسے نمدیدہ گل

[1] لاہی - ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا ۱۲ [2] دگدگانا - چمکنا - روشن ہونا - سرخ ہونا ۱۲ [3] ایک چمکدار کپڑا ۱۲ - آسی [4] کنچن صاف شیشہ ۱۲ [5] نلاہٹ - نیلاپن - کٹھنی - پستان کے اوپر کی گھنڈی ۱۲

وہ کنگھی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے
ہر اک آن میں اپنی ہر سو کھنچے

کھجوری[1] وہ چوٹی زری کا موباف
کہ جوں دود کے بعد شعلہ ہو صاف

عروسانہ اُس نے کیا جو لباس
تو آنے لگی خون کی اُس میں باس

بنی جبکہ اس رنگ وہ رشک حور
چلی آئی فیروز شہ کے حضور

پریزاد تو قتل ہی ہو گیا
کہے تو کوئی جان سے کھو گیا

حیا سے نہ کی بات نے کچھ کہا
ولے جی سے قربان اُس پر رہا

وہ بن ٹھن کے آپس میں رہنے لگے
بہم راز دل اپنے کہنے لگے

خوشی سے ہوئے بسکہ سرسبز دل
لگے سبزیاں[2] پینے آپس میں مل

ضیافت بہم مل کے کھانے لگے
وہ غم کھانے اُن کے ٹھکانے لگے

چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے
پہ غیروں کے چرچے سے ڈرتے رہے

اگرچہ ہر اک وصل سے شاد تھا
ولے ہجر کا غم اُنھیں یاد تھا

یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہرو
کہ اس بات کو کیجیے ایک سو

غضب ہے جو یونہیں دوبارہ رہیں
چھپے کب تلک آشکارا رہیں

سہی ہے یہ تکلیف آرام کو
یہ ناکامیاں ورنہ کس کام کو

نصیب اس طرح سے جو یاری کریں
عیاں کیوں نہ ہم خواستگاری کریں

جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے
ادھر اور اُدھر مل کے دو دو ہو گئے

وہ نجم النسا اور وہ بدر منیر
کچھ اک کر بہانہ وہ دونوں شریر

رہیں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے
کہ دیکھیں گے اب ہم قدم آپ کے

[1] کھجوری چوٹی - چوٹی کی ایک قسم کی مضبوط گندھاوٹ ۱۲ [2] سبزی - بھنگ ۱۲ - آسی

نکل بینظیر اور وہ فیروز شاہ — کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ
کر اسباب سب سلطنت کا درست — پھر آئے اُسی جا پہ چالاک و چست
وہاں کا جو تھا شاہ انجم سپاہ — جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ

نامہ بھیجنا بینظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بدر منیر کے

کیا نامہ یوں ایک اُس کو رقم — کہ اے شاہ شاہاں ولے فخر جم
فریدوں مثال و سکندر نژاد — مراد جہاں و جہانِ مراد
جہانِ شجاعت زمانِ کرم — دل رستم گرد حاتم ہمم
میں وارد ہوں یاں ایک مہماں غریب — لے آئے ہیں مجھ کو مرے یاں نصیب
نوازش سے اپنی کرم کیجیے — غلامی میں اپنی مجھے لیجیے
ہمیشہ سے ہے راہ و رسم جہاں — کہ وابستہ یوں ہیں ہے کار جہاں
جہاں پر ہے روشن کہ میں ماہ ہوں — ملک زادہ ابن ملک شاہ ہوں
ہر اک مجھ سے واقف ہے برنا و پیر — کہ ہے نام میرا شہ بے نظیر
بیاں سب کیا ماضی و حال کا — مجمل لکھا فوج و اموال کا
جتا کر بہت عجز اور انکسار — لکھا حرف اک یہ بھی آخر کی بار
کہ جو ہووے برعکس شرع شریف — وہ ہے اپنے مذہب میں اپنا حریف
اگر مانیے خیر تو مانیے — نہیں آپ آیا ہمیں جانیے

گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام — سُنا اور پڑھا خط کا مضموں تمام
سمجھ اس کا مضمون مسعود شاہ — کہ اتنی ہے فوج اور یہ کچھ ہے سپاہ
اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو — پھر اس میں خدا جانے کیا رنگ ہو
اور آخر یہی ہے زمانہ کی چال — کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال
نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے — ہمیشہ سے عالم برومند[1] ہے

جواب نامہ بینظیر کا ملک مسعود شاہ سے

لکھا نامہ اس کے وہیں در جواب — کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب
لکھا بعد حمد و ثنائے خدا — پس از نعت احمدؐ شہ انبیا
کہ نامہ تمہارا جو سربستہ تھا — وہ راز نہاں اپنے ہاتھوں کھلا
شریعت کے عالم میں مجبور ہیں — نہیں اپنے نزدیک ہم دور[2] ہیں
اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں — تمہارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں
ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور — نہیں نیک و بد پر بھی اپنے غور
کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں — سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں
ولے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ — وگرنہ گھمنڈ آپ کا کیا ہے یہ
زبس ہم کو ہے پاس شرع رسول — سو اس واسطے کرتے ہیں ہم قبول
خلافِ[3] پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

[1] برومند۔ پھل دینے والا ۱۲ [2] دور ہیں یعنی ہمارے خیالات بہت بلند ہیں ۱۲۔ آسی
[3] جو پیغمبر صلے اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے خلاف ہو کر رستہ چلا وہ منزل پر نہیں پہونچ سکتا ۱۲

نکل بینظیر اور وہ فیروز شاہ | کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ
کر اسباب سب سلطنت کا درست | پھر آئے اُسی جا پہ چالاک و چست
وہاں کا جو تھا شاہ انجم سپاہ | جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ

نامہ بھیجنا بینظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بدر منیر کے

کیا نامہ یوں ایک اُس کو رقم | کہ اے شاہ شاہان والے فخر جم
فریدوں مثال و سکندر نژاد | مراد جہاں و جہانِ مراد
جہانِ شجاعت زمانِ کرم | دل رستم گرد حاتم ہمم
میں وارد ہوں یاں ایک مہمان غریب | لے آئے ہیں مجھ کو مرے یاں نصیب
نوازش سے اپنی کرم کیجیے | غلامی میں اپنی مجھے لیجیے
ہمیشہ سے ہے راہ و رسم جہاں | کہ وابستہ یوں ہیں ہے کار جہاں
جہاں پر ہے روشن کہ میں ماہ ہوں | ملک زادہ ابن ملک شاہ ہوں
ہر اک مجھ سے واقف ہے بُرنا و پیر | کہ ہے نام میرا شہ بے نظیر
بیاں سب کیا ماضی و حال کا | مجمل لکھا فوج و اموال کا
جتا کر بہت عجز اور انکسار | لکھا حرف اک یہ بھی آخر کی بار
کہ جو ہووے برعکس شرع شریف | وہ ہے اپنے مذہب میں اپنا حریف
اگر مانیے خیر تو مانیے | نہیں آپ آیا ہمیں جانیے

گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام | سُنا اور پڑھا خط کا مضموں تمام
سمجھ اس کا مضمون مسعود شاہ | کہ اتنی ہے فوج اور یہ کچھ ہے سپاہ
اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو | پھر اس میں خدا جانے کیا رنگ ہو
اور آخر یہی ہے زمانہ کی چال | کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال
نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے | ہمیشہ سے عالم برومند[1] ہے

جواب نامہ بینظیر کا ملک مسعود شاہ سے

لکھا نامہ اس کے وہ ہیں درجواب | کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب
لکھا بعد حمد و ثنائے خدا | پس از نعت احمد شہ انبیا
کہ نامہ تمہارا جو سربستہ تھا | وہ راز نہاں اپنے ہاتھوں کھلا
شریعت کے عالم میں مجبور ہیں | نہیں اپنے نزدیک ہم دور[2] ہیں
اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں | تمہارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں
ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور | نہیں نیک و بد پر تمہیں اپنے غور
کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں | سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں
ولے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ | وگرنہ گھمنڈ آپ کا کیا ہے یہ
زبس ہم کو ہے پاس شرع رسول | سوا اس واسطے کرتے ہیں ہم قبول
خلاف[3] پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۱ برومند۔ پھل دینے والا ۱۲ ۲ دور ہیں یعنی ہمارے خیالات بہت بلند ہیں ۱۲۔ آسی
۳ جو پیغمبر صلے اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے خلاف ہو کر رستہ چلا وہ منزل پر نہیں پہونچ سکتا ۱۲

اک اچھی سی تاریخ ٹھہرائیے — دیا حکم ہم نے تمھیں آئیے
گیا ایلچی لے کے نامہ اُدھر — اُڑی ہر طرف یہ خوشی کی خبر
سنی یہ جو نامہ کی گفت و شنید — ہوئی شاہزادے کو گویا کہ عید
کشادہ ہوئے دل جو تھے غم سے تنگ — اُسی دن سے ہونے لگے راگ و رنگ
ہوئیں برطرف سب دل آزاریاں — لگیں ہونے شادی کی تیاریاں
بلا شگنیوں کو بتا سال و سن — مقرر کیا نیک ساعت کا دن

داستان بینظیر اور بدر منیر کے بیاہ کی اور اُس کے تجمل میں

کدھر ہے تو اے ساقی گلبدن — دھری آج اُس شمع رو کی لگن[1]
بلا مطربانِ خوش آوازہ کو — کہ آویں لیے اپنے سب ساز کو
وہ اسباب شادی کا تیار ہو — مکرر نہ پھر جس کی تکرار ہو
بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز — چڑھا بیاہنے وہ مہ دل فروز
محل سے نکل جب ہوا وہ سوار — بجے شادیانے بہم ایک بار
کروں اُس تجمل کا کیونکر بیاں — کہ باہر ہے تقریر سے وہ سماں
وہ دولھا کے اُٹھتے ہی اک غل پڑا — لگا دیکھنے اُٹھ کے چھوٹا بڑا

[1] لگن دھرنا۔ بیاہ کے پہلے لڑکی والے کے یہاں سے کچھ سامان اور شادی کے متعلق مقرر کردہ تاریخ کا ایک تحریر کردہ کاغذ لڑکے والے کے یہاں جاتا ہے ۱۲۔ آسی

کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا — کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا
لگا کہنے کوئی اِدھر آئیو — ارے رتھ شتابی مری لائیو
کسی نے کسی کو پکارا کہیں — نہ لانے پہ میانے[1] کے مارا کہیں
کوئی پالکی میں چلا ہو سوار — پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار
جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں — کوئی مانگے[2] تانگے میں بیٹھا کہیں
سپر اور قبضے کھڑکنے لگے — سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے
ٹکوروں[3] سے وہ نوبت کے اور اُن کے بعد — گرجنا وہ دھونسوں[4] کا مانند رعد
وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں — جنھیں گوش زہرہ مفصل سنیں
ہزاروں تمامی کے تختِ رواں — اور اہلِ نشاط اُن پہ جلوہ کناں
وہ طبلوں کا بجنا اور اُن کی صدا — وہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا
وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار — وہ موتی کا سہرا جواہر نگار
ٹھہر کر وہ گھوڑوں کا چلنا سنبھل — ہما کے وہ دونوں طرف مورچھل
وہ فانوسیں آگے زمرد نگار — کہ ہو سبز مینا جنھوں پر نثار
دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے — تپنگے خوشی سے غزل خواں ہوئے
ہوا دن جو روشن چراغان سے — پڑھے شعر نوری کے دیوان سے
چراغوں کے ترپولیے[5] جا بجا — اور اُن میں وہ بازاریوں کی صدا
کوئی پان بیچے کھلونے کوئی — کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی

[1] میانہ ایک سواری جسے کہار وغیرہ اُٹھاتے ہیں ۱۲ [2] مانگے تانگے کی چیز مستعار شے ۱۲ [3] ٹکورا۔ نوبت اور ڈھول کی آواز۔ [4] دھونسا، بڑا نقارہ ۱۲ [5] ترپولیا۔ تین در کے بنائے ہوئے دروازے ۱۲

تماشائیوں کا جدا اک ہجوم — پتنگے کریں جوں چراغوں پہ دھوم
کڑکنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ — گرجنا وہ دھونسوں کا دھوں دھوں کے ساتھ
برابر ادھر اور اُدھر جوق جوق — وہ آواز قرنا[1] اور آواز بوق
وہ کالے پیادے وہ اُن کی نفیر[2] — کہ تا چرخ پہونچے صدا اُن کی چیر
وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے — وہ ہاتھی کہ دو دیو تھے جنگ کے
وہ ابرک کی ٹٹی وہ مینے کے جھاڑ — کہے تو کہ تختے کی اوجھل پہاڑ
دو رستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت
وہ رنگیں کنول اور وہ شمع و چراغ — کھلے جس طرح لالۂ نور باغ
جہاں تک نظر آوے اُن کی قطار — طلسمات کی سی ہوا پر بہار
اناروں کا دغنا پھنکنے کا زور — ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور
اُڑایا ستاروں کو جو آگ نے — تو ہاتھی لگے بن کو پھر جاگنے
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار — ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار
دھواں چھپ گیا نور میں نور ہو — سیاہی اُڑی شب کی کافور ہو
سراسر وہ ہر طرف مشعل کے جھاڑ — کہ جوں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ
زری پوش سرڈار سب یک دگر — پھریں برق کی طرح ایدھر اُدھر
کہے تو کہ نزدیک اور دور سے — زمین و زماں بھر گیا نور سے
جب آئی وہ دولھن کے گھر پر برات — کہوں واں کے عالم کی کیا تم سے بات
ہوا واں کی صحبت کی رنگ بہشت — دھرے تختے گرد عنبر سرشت

[1] قرنا۔ بوق۔ باجوں کے نام ترئی وغیرہ ۱۲ [2] نفیر۔ آواز ۱۲۔ آسی

کھڑے بادلوں کے وہ خیمے بلند — کریں عالم نور جس کو پسند
عجب مسند اک جگمگی اور فرش — تمامی کے عالم کا چوکور فرش
بلوریں دھرے شمعداں بیشمار — چڑھیں موم کی بتیاں چار چار
نئے رنگ کے اور نئے طور کے — دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت تھی بس — لگے ایک سے ایک سب پیش و پس
دو زانو زری پوش بیٹھے تمام — شراب خوشی کے کیے نوش جام
وہ دولھا کا مسند پہ جا بیٹھنا — برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا
طوائف کا اٹھنا اک انداز سے — دکھانا وہ آ صورتیں ناز سے
کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں — قدیمی کسی وقت کا سا سماں
وہ ارباب عشرت کا آپس میں مل — جمانا گھرنگ[1] راگ کا دے کے دل
وہ ایمن[2] کی تانیں ادھر اور اُدھر — ملے سُر طنبوروں کے بایکدگر
اور اُس صحن سے اک چھوکری کا نکل — جتانا ہنر اپنا پہلے پہل
اُلٹنا دوپٹے کا دیدے کے تال — وہ بوٹا سا قد اور کہردے[3] کی چال
کبھی پرلو میں دکھانی ادا — کہ جوں ٹوٹ کر بجلی ہووے ہوا
کبھی گت[4] بھری ناچنا ذوق سے — کہ تیورا کے عاشق گرے شوق سے
ادھر کی یہ گت اور اُس کا سبھاؤ — اُدھر اوٹ میں نائکہ کا بناؤ
کھڑے ہو کے دو گھونٹ حقے کے لے — چبا پان اور رنگ ہونٹوں پہ دے

[1] نام راگ کا ۱۲ [2] ایمن ایک راگ کا نام ۱۲ [3] کہردا۔ ایک قسم کا ناچ جو اکثر صبح کو ناچا جاتا ہے ۱۲ [4] گت بھری ایک ناچ کا نام ۱۲۔ آسی

انگوٹھے کی لے سامنے آرسی — وہ صورت کو دیکھ اپنی گر آرسی
الٹ آستیں اور مہری کا چاک — نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک
بنا کنگھی اور کرکے ابرو درست — جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چست
دوپٹے کو سر پر الٹ اور سنبھل — یکایک وہ صف چیر آنا نکل
پکڑ کان اور گھنگروں کو اٹھا — پہن پاؤں میں اپنے سر سے چھوا
ادھر اور ادھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ — چلے ناچتے آنا سنگت[1] کے ساتھ
فتح چند کے ہاتھ کی مورت ایک — نچائی ہوئی چاند سی صورت ایک
کبھی ناچنا اور گانا کبھی — رجھانا کبھی اور بتانا[2] کبھی
خوش آوازیاں اور گانا خیال[3] — دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال
وہ شادی کی مجلس وہ گانے کا رنگ — وہ جی کی خوشی اور وہ دل کی ترنگ
وہ پھولوں کے گہنے کناری کے ہار — وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار
وہ بیڑوں کے پتے پڑے ہر طرف — غم دل جسے دیکھ ہو بر طرف
ادھر گا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ — محل میں ادھر گھوڑیاں[4] اور سہاگ
وہ گھر میں شادی مبارک وہ ڈھول — وہ ٹونے سلونے[5] وہ میٹھے سے بول
اترنے کی دال سمدھنوں کی بھبن — کھلیں پھول جیسے چمن در چمن
گلوں میں بناوہ ہنس ہنس کے ہار — بشاشت وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار

[1] سنگت۔ سفرائی/ساز ندے ۱۲ [2] بتانا۔ بھاؤ بتانا ۱۲ [3] خیال۔ ایک راگ ۱۲ [4] گھوڑیاں ایک قسم کا گیت جو عورتیں شادی بیاہ میں گاتی ہیں ۱۲ [5] ٹونے سلونے۔ ایک قسم کے گیت جو مراسنیں شادی میں گاتی ہیں اور فحش بھی ہوتے ہیں ۱۲

دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ — وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ
قہاقے[1] ہنسی شور و غل تالیاں — سہانی سہانی نئی گالیاں
غرض کیا لکھوں تاب مجھ میں نہیں — نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان نکاح ہونا بے نظیر کا ساتھ بدر منیر کے اور شادی نجم النسا کی پری زادے اور رخصت ہونا آپس میں

چھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا — مجھے بدلے اب مے کے شربت پلا
کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں — کہ پھر میں گلے کا ترے ہار ہوں
ہوا جب نکاح اور بٹے ہار[2] پان — پلا سب کو شربت دیے خاصدان
اٹھا پھر تو نوشاہ بعد از نکاح — محل میں بلانے کی ٹھہری صلاح
چلا یوں وہ دولہا دلھن کی طرف — اڑے جیسے بلبل چمن کی طرف
وہاں تک پہونچتے ہوئے کیا کہوں — ہوئے ٹوٹکے[3] لاکھ بہر شگون
ہوا لیکن اُس وقت دونا مزا — کہ دولہا دلھن جب ہوئے ایک جا
عروسی وہ گہنا وہ سوہا[4] لباس — وہ مہندی سوہانی وہ پھولوں کی باس
ملا سرخ جوڑے پہ عطر سہاگ — کھلے مل کے آپس میں دونوں کے بھاگ
دکھا مصحف[5] اور آرسی کو نکال — دہرا پیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال
نہ تھا وصل اس طرح کا دھیان میں — خدا نے کیا آن کی آن میں

[1] قہاقے۔ قہقہے ۱۲ [2] بعض جگہ نکاح کے بعد ہار پان تقسیم ہوتے ہیں اور حاضرین کو شربت پلانے کی رسم ہے ۱۲
[3] ٹوٹکا۔ ایک قسم کا سحر۔ جنتر منتر ۱۲ [4] سوہا۔ سرخ ۱۲ [5] آرسی مصحف شادی کی ایک رسم جو مشہور ہے ۱۲

انگوٹھے کی لے سامنے آرسی / وہ صورت کو دیکھ اپنی گلزار سی
اُلٹ آستیں اور مُہری کیا چاک / نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک
بنا کنگھی اور کر کے ابرو درست / جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چست
دوپٹے کو سر پر اُلٹ اور سنبھل / یکا یک وہ صف چیر آنا نکل
پکڑ کان اور گھنگرؤں کو اُٹھا / پہن پاؤں میں اپنے سر سے چھوا
اِدھر اور اُدھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ / چلے ناچتے آنا سنگت[1] کے ساتھ
فتح چند کے ہاتھ کی مورت ایک / لجائی ہوئی چاند سی صورت ایک
کبھی ناچنا اور گانا کبھی / رجھانا کبھی اور بتانا[2] کبھی
خوش آوازیاں اور گانا خیال[3] / دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال
وہ شادی کی مجلس وہ گانے کا رنگ / وہ جی کی خوشی اور وہ دل کی ترنگ
وہ پھولوں کے گہنے کناری کے ہار / وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار
وہ بیڑوں کے پتے پڑے ہر طرف / غم دل جسے دیکھ ہو برطرف
اِدھر تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ / محل میں اُدھر گھوڑیاں[4] اور سہاگ
وہ گہنے شادی مبارک وہ ڈھول / وہ ٹونے سلونے[5] وہ میٹھے سے بول
آترنے کی دال سمدھنوں کی چھین / کھلیں پھول جیسے چمن در چمن
گلوں میں پنہانا وہ ہنس ہنس کے ہار / نشاط وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار

[1] سنگت۔ سفرا، سازندے ۱۲ [2] بتانا۔ بھاؤ بتانا ۱۲ [3] خیال۔ ایک راگ ۱۲ [4] گھوڑیاں ایک قسم کا گیت جو عورتیں شادی بیاہ میں گاتی ہیں ۱۲ [5] ٹونے سلونے۔ ایک قسم کے گیت جو مراسنیں شادی میں گاتی ہیں اور وہ فحش بھی ہوتے ہیں ۱۲

دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ / وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ
قہاقہے[1] ہنسی شور و غل تالیاں / سہانی سہانی نئی گالیاں
غرض کیا لکھوں تاب مجھ میں نہیں / نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان نکاح ہونا بےنظیر کا ساتھ بدرمنیر کے اور شادی نجم النسا کی پری زادے سے اور رخصت ہونا آپس میں

چھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا / مجھے بدلے اب مے کے شربت پلا
کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں / کہ پھر میں گلے کا ترے ہار ہوں
ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان[2] / پلا سب کو شربت دیے خاصدان
اُٹھا پھر تو نوشاہ بعد از نکاح / محل میں بلانے کی ٹھہری صلاح
چلا یوں وہ دولہا دلھن کی طرف / اُڑے جیسے بلبل چمن کی طرف
وہاں تک پہنچتے ہوئے کیا کہوں / ہوئے ٹوٹکے[3] لاکھ بہر شگون
ہوا لیکن اُس وقت دونا مزا / کہ دولہا دلھن جب ہوئے ایک جا
عروسی وہ گہنا وہ ستھرا[4] لباس / وہ مہندی سہانی وہ پھولوں کی باس
وہ سرخ جوڑے پہ عطر سہاگ / کھلے مل کے آپس میں دونوں کے بھاگ
دکھا مصحف[5] اور آرسی کو نکال / دہرا بیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال
نہ تھا وصل اس طرح کا دھیان میں / خدا نے کیا آن کی آن میں

[1] قہاقہے۔ قہقہے ۱۲ [2] بعض جگہ نکاح کے بعد ہار پان تقسیم ہوتے ہیں اور حاضرین کو شربت پلانے کی رسم ہے ۱۲ [3] ٹوٹکا۔ ایک قسم کا سحر۔ جنتر منتر ۱۲ [4] ستھرا۔ سرخ ۱۲ [5] آرسی مصحف شادی کی ایک رسم جو مشہور ہے ۱۲ آگا

عجب قدرتِ حق نمایاں ہوئی
جسے آرسی دیکھ حیراں ہوئی

وہ جلوے کا ہونا وہ شادی کی دھوم
وہ آپس میں دولہا دلھن کی رسوم

کسی نے بسائی سرو نخ آن کر
کوئی گالیاں دے گئی جان کر

گئی کوئی واں گال سے کچھ لگا
گئی کوئی دولھن کی جوتی چھوا

وہ شیریں جو بیٹھی تھی شیریں بنی
بنات اس کی چنتے بنے کو بنی

چنائی بنات اس کو اس گھات سے
کہ ڈھکا دیا ہر گھڑی بات سے

زبس دل تو تھا اس کا ہر جا پہ بند
سبھی جائے اس نے چنی کر پسند

اٹھائی ڈلی اس کی آنکھوں سے یوں
کریں نوش بادام شیریں کو جوں

ڈلی وہ جو ہونٹھوں کی تھی لب ملی
وہ مصری کی منھ سے اٹھائی ڈلی

کمر سے اٹھائی ڈلی اس طرح
کہ ہاں ہوں نہیں کی نہیں جس طرح

ذرا پاؤں پڑ کے اٹھانے اڑا
نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا

یہ ظاہر کی تکرار تھی بار بار
وگرنہ دل اس پاؤں پر تھا نثار

عجب طرح کی رنگ رلیاں ہوئیں
کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں

وہ سب ہو چکی جبکہ رسم و رسوم
سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم

سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت
وہ دلھن کی رخصت وہ رونے کا وقت

کھڑے سب کا لاچار منھ دیکھنا
کہ یارب یہ کیا ہے جہاں سیکھنا

۱؎ جلوا۔ وداع کے روز دولہا دلھن کو اپنے سامنے بٹھا کر آرسی مصحف دکھانا ۱۲ ۲؎ سرو نخ بسانا۔ یہی ایک شادی کی رسم ہے ۱۲ ۳؎ بنات جنو ۱۶۔ دلھن کے کئی اعضاء پر مصری کی ڈلیاں رکھتے ہیں جو دولہا سے چنوائی جاتی ہیں ۱۲ ۴؎ ڈھکانا۔ جان جان کر ترسانا ۱۲ ۵؎ سیکھنا۔ بری بات ۱۲ آرسی

وہ دلھن کا رو رو کے ہونا جدا
وہ ماں باپ کا اور رونا جدا

نکلتے وہ جانا محل سے جہیز
کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز

یہاں موت ہے اہل عرفان کو
کہ جاتا ہے اک دن یونہیں جان کو

وہ جو دردمندی کے ہیں آشنا
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

وہ دولہا کا دلھن کو گودی اٹھا
بٹھانا محافے میں آخر کو لا

چلے لے کے چنڈول جس دم کہار
کیا دو طرف سے زر اس پر نثار

کھڑے تھے جو واں چشم کو تر کیے
سو موتی انھوں نے نچھاور کیے

ادھر اور ادھر اپنے سہرے کو چیر
وہ اک چاند سا منھ دکھا بے نظیر

سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شتاب
کہ جوں صبح ہووے بلند آفتاب

دکھاتا ہوا حشمت و عظم شاں
لیے ساتھ ساتھ اپنے نوبت نشان

وہ پیچھے تو چنڈول میں رشک ماہ
اور آگے وہ خورشید عالم پناہ

پھرا گھر کو اپنے قدم با قدم
سواری سے گھر میں وہ آیا صنم

غرض اس طرح جب وہ دلھن کو بیاہ
لے آیا جہاں اس کی تھی عیش گاہ

ہوئی وہ جو ہوتی ہے رسم و رسوم
کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم

اٹھایا اسی دھوم میں لگتے ہاتھ
پریزاد کا بیاہ جو تھی کے ساتھ

وہ نجم النسا تھی جو دختِ وزیر
گیا اس کے والد کنے بے نظیر

کہا باپ کو اس کے اے خیر خواہ
مرا بھائی ہے ایک فیروز شاہ

سو میں تجھ سے رکھتا ہوں اک التجا
کہ تو اس کو فرزندی میں اپنی لا

۱؎ چنڈول۔ ایک سواری جسے کہار وغیرہ اٹھاتے ہیں۔ سکھپال ۱۲ ۲؎ یعنی سلسلہ جہیز کا ۱۲

غرض ہر طرح کر رضامند اُسے
کیا حال پر اپنے پابند اُسے

پریزاد تھا وہ جو فیروز شاہ
دیا اُس کو نجم النسا سے بیاہ

اُسی دھوم سے اور اُسی فوج سے
اُسی شان سے اور اُسی اوج سے

وہی سب تجمل وہی سب رسوم
ہوئی تھی جو کچھ بیاہ میں اُس کے دھوم

دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں
برابر رہی چہل دن رات میں

اسی طرح اُس کو بیاہا غرض
جو کچھ قول تھا سو نباہا غرض

خدا راست لایا اُنھوں کے جو کام
برآئے دلوں کے مطالب تمام

ہوئیں متصل یہ جو دو شادیاں
بسیں ایک جا چار آبادیاں

پھرے دن تو اپنے وطن کو پھرے
وہ آشفتہ بلبل چمن کو پھرے

خوشی سے لیے حرمت و جان و مال
چلے شہر کو اپنے وہ خوش حال

وہ نجم النسا اور فیروز شاہ
فلک پر سے ہو شل خورشید و ماہ

رضا اُن سے لیکر اُسی آن میں
گئے شاد و خرم پرستان میں

یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے
کہ گو تم اُدھر اور ہم ادھر گئے

تم اس غم سے مت ہو جیو سینہ ریش
کہ ہم تم سے ملتے رہیں گے ہمیش

تسلی دے و دے کر اُدھر کو چلے
یہ ادھر لیے اپنا لشکر چلے

داستان بے نظیر کی بدر منیر کو اپنے وطن لیجانے اور ماں باپ سے ملاقات کرنے میں

پلا ساقیا آخری ایک جام
کہ ہوتی ہے بس اب یہ کہانی تمام

وہ نزدیک پہونچے جو اس شہر کے
کیا پاس جا خیمہ اک نہر کے

کیا جبکہ خلقت نے تفتیش حال
اور آنکھوں سے دیکھا وہ بدر کمال

پڑا شہر میں یک بیک پھر یہ غل
کہ غائب ہوا تھا سو آیا وہ گل

خبر یہ ہوئی جبکہ ماں باپ کو
کیا گم اُنھوں نے وہیں آپ کو

ز بس دل تو تھا یاس ہی سے بھرا
یہ سن ہاتھ پاؤں گئے تھرتھرا

لگے رونے آپس میں زار و نزار
کہا ہائے ہم کو نہیں اعتبار

ملا دیں گے ہم سے ہمارا حبیب
یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب

یہ ہوگا کوئی دشمن ملک و مال
سو میں آپ ہی ہوں گرفتار حال

کوئی اس کا وارث تو آخر نہیں
وہی لیکے جاوے یہ جھگڑا کہیں

کہا سب نے صاحب چلو تو سہی
یہ بیٹا تمھارا وہی ہے وہی

مکرر سنا جب کہ بیٹے کا ناؤں
چلا پھر تو روتا ہوا ننگے پاؤں

وہ آتا تھا جیسے کہ بیٹا اُدھر
پڑی باپ پر جو یکا یک نظر

جو ہیں اپنے کعبہ کو دیکھا رواں
چلا سر کے بل بے نظیر جہاں

گرا پاؤں پر کہہ کے یہ باپ کے
خدا نے دکھائے قدم آپ کے

سنی یہ صدا جو ہیں اُس ماہ کی
تو اُس غم رسیدہ نے اک آہ کی

اُٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا
لپٹ کے گھڑی دو تلک خوب سا

یہ رویا یہ رویا کہ غش کر چلا
کہے تو کہ آنسو کا لشکر چلا

ملے پھر تو آپس میں وہ خوب سے
کہ یوسف ملے جیسے یعقوب سے

وہ گل گل شگفتہ ہوا گل کی طرح
یہ گل کی طرح اور وہ بلبل کی طرح

ہوئے شاد و خرم صغیر و کبیر — چلے لے کے نذریں امیر و وزیر
ئے عیش سے سب کو مستی ہوئی — نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے — بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے
وہ بھولا جو تھا ہجر کے داغ میں — ہوئے جا کے داخل اُسی باغ میں
زنانی سواری اتروا کے ساتھ — پکڑ اس گل نوشگفتہ کا ہاتھ
درآمد ہوا گھر میں سرو رواں — لیے ساتھ اپنے وہ غنچہ دہاں
کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی — تو دیکھا کہ ماں راہ میں ہے کھڑی
بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار — گرا ماں کے پاؤں پہ بے اختیار
وہ ماں خوب بیٹے کے لگ کر گلے — یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
بہو اور بیٹے کو چھاتی لگا — وہ دونوں کے دو ہاتھ باہم ملا
ہوئی جان اور جی سے اُن پر نثار — پیا پانی اُن دونوں پر وار وار
جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ — بجھے وصل سے ہجر کے وہ چراغ
سب آپس میں رہنے لگے مل ملا — پھر آئے چمن میں وہ گل کھلکھلا
وہ آنکھیں جو اندھی تھیں روشن ہوئیں — زمینیں جو تھیں خشک گلشن ہوئیں
زبس باپ ماں کو تھی سہرے کی چاہ — دوبارہ اُنھوں نے کیا اُس کا بیاہ
لکھوں گر میں اُس بیاہ کی دھوم دھام — تو پھر یہ کہانی نہ ہووے تمام
بنا اُن کی تقدیر کا جو بناؤ — نکالے اُنھوں نے یہ سب دل کے چاؤ
وہ جیسی کہ اس باغ میں تھی خزاں — بسے آ کے پھر اس میں سب گل رخاں
محل میں عجائب ہوئے چہچہے — وہ مرجھائے گل پھر ہوئے لہلہے

ہوا شہر پر فضل پروردگار — وہی شاہزادہ وہی شہریار
وہی لوگ اور وہی چرچے تمام — وہی ناز و انداز کے اپنے کام
وہی بلبلیں اور وہی بوستاں — شگفتہ گل و مجمع دوستاں
اُنھوں کے جہاں میں پھرے جیسے دن — ہمارے تمھارے پھریں ویسے دن
ملیں سب کے بچھڑے الٰہی تمام — بحق محمد علیہ السلام
ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم — رہیں شہر میں اپنے آباد ہم
رہے شاد نواب عالی جناب — کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطاب
خوشی اُس کی ہے سرو باغ مراد — رہے روشن اُس کا چراغ مراد
بحق حسینؓ و امام حسنؓ — رہوں شاد میں بھی غلام حسن
ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا — کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
زبس عمر کی اس کہانی میں صرف — تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر — تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی — مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں — نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا — تب اس طرح رنگیں یہ مضموں کیا
اگر واقعی غور تک کیجیے — صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیجیے
غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا — حسن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف سنیں گے کہیں گے سبھی — نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی

مرے اک مشفق ہیں مرزا قتیل — کہ ہیں شاہراہ سخن کے دلیل
سنی مثنوی جب یہ مجھ سے تمام — دیا اس کی تاریخ کو انتظام
زبس شعر کہتے ہیں وہ فارسی — ہر اک شعر اُن کا ہے جوں آرسی
اُنھوں نے شتابی اُٹھا کر قلم — یہ تاریخ کی فارسی میں رقم

قطعہ تاریخ طبع زاد مرزا قتیل

بہ تفتیش تاریخ ایں مثنوی — کہ گفتش حسن شاعر دہلوی
زدم غوطہ در بحر فکر رسا — کہ آرم بکف گوہر مدعا
بگوشم ز ہاتف رسید ایں ندا — بریں مثنوی باد ہر دل فدا

۱۱۹۹ھ

قطعہ تاریخ طبع زاد مصحفی

میاں مصحفی کو جو بھایا یہ طور — انھوں نے بھی کی فکر از راہِ غور
کہی اُس کی تاریخ یوں برمحل — یہ بُت خانۂ چین ہے بے بدل

۱۱۹۹ھ

تاریخ فخر الدین ماہر کی

سنی جب کہ ماہر نے یہ مثنوی — تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وہیں پا کر طرح — ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

۱۱۹۹ھ

تمام شد مثنوی سحرالبیان

مثنوی گلزار ارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد علیم العلام و مناجات دل ناکام در قبولیت کلام

خداوندا کہوں میں کیا زبانی — کھلا ہے تجھ پہ سب رازِ نہانی
دلوں کے بھید سے ہے تو ہی آگاہ — تو ہی اس درد کا محرم ہے واللہ
ثنا و حمد تیری کب بیاں ہو — بجائے ہر بُن مو گر زباں ہو
کروں کیا کیا ترا شکرانِ نعمت — کرامت کی مجھے الوانِ نعمت
رکھا محروم گو دولت سے یاں کی — ولیکن دی مجھے دولت زباں کی
سخن کا وہ دیا تو نے مجھے گنج — نہ آوے جس کی دولت میں کبھو[1] رنج[2]
زباں کو دی مری روشن بیانی — مثال شمع باسوز نہانی
رکھا سرسبز جوں[3] طوطی چمن میں — مجھے دی جا گلستان سخن میں
کہ تا نعت نبی کہتا رہوں میں — اسی دریا میں نت[4] بہتا رہوں میں

[1] کبھو۔ کبھی کی بجائے مستعمل تھا اب متروک ہے ۱۲ [2] رنج نہ آئے یعنی کمی نہ آئے ۱۲
[3] جوں۔ مانند۔ مثل۔ طرح ۱۲ [4] نت۔ ہمیشہ ۱۲ آسی

مثنوی سحر البیان

میر حسن دہلوی



حمد الٰہی

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم

سر لوح پر رکھ بیاض جبیں
کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی انگلی اُٹھا
ہوا حرف زن یوں کہ ربّ العلا

نہیں تیرا کوئی نہ ہوگا شریک
تری ذات ہے وحدہٗ لا شریک

پرستش کے قابل ہے تو اے کریم
کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم

رہے حمد میں تیری اے عزّ و جل
تجھے سجدے کرتا چلوں سر کے بل

ہو الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
قلم جو لکھے اس سے مقصود ہے

سبھوں کا وہی دین و ایمان ہے
یہی دل تمام اور وہی جان ہے

تر و تازہ ہے اُس سے گلزار خلق
وہ ابر کرم ہے ہوا دار خلق

اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے / ولے پرورش سب کی منظور ہے
کسی سے برآوے نہ کچھ کام جاں / جو وہ مہرباں ہو تو کُل مہرباں
اگرچہ یہاں کیا ہے اور کیا نہیں / پر اُس بن تو کوئی کسی کا نہیں
موئے پر نہیں اُس سے رفت و گذشت / اُسی کی طرف سب کی ہے بازگشت
یہ کون اور کس کی بابت رہی / موئے اور جیتے وہی ہے وہی
نہاں سب میں اور سب میں ہے آشکار / یہ سب اُسکے عالم ہیں ہژدہ ہزار
یہاں سب ہیں اُس سے وہی سب سے پیش / ہمیشہ سے ہے اور رہیگا ہمیش
چمن میں ہے وحدت کے یکتا وہ گُل / کہ مشتاق ہیں جس کے یاں جزو و کُل
اُسی سے ہے کعبہ اُسی سے کنشت / اُسی کی ہے دوزخ اُسی کا بہشت
جسے چاہے جنت میں دیوے مقام / جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام
وہ ہے مالکِ مُلکِ دنیا و دیں / ہے قبضے میں اُس کے زمان و زمیں
سدا بے نمودوں کی اُس سے نمود / دلِ بستگاں کی ہے اُس سے کشود
اُسی کی نظر سے ہے ہم سب کی دید / اُسی کے سخن پر ہے گفت و شنید
وہی نور ہے سب طرف جلوہ گر / اُسی کے یہ ذرّے ہیں شمس و قمر
نہیں اُس سے خالی غرض کوئی شے / وہ کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے
نہ گوہر میں ہے وہ نہ ہے سنگ میں / ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں
وہ ظاہر میں ہر چند ظاہر نہیں / پہ ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں

تأمل سے کیجے اگر غور کچھ / تو سب کچھ وہی ہے نہیں اور کچھ
اُسی گل کی بو سے ہے خوشبو گلاب / بھرے ہے لئے ساتھ دریا حباب
پر اس جوش میں آکے بہتا نہیں / سمجھنے کی ہے بات کہتا نہیں
قلم گو زباں لائے اپنی ہزار / لکھے کس طرح حمدِ پروردگار
کہ عاجز ہے یاں انبیا کی زباں / زبانِ قلم کو یہ قدرت کہاں؟
اِس عہدے سے کوئی بھی نکلا نہیں / سوا عجز کچھ اور یارا نہیں
وہ معبودِ یکتا خدائے جہاں / کیا جس نے بس کُن میں کون و مکاں
دیا عقل و ادراک اُس نے ہمیں / کیا خاک سے پاک اُس نے ہمیں
پیمبر کو بھیجا ہمارے لئے / وصی اور امام اُس نے پیدا کئے
جہاں کو اُنہوں نے دیا انتظام / بُرائی بھلائی سوجھائی تمام
دکھائی اُنہوں نے ہمیں راہِ راست / کہ تا ہو نہ اُس راہ کی بازخواست

نعتِ حضرتِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سو وہ کونسی راہِ شرعِ نبی / کہ رستے کو جنت کے سیدھی گئی
نبی کون یعنی رسولِ کریم / نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب / پہ علمِ لدنّی کھلا دل پہ سب

بغیر از لکھے اور کہے بے رقم — چلے حکم پر اُس کے لوح و قلم
ہوا علمِ دیں اُس کا جو آشکار — گذشتہ ہوئے حکم تقویم پار
مٹا کفر اسلام ظاہر کیا — بتوں کو خدائی سے باہر کیا
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے — بنایا نبوت کا حقدار اُسے
نبوت جو کی حق نے اُس پر تمام — لکھا اشرف الناس خیر الانام
بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے — خدا نے کیا اپنا محبوب اُسے
کروں اُسکے رتبہ کا کیا میں بیاں — کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں
مسیح اُس کے خرگاہ کا پارہ دوز — تجلی طور اُس کی مشعل فروز
خلیل اُس کے گلزار کا باغباں — سلیماں سے مُہردار اُسکے واں
خضر اُس کی سرکار کا آبدار — زرہ ساز داؤد سے واں ہزار
محمد کے مانند جگ میں نہیں — ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
یہ تھی رمز جو اُس کے سایا نہ تھا — کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کے سایہ کا تھا یہ سبب — ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب
وہ قد اس لئے تھا نہ سایا فگن — کہ تھا گل وہ اک معجزے کا بدن
بنا سایہ اُس کا نہ یہ بس قدر — نہ آیا لطافت کے باعث نظر
عجب کیا ہو اُس گل کے سایہ نہ ہو — کہ تھا وہ گل قدرتِ حق کی بو
خوش آیا نہ سایہ کو ہونا جدا — اسی نورِ حق کے رہا زیرِ پا

نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھاؤں — کسی کا نہ منہ دیکھا دیکھ اُسکے پاؤں
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر — قدم اُسکے سائے کا تھا عرش پر
نہ ہونے کی سایہ کے اک وجہ اور — مجھے خوب سوجھی ہے شرطِ غور
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر — سمجھ سایہ نورِ کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا — زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا
سیاہی کا پتلی کی ہے یہ سبب — وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں — اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں

نظر سے جو غائب وہ سایا رہا
ملائک کے دل میں سمایا رہا

منقبتِ حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نہیں ہمسر اُس کا کوئی جز علیؑ	کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی
ہوئی جو نبوت نبی پر تمام	ہوئی نعمت اُس کے وصی پر تمام
جہاں فیض سے اُسکے ہر کامیاب	نبی آفتاب و علیؑ ماہتاب
علیؑ دین و دُنیا کا سردار ہے	کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
دیارِ امامت کے گلشن کا گل	بہارِ ولایت کا باغِ سُنبل
علیؑ رازدارِ خدا و نبیؐ	خبردارِ سرِ خفی و جلی

علیؑ بندۂ خاص درگاہِ حق — علیؑ سالک و رہبرِ راہِ حق
علیؑ ولی ابنِ عمِّ رسولؐ — لقب شاہِ مردان و زوجِ بتول
کہے یوں جو چاہے کوئی بَبرے — یہ نسبت علیؑ کو نہیں غیر سے
خدا نفس پیغمبرش خواندہ است — دگر را فضیلت کجا ماندہ است؟
یہاں بات کی اب سمائی نہیں — نبیؐ اور علیؑ میں جدائی نہیں
نبیؐ اور علیؑ ہر دو نسبت بہم — دو تا و یکے چوں زبانِ قلم
علیؑ کا عدو دوزخی دوزخی — علیؑ کا محب جنتی جنتی
نبیؐ و علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ — حسینؑ ابنِ حیدرؑ یہ ہیں پنجتن
ہوئی اُن پہ دو جگ کی خوبی تمام — اُنہوں پر درود اور اُنہوں پر سلام
علیؑ سے لگا تا بہ مہدیؑ دیں — یہ ہیں ایک نورِ خدائے بریں
اُنہی سے ہے قایم امامت کا گھر — کہ بارہ ستوں ہیں یہ اثنا عشر
صغیرہ کبیرہ سے یہ پاک ہیں — حسابِ عمل سے یہ بیباک ہیں

ہوا یاں سے ظاہر کمالِ رسولؐ
کہ بہتر ہوئی سب سے آلِ رسولؐ

تعریفِ اصحابِ پاک رضوان اللہ علیہم

سلام اُن پہ جو اُسکے اصحاب ہیں — وہ اصحاب کیسے کہ احباب ہیں

خدا نے انہوں کو کہا مومنیں — وہ ہیں زینتِ آسمان و زمیں
خدا اُن سے راضی رسولؐ اُن سے خوش — علیؑ اُن سے راضی بتول اُن سے خوش

ہوئی فرض انکی ہمیں دوستی
کہ ہیں دل سے وہ جاں نثارِ نبیؐ

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الٰہی بحقِ رسولؐ امیں — بحقِ علیؑ و باصحابِ دیں
بحقِ بتول و بہ آلِ رسولؐ — کروں عرض جو میں سو ہووے قبول
الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں — گناہوں سے اپنے گرانبار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار — کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
مری عرض یہ ہی کہ جب تک جیوں — شرابِ محبت کو تیری پیوں
سوا تیری اُلفت کے اور سب ہے ہیچ — یہی ہو - نہو اور کچھ اینچ پیچ
جو غم ہو تو ہو آلِ احمدؐ کا غم — سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم
رہے سب طرف سے مرے دل کو چین — بحقِ حسنؑ اور بحقِ حسینؑ
کسی سے نہ کرنی پڑے التجا — تو کر خود بخود میری حاجت روا
صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ — خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ
مری آل و اولاد کو شاد رکھ — مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
میں کہتا ہوں جنکا نمک اے کریم — سدا رحم کر اُن پہ تو اے رحیم

جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ
رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ

بر آویں مرے دین و دنیا کے کام
بحق محمد علیہ السلام

تعریفِ سخن

پلا مجھ کو ساقی شرابِ سخن
کہ مفتوح ہو جس سے بابِ سخن

سخن کی مجھے فکر دن رات ہے
سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے

سخن کے طلبگار ہیں عقلمند
سخن سے ہے نام نکویاں بلند

سخن کی کریں فکر مردان کار
سخن نام ان کا رکھے برقرار

سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام
جنہیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام

سخن سے سلف کی بھلائی رہی
زبانِ قلم کی بڑائی رہی

کہاں رستم و گیو و افراسیاب
سخن سے رہی بات یہ نقل خواب

سخن کا صلہ یار دیتے رہے
جواہر سدا مول لیتے رہے

سخن کا سدا گرم بازار رہے
سخن سنج اس کا خریدار رہے

رہے جب تلک داستانِ سخن
الٰہی رہیں قدردانِ سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

خدیو فلک شاہِ عالی گہر
زمین و زمن جس کے ہیں شمس و قمر

جہاں اس کے پرتو سے ہے کامیاب
وہ ہے برجِ اقلیم میں آفتاب

اسی مہر سے ہے منور یہ ماہ
جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ

وہ مہرِ منور یہ ماہِ منیر
اور اس کا یہ نجم سعادت وزیر

مدح وزیر الممالک جناب نواب آصف الدولہ بہادر کی

فلک رتبہ نواب عالی جناب
کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطاب

وزیر جہاں حاکمِ عدل و داد
ہے آبادی ملک جس کی مراد

جہاں عدل سے اس کے آباد ہے
فقیروں غریبوں کا دل شاد ہے

پھرے بھاگتا ہو کے فیل مست
زبردست ظالم پہ ہے زیردست

کتاں پر کرے ماہ اگر بد نظر
تو آدھا ادھر ہو اور آدھا ادھر

کسی کا اگر مفت لے زلف دل
تو کھایا کرے پیچ وہ متصل

وہ انصاف سے جو گذرتا نہیں
کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں

نہ ہو باگھ بکری میں کچھ گفتگو
اگر اس کا چیتا ہووے کبھو

گر آواز سن سپید کی کچھ کہے
تو باز آئے ہیچ کہہ بیٹھی رہے

پھرے شمع کے گرد گر آکے چور — صبا کھینچ لیجائے اُس کو بزور
نہ لے جب تلک شمع پروانگی — پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی
اگر آپ سے اُس پہ آکر گرے — تو فانوس میں شمع چھُپتی پھرے
گرا جیا تا اُس کے گر بال و پر — تو لگ لیوے شمع کا کاٹ سر
اُسے عدل کی جو طرح یاد ہے — کسے یاد ہے یہ خداداد ہے
ستم اُس کے ہاتھوں سے رویا کرے — سدا آفتِ دہر سویا کرے
گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں سب — پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب

وہی باعثِ امنِ خورد و کلاں
کہ ہے نام سے اُسکے مشتق اماں

بیان سخاوت کا

بیانِ سخاوت کروں جو رقم — تو زریز کاغذ پہ ہووے قلم
نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر — دیا مثلِ نرگس اُسے سیم و زر
سخاوت یہ ایک اُسکی ادنیٰ سی ہے — کہ اک دن دوشالے دیئے سات سے
سوا اس کے ہے اور یہ داستاں — کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جاں
ہوئی کم جو اک بار کچھ برشگال — گرانی سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا — توکل کا بھی پانوں چلنے لگا

وزیر الممالک نے تدبیر کر — خدا کی دیا راہ میں مال و زر
محلہ محلہ کیا حکم یہ — کہ نا رُڑے سے اس غم کی کھولیں گرہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیئے — کئی لاکھ لاکھ ایک دن میں دیئے
یہ لغزش پڑی مُلک میں جو تمام — لیا ہاتھ نے اُسکے گرتوں کو تھام
یہ بندہ نوازی یہ جاں پروری — یہ آئینِ سرداری و سروری
ہوئی ذات پر اُس سخی کی تمام — تکلف ہے آگے سخاوت کا نام
فقیروں کی ہو یاں تلک تونگری — کہ ایک ایک یاں ہو گیا ہے غنی
ہو کیا خجل آواز دے جو گدا — چٹک کی کلی کی نہ ہووے صدا
نہ ہو اُس کا شامل جو ابرِ کرم — اثر ابرِ نیساں سے ہووے عدم
قدح لیکے نرگس جو ہووے کھڑی — تو خجلت سے جاوے زمیں میں گڑی
ہر اک کام اُسکا جہاں کی مُراد — فلاطوں طبیعت ارسطو نژاد

جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر
تب اُس کو ملا ہے یہ کچھ مال و زر

بیان شجاعت کا

لکھوں گر شجاعت کا اُسکی بیاں — قلم ہو مرا رستمِ داستاں
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جو سر اُٹھائے — اجل کا طپانچہ سا منہ اُسکی کھائے

کرے جس جگہ نور اُس کا نمود — دلِ آہن اُس جا پہ ہو دے کبود
چلے تیغ گر اُس کی روزِ مصاف — نظر آئے دشمن سے میدان صاف
اگر بیحیائی سے کوئی عدو — ملا دیوے اُس تیغ سے مُنہ کبھو
تو ایسی ہی کھا کر گرے سر کے بل — کہ سر پر کھڑی اُس کے رووے اجل
نہ ہو کیونکہ وہ تیغ برقِ غضب — کہ دشمن کی تشدید جوہر ہیں سب
ہوئی ہم قسم اُس کی تیغِ اجل — نکل آئے یہ گر پڑے وہ اوگل
لگا دے اگر کوہ پر ایک بار — گذر جائے یُوں جیسے صابن سے تار
غضب سے غضب اُس کے کانپا کرے — تہوّر سے ہیبت بھی اُس کے ڈرے
اور اُس در پہ ہے یہ حلم و حیا — کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا
جہاںتک کہ ہیں علم و کسب و کمال — ہر اک فن میں ماہر ہے وُہ خوش خصال
سخن داں سخن سنج شیریں بیاں — وزیرِ جہان و وحیدِ زماں
سخن کی نہیں اُس سے پوشیدہ بات — غوامض ہیں سب حل اُنکے نکات
سلیقہ ہر اِک فن میں ہر بات میں — نکلتی نئی بات دن رات میں
سدا سیر پر اور تماشے پہ دِل — کُشادہ دِلی اور خوشی متصل
نہو اُس کو کیونکر ہوائے شکار — تہوّر شعاروں کا ہے یہ شعار
دلیروں کو ہے بس دلیری سے کام — کہ رہتا ہے شیروں کو شیری سے کام
شہاں را ضرور است مشقِ شکار — کہ آید پئے صیدِ دلہا بکار

کھُلے بند ہیں جتنے صحرا میں صید — ہیں نواب کے دامِ اُلفت میں قید
ز بہرِ شش دل آہوواں سوختہ — بفتراک او چشمہا دوختہ
شجاعت کا ہمت کا یہ کام ہے — درم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے
نہ ہوتا اگر اُس کو عزمِ شکار — درندوں سے بچتا نہ شہر و دیار
نہ بچتے جہاں بیچ خُرد و بُزرگ — یہ ہو جاتے سب لُقمۂ شیر و گرگ
یہ دُنیا پہ اِک اُس کا احسان ہے — کہ بےخوف انسان کی جان ہے
بنائی جہاں اُس نے نخچیر گاہ — رہے صید واں آکے شام و پگاہ
رکھا صیدِ بحری پہ جس دم خیال — لیا پُشت پر اپنی ماہی نے جال
مگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر — کہ تا اُس پہ گرتے ہیں آن آن کر
نہ جھجو نکلتی ہے دریا میں سونس — خوشی سے اُچھلتی ہے دریا میں سونس
چرندوں کا دل اُس طرف ہے لگا — پرندوں کو رہتی ہے اُس کی ہوا
پلنگوں کا ہے بلکہ چیتا یہی — مگر آ بندھا وے تب ہی کوئی
خبر اُس کی سنکر گینڈا جیسے — کہ ہاتھی بھی ہو مست اینڈا پھرے
جو کچھ دل میں گینڈے کے آوے خیال — تو بھاگے اُس آگے سپر اپنی ڈال
کھڑے اپنے ہوتے ہیں سر جوڑ جوڑ — کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ
اطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل — رواں اُن کی آنکھوں سے ہے رودِ نیل
سو وُہ تو اطاعت میں یکدست ہیں — نشے میں محبت کے سب مست ہیں

اُسی کے لئے گو کہ ہیں یہ پہاڑ — قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ
کہ شاید عفیف سواری سے ہوں — سرافراز چل کر عماری سے ہوں
چلن جب کہ ہوویں یہ حیواں کے — تو پھر حق بجانب ہے انسان کے

کیے ہو نہ حجت کی اُس کی ہوس
ولے کیا کریں جو نہ ہو دسترس

عجز و انکسارِ مصنفؒ اور عرض کرنا داستان کا

فلک بارگاہا مَلک دستگاہا — جُدا میں جو قدموں سے تیرے رہا
نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے — رکھا مجھ کو محروم تقدیر نے
پر اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش — دیا ہے مدد سے تری مجھ کو ہوش
سو میں اک کہانی بنا کر نئی — دُرِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہرِ نیاز — یہ اُمید ہے پھر کہ ہوں سرفراز
مرا عذرِ تقصیر ہووے قبول — بحقِ علی و بآلِ رسول
رہیں شاد و آباد کل خیر خواہ — پھریں اس گھرانے کے دشمن تباہ
رہے جاہ و حشمت ترا یہ مدام — بحقِ محمد علیہ السلام

اب آگے کہانی کی ہے داستاں
ذرا سنیے دل دے کے اُسکا بیاں

آغازِ داستان

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ — کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و منال — بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشہ اسکو دیتے تھے باج — خطا و خُتن سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آکے جب اُس کی فوج — تو کہتا کہ ہے بحرِ ہستی کی موج
طویلے کے اُس کے جو ادنیٰ تھے خر — اُنہیں نعلبندی میں ملتا تھا زر
جہاں تک کہ سرکش تھے اطراف کے — وہ اُس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے
رعیت تھی آسودہ و بے خطر — نہ غم مفلسی کا نہ چوری کا ڈر
عجب شہر تھا اُسکا مینو سواد — کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد
لگے تھے ہر اک جا پہ واں سنگ و خشت — ہر اک کوچہ اُس کا تھا رشکِ بہشت
زمیں شہر و سیرابِ عالم تمام — نظر کو تراوٹ وہاں صبح و شام
عمارت تھی گچ کی وہاں بیشتر — کہ پھسلے صفائی سے جس پر نظر
کہیں چاہ و منبع کہیں حوض و نہر — ہر اک جا پہ آبِ لطافت کی لہر
کروں اُس کی وسعت کا کیا میں بیاں — کہ جوں اصفہاں تھا وہ نصفِ جہاں
ہنرمند واں اہلِ حرفہ تمام — ہر اک نوعِ خلقت کا تھا ازدحام
یہ دلچسپ بازار تھا چوک کا — کہ ٹھہرے جہاں پر وہیں دل لگا

یہاں تک کہ رستے تھے بازار کے
کہے تو کہ دستے تھے گلزار کے

وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
سپیدی پہ جن کی نہ ٹھہرے نظر

صفا پر جو اُن کی نظر کر گئے
اُنہیں دیکھ کر سنگ مرمر گئے

کہوں قلعہ کی اُس کے میں کیا شکوہ
گئے دب بلندی کو دیکھ اُس کی کوہ

وہ دولت سرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی رات دن سیرِ باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ

سدا عیش و عشرت سدا راگ و رنگ
نہ تھا زیست سے اپنی کوئی بھی تنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا وہ عجب بادشاہ

نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر
ہوئے اُس کی دولت سے گھر گھر امیر

کہاں تک کہوں اُس کا جاہ و حشم
محل و مکاں اُس کے رشکِ ارم

سدا ماہ رویوں سے صحبت اُسے
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اُسے

ہزاروں پری پیکر اُس کے غلام
کمر بستہ خدمت میں حاضر مدام

کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم
مگر ایک اولاد کا تھا الم

اِسی بات کا دِل پہ اُس کے تھا داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

دِنوں کا عجب اُس کے یہ پھیر تھا
کہ اُس روشنی پر یہ اندھیر تھا

وزیروں کو اک روز اُس نے بلا
جو کچھ دل کا احوال تھا سو کہا

کہ میں کیا کروں گا یہ مال و منال
فقیری کا ہے میرے دل میں خیال

فقیر اب نہوں تو کروں کیا علاج
نہ پیدا ہوا وارثِ تخت و تاج

جوانی تو میری گئی اب گذر
نمودار پیری ہوئی سر بسر

دریغا کہ عہدِ جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت

بہت مُلک پر جان کھویا کیا
بہت فکرِ دنیا میں سویا کیا

"زہے بے تمیزی و بے حاصلی
کہ از فکرِ دُنیا و دیں غافلی"

وزیروں نے کی عرض کا ے آفتاب
نہ ہو ذرہ تجھ کو کبھی اضطراب

فقیری جو کیجے تو دُنیا کے ساتھ
نہیں خوب جانا اُدھر خالی ہاتھ

کرو سلطنت لیکن اعمال نیک
کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک

جو عاقل ہوں وہ سوچ میں تک رہیں
کہ ایسا نہ ہووے جو پھر سب کہیں

"تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسماں نیز پرداختی"

یہ دُنیا جو ہے مزرعِ آخرت
فقیری میں نقصان کرو اسکو مت

عبادت سے اس کشت کو آب دو
کہ واں جا کے خرمن بھی تیار لو

رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات
کہ اس فیض سے ہو تمہاری نجات

مگر ہاں جو اولاد کا ہے غم
سو اس کا تردد بھی کرتے ہیں ہم

عجب کیا کہ ہووے تمہارے خلف
کرو تم نہ اوقات اپنی تلف

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو
کہ قرآں میں آیا ہے لا تقنطوا

بُلاتے ہیں ہم اہلِ تنجیم کو
نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو

تسلی تو دی شاہ کو اِس نمط / وے اہلِ تنجیم کو بھیجے خط
نجومی و رمّال اور برہمن / غرض یاد تھا جنکو اُس ڈھب کا فن
بُلا کر انہیں شہ کنے لے گئے / جو ہیں روبرو سب وُہ شہ کے لئے
پڑا جب نظر وُہ مہِ تاج و تخت / دُعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار بخت
کیا قاعدے سے ٹھہر کر سلام / کہا شہ نے میں تم سے رکھتا ہوں کام
نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب / مرا ہے سوال اُس کا لکھو جواب
نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں / کسی سے بھی اولاد ہے یا نہیں
یہ سُنکر وُہ رمّال طالع شناس / لگے کھینچنے زائچے بے قیاس
دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ / کیا دھیان اولاد کا اُسکے ساتھ
جو پھینکا تو شکلیں کئی بیٹھیں مِل / کسی شکل سے دل گیا اُنکا کھِل
جماعت نے رمّال کی عرض کی / کہ ہے گھر میں اُمید کی کچھ خوشی
یہ سُن ہم سے اَے عالموں کے شفیق / بہت ہم نے تکرار کی ہر طریق
بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی / تو ایک ایک نقطے سے ہے فردِ خوشی
ہے اس بات پر اجتماعِ تمام / کہ طالع میں فرزند ہے تیرے نام
زن و زوج کی شکل میں ہو فرح / پیا کرے وصل کا تو قدح
نجومی بھی سب کہنے لگے در جواب / کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب
نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل / عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل

ستاروں نے طالع کے بدلے ہیں طور / خوشی کا کوئی دم میں آتا ہے دور
نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر / تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر
کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار / تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار
جنم پتر شاہ کا دیکھ کر / [illegible] اور پرچا پہ کر کے نظر
کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا / چندرمان سا بالک ترے ہوویگا
نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن / نہ ہو گر خوشی تو نہیں برہمن
مہاراج کے ہونگے مقصد شتاب / گر آیا ہے اب پانچویں آفتاب
نصیبوں نے کی آپکے یاوری / گر آئی ہے اب پانچویں مشتری
مقرر ترے چاند سے ہو پسر / کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی خبر
ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی / کہ نہیں اس کے کہنے میں کچھ اور جی
یہ لڑکا تو ہوگا ولے کیا نہیں / خطر ہے [illegible]
نہ آوے یہ خورشید بالائے بام / بلندی سے خطرہ ہے اسکو تمام
نہ نکلے یہ بارہ برس [illegible] / [illegible]
کہا اُس نے یہ سُنکے [illegible] / کہ [illegible] کو خطرہ تو [illegible] نہیں
کہا جان کی سب طرح خیر ہے / مگر دشتِ غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اُس پہ عاشق ہو جن و پری / [illegible]
کچھ ایسا نکلتا ہے پوتھی میں اب / خرابی ہو اس [illegible] کے سبب

ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم
کہ دنیا میں توام ہیں شادی و غم

کہا شہ نے اس پہ نہیں اختیار
جو چاہے کرے میرا پروردگار

یہ فرما محل میں در آمد ہوئے
منجم وہاں سے برآمد ہوئے

خدا پر بس اسکو تھا اعتقاد
لگا مانگنے اپنے حق سے مراد

خدا سے لگا کرنے وہ التجا
لگا آپ مسجد میں رکھنے دیا

نکالا مرادوں کا آخر سراغ
لگائی ادھر لو تو پایا چراغ

سحاب کرم نے کیا جو اثر
ہوئی کشت امید کی بارور

اسی سال میں یہ تماشا سنو
رہا حمل اک زوجۂ شاہ کو

جو کچھ دل پہ گذرے تھے رنج و تعب
مبدل ہوئے وہ خوشی ساتھ سب

داستان تولد ہونے شاہزادہ بےنظیر کی

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کوئی دن میں بجتا ہے چنگ و رباب

کروں نغمۂ تہنیت کو شروع
کہ اک نیک اختر کرے ہے طلوع

گئے نو مہینے جب اس پر گذر
ہوا گھر میں شہ کے تولد پسر

عجب صاحب حسن پیدا ہوا
جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا

نظر کو نہ ہو حسن پر اس کے تاب
اسے دیکھ بیتاب ہو آفتاب

ہوا وہ جو اس گل سے دلپذیر
رکھا نام اس کا شہ بےنظیر

خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا
کئی نذریں گذرانیاں اور کہا

مبارک تجھے اے شہ نیکبخت
کہ پیدا ہوا وارث تاج و تخت

سکندر نژاد اور دارا حشم
فلک مرتبت اور عطارد رقم

رہے اس کے اقلیم زیر نگیں
غلامی کریں اس کی خاقان چیں

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جانماز
کئے لاکھ سجدے کہ اے بےنیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

دوگانہ غرض شکر کا کر ادا
تہیہ کیا شاہ نے جشن کا

وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے
انہیں خلعت و زر کا انعام دے

کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو
کہو خانساماں سے تیار ہو

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا
کہ نقارخانے میں دو حکم جا

کہ نوبت خوشی کی بجا دیں تمام
خبر سن کے یہ شاد ہوں خاص و عام

یہ مژدہ جو پہنچا تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ اور زری

بنا ٹھاٹھ نقارخانے کا سب
مہیا کر اسباب عیش و طرب

غلاف ان پہ بانات پُرزر کے ٹانک
ستاروں سے تا قد کو سینک ٹانک

دیا زیر کو پہلے بم سے ملا
لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا

کہا زیر نے بم سے بہر شگوں
کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

نئے شادیانے بجے واں اُس گھڑی ہوئی گرد پیش آ کے خلقت کھڑی
بہم مل کے بیٹھے جو سب خوش نواز بنا منہ سے پھر کی لگا اُس پہ ساز
سُروں پر وہ سر بیچ معقول کے خوشی سے ہوئے گال گل پھول کے
لگے لینے اس بیچ خوشی سے تنی ارارا لگا بجنے اور دو گھڑی
جھکوروں میں نوبت کی شادی کی دھن کٹکٹ بجنے والوں کو کرتی تھی سُن
تُرھی اور قرنائے شادی کے دم لگے بھرنے نزل اور کھرج میں بہم
سُنی جھانجھ نے جو خوشی کی نوا تھرکنے لگا تالیوں کو بجا
نئے سر سے عالم کو عشرت ہوئی کہ لڑکے کے ہونے کی نوبت ہوئی
محل سے لگا تا بہ دیوانِ عام عجب طرح کا اک ہوا اژدہام
چلے لے کے نذریں امیر و وزیر لگے کھینچنے زر کے تودے فقیر
دیے شاہ نے شاہزادے کے ناؤں مشائخ کو اور پیرزادوں کو گاؤں
امیروں کو جاگیر لشکر کو زر وزیروں کو الماس و لعل و گہر
خواصوں کو خوجوں کو جوڑے نئے پیادے جو تھے اُن کو گھوڑے نئے
خوشی سے کیا یاں تلک زر نثار جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار
کیا بھانڈ اور بھگتیوں نے ہجوم ہوئی آ کے آگے مبارک کی دھوم
لگا کنچنی چونا پُرنی تمام کہاں تک میں لوں گنتکاروں کے نام
جہاں تک کہ سازندے تھے ساز کے دھنی دست کے اور آواز کے

جہاں تک کہ تھے گائک اور رہتکار لگے گانے اور ناچنے ایک بار
لگے بجنے قانون و بین و رباب بہا ہر طرف جوئے عشرت کا آب
لگی تھاپ طبلوں کی مردنگ کی صدا اونچی ہونے لگی چنگ کی
کھاوجوں کو سارنگیوں کو بنا خوشی سے ہر اک اُن کی طرح میں ملا
لگا موم تاروں پہ مُرچنگ کے ملا سُر طنبوروں کے مردنگ کے
ستاروں کے پردے بنا کر درست بجانے لگے سب وہ چالاک و چست
گئی بائیں کی آسماں تک گمک اُٹھا گنبدِ چرخ سارا دھمک
خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط لگے ناچنے اُس پہ اہلِ نشاط
کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے وہ پانوں کے گھنگرو جھنکتے ہوئے
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں
وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
کبھی اُن کو پانوں سے مل ڈالنا نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
دکھانا کبھی اپنی چھب مسکرا کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا
کسی کے چمکتے ہوئے نورتن کسی کے وہ مکھڑے پہ نتھ کی پھبن
وہ دانتوں کی مسّی وہ لب برگِ تر شفق میں عیاں جیسے شام و سحر
وہ گرمی تھی چہرے کی جوں آفتاب جسے دیکھ دل کو ہوا اضطراب
چمکنا گلوں کا صفا کے سبب وہ گردن کے ڈورے قیامت غضب

کبھی منہ کے تئیں پھیر لینا اُدھر — کبھی چوری چوری سے کرنا نظر
دوپٹے کو کرنا کبھی منہ کی اوٹ — کہ پردے میں ہو جائے دل لوٹ پوٹ
ہر اک تان میں اُن کو ارمان یہ — کہ دِل بیچئے تان کی جان یہ
کوئی فن میں سنگیت کے شعلہ رو — برم جوگ پچھی لئے پر ملو
کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پاؤں تلے — کھڑی عاشقوں کے دلوں کو ملے
کوئی دائرے میں بجا کر پرن — کوئی دمدمے میں جتا اپنا فن
غرض ہر طرح دِل کو لینا انہیں — نئی طرح سے داغ دینا انہیں
کبھی مار ٹھوکر کریں قتلِ عام — کبھی ہاتھ اُٹھا لیویں گر توں کو تھام
کہیں دُھرپد اور گیت کا شور و غل — کہیں قول و قلبانہ و نقش و گل
کہیں بھانڈ اور لولیوں کا سماں — کہیں ناچ کشمیریوں کا وہاں
مجیرا پکھاوج گلے ڈال ڈھول — بجاتے تھے اُس جا کھڑے باندھ غول
محل میں جو دیکھا تو اِک اژدہام — مُبارک سلامت کی تھی دُھوم دھام
پری پیکروں کا ہر اِک جا ہجوم — وہاں بھی پڑی عیش و عشرت کی دھوم
چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات — کہ دن عید اور رات تھی شب برات
بڑھے ابر ہی ابر میں جوں ہلال — محل میں لگا پلنے وُہ نونہال
برس گانٹھ جس سال اُس کی ہُوئی — دلِ بستگاں کی گِرہ کھُل گئی
وُہ گل جبکہ چوتھے برس میں لگا — بڑھایا گیا دُودھ اُس ماہ کا

ہُوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم — اُسی طرح سے پھر ہُوا واں ہجوم
طوائف وُہی اور وُہی راگ رنگ — ہُوئی بلکہ دُونی خوشی کی ترنگ
وُہ گُل پاؤں سے اپنے جس جا چلا — وہاں آنکھ کو نرگسوں نے مَلا

لگا پھرنے وُہ سرو جب پاؤں پاؤں — کئے بردے آزاد تب اُس کے ناؤں

داستان تیاری میں باغ کی

مئے ارغوانی پلا ساقیا — کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کی وُہ شان — لگے جس میں زربفت کے سائبان
چھتیں اور پردے بندھے زرنگار — دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈورے سے زہ پہ اٹکا ہوا — کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وُہ مُقیش کی ڈوریاں سربسر — کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر
پچھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال — نظر کو وہاں سے گذرنا محال
سُنہری مغرق چھتیں ساریاں — وُہ دیوار اور در کی گلکاریاں
دیئے ہر طرف آئینے جو لگا — کیا چوگنا لطف اُس میں سما
وُہ مخمل کا فرش اُس کا سُتھرا کہ بس — بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

رہیں لخلخے اس میں روشن مدام
معطر شب و روز جس سے مشام

چھپر کھٹ مرصع کا دالان میں
چمکتا دمکتا تھا ہر آن میں

زمیں پر تھی اس طور اس کی جھمک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں اس کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اس کے سرو سہی
ذرا دور دور اس سے سیب و بہی

کہوں کیا میں کیفیت داربست
لگا سے رہیں تاک دامن پرست

ہوائے بہاری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب تھے اور ہرے

زمرد کی مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار
گل اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغوان اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چمپا کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ

کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ کے زعفرانی چمن

پڑا آب جو ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اسی اپنے عالم میں منہ چومنا

وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر

لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں
چمن کو لگیں دیکھنے بھالنیں

کہیں تخم پاشی کریں گود کر
پنیری جماویں کہیں کھود کر

کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں تھے جوں مست گردن میں ڈال

لب جو پہ بیٹھے ہیں کچھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد

گلستاں کا صحن چمن چار سو
دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو

کھڑے نہر پر تازہ برق سے
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے

ہوا تو پھولوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور

چمن آتش گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے خوب
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھب
کہیں جائیں آنکھیں لیے جگنا تو

خوشی سے گلوں پہ گریں بلبلیں
تعشق کی آپس میں باتیں کریں

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں نسترن کا دکھا اس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا

دداوانیاں اور مغلانیاں
پھریں ہر طرف اُس میں جلوہ کناں

خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہجوم
محل کی وہ چہلیں وہ عشرت کی دھوم

تکلف کے پہنے پھریں سب لباس
رہیں رات دن شاہزادے کے پاس

کنیزانِ مہ رو کی ہر طرف ریل
چنبیلی کوئی اور کوئی رائے بیل

رنگیلی کوئی اور کوئی شام روپ
کوئی چت لگن اور کوئی کام روپ

کوئی کیتکی اور کوئی گلاب
کوئی مہر رتن اور کوئی مہتاب

کوئی سیوتی اور ہنس مکھ کوئی
کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی

اِدھر اور اُدھر آتیاں جاتیاں
پھریں اپنے جوبن پہ اتراتیاں

کہیں اپنے پٹے سنوارے کوئی
"اری او سہیلی" پکارے کوئی

کہیں چٹکیاں اور کہیں تالیاں
کہیں قہقہے اور کہیں گالیاں

بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے
کہیں "واہ وا" اور کہیں "وا اچھڑے"

دکھاوے کوئی گوکھرو موڑ موڑ
کہیں سرت بوٹے کہیں تار توڑ

ادا سے کوئی بیٹھی حقہ پیے
دمِ دوستی کوئی بھر بھر جیے

کوئی حوض میں جا کے غوطہ لگائے
کوئی نہر پہ پاؤں بیٹھی ہلائے

کوئی اپنے طوطے کی لیوے خبر
کوئی اپنی مینا پہ رکھے نظر

کسی کو کوئی ڈھول مارے کہیں
کوئی جان کو اپنی وارے کہیں

کوئی آرسی اپنے آگے دھرے
ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے

مقابہ کوئی کھول مستی لگائے
لبوں پر دھڑی کوئی اپنے جمائے

ہوا اُن گلوں سے دوبالا سماں
اُسی باغ میں تھا وہ سروِ رواں

غرض لوگ تھے یہ جو ہر کام کے
یہ سب واسطے اس کے آرام کے

پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ
پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ

ہوئی اُس کے مکتب کی شادی عیاں
ہوا پھر اُنہیں شادیوں کا سماں

معلم اتالیق منشی ادیب
ہر اک فن کے اُستاد بیٹھے قریب

کیا قاعدے سے شروع کلام
پڑھانے لگے علم اُس کو تمام

دیا تھا زبس حق نے ذہنِ رسا
کئی سال میں علم سب پڑھ چکا

معانی و منطق بیان و ادب
پڑھا اُس نے معقول و منقول سب

خبردار حکمت کے مضمون سے
غرض جو پڑھا اُس نے قانون سے

لگا ہیئت و ہندسہ تا نجوم
زمین آسماں میں پڑی اُس کی دھوم

کیے علم نوکِ زباں حرف حرف
اسی نحو سے اُس نے کی عمر صرف

عطارد کو آنے لگی اُس کی ریس
ہوا سادہ لوحی میں وہ خوشنویس

ہوا جبکہ نوخط وہ شیریں رقم
پڑھا کر لکھے سات سے تو قلم

لیا ہاتھ جب خامۂ مشکبار
لکھا نسخ و ریحان و خطِ غبار

عروس الخطوط اور ثلث و رقاع
خفی اور جلی شکل خطِ شعاع

شکستہ لکھا اور تعلیق جب
رہے دیکھ حیران استاد سب

کیا خط گزارے جب فراغ | ہوا صفحۂ قطعہ گلزارِ باغ
کرو علم اُس کا کہاں تک عیاں | کہ ہے خوب اب مختصر یہ بیاں
کماں کے جو دورے ہوا بے نظیر | لیا کھینچ چلّے میں سب فن تیر
صفائی میں سوفار پیکاں کیا | گیا جب کہ تودہ پہ طوفاں کیا
رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی پہ من | کیا اپنے قبضہ میں سب اُس کا فن
ہوئیں دست بازو کی سرسائیاں | اُٹھائیں کئی ہاتھ میں گھائیاں
رکھا موسیقی پہ جو کچھ خیال | کئے قید سب اُس نے ہاتھوں میں تال
طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر | رکھے رنگ سب اُس کے زیرِ نظر
کئی دن میں سیکھا یہ کسبِ تفنگ | کہ حیراں ہوئے دیکھ اہلِ فرنگ
سوا ان کماؤں کے کتنے کمال | مروت کی خو آدمیت کی چال
رذالوں سے نفروں سے نفرت اُسے | سدا قابلوں سے ہی صحبت اُسے

گیا نام پر اپنے وہ دلپذیر
ہر اک فن میں سچ مچ ہوا بے نظیر

داستان سواری کی تیاری کے حکم میں

پلا ساقیا مجھ کو اک جامِ مُل | جوانی میں آئے ہیں ایامِ گل
غنیمت شمر صحبتِ دوستاں | کہ گل پنج روز است در بوستاں

ثمر لے بھلائی کا گر ہو سکے | شتابی سے بوئے جو کچھ بو سکے
کہ رنگِ چمن پر نہیں اعتبار | یہاں چرخ میں ہے خزان و بہار
پڑی جب گرہ بارھویں سال کی | کھلی گلجھڑی غم کے جنجال کی
کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام | کہ ہوں صبح حاضر سبھی خاص و عام
سواری تکلف سے تیار ہو | مہیا کریں جو کہ درکار ہو
کریں شہر کو مل کے آئینہ بند | سواری کا ہو لطف جس سے دوچند
رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر | کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر
یہ فرما محل میں گیا بادشاہ | نقیبوں نے سن حکم لی اپنی راہ
ہوئی شب لیا مہ نے جامِ شراب | گیا سجدۂ شکر میں آفتاب
خوشی میں گئی جلد جو شب گزر | ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
عجب شب تھی وہ جوں سحر رو سفید | عجب روز تھا مثلِ روزِ امید
گیا مژدۂ صبح لے ماہتاب | اُٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب

کہا شاہ نے اپنے فرزند کو
کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

داستان حمام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب پیرِ مغاں | کہ دھو لے مجھے گردِ ہمّ دو جہاں

اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین / نہ دینا وہ ساغر جو ہو قلتین
کدورت مرے دل کی دھو ساقیا / ذرا شیشۂ مے کو دھو دھلکے لا
کہ سرگرم حمام ہے بے نظیر / گیا ہے نہانے کو بدرِ منیر
ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں / عرق آگیا اُس کے اندام میں
تنِ نازنیں نم ہوا اُس کا کُل / کہ جوں صبح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لُنگیاں / مہ و مشتری سے طاس ہر یک وہاں
لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن / ہوا ڈہڈہا آب سے وہ چمن
نہانے میں یُوں تھی بدن کی دمک / برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر / نظر آئے جیسے وہ گلبرگ تر
ہوا قطرۂ آب یُوں چشم پر / کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اوس
لگا ہونے ظاہر جو اعجازِ حُسن / ٹپکنے لگا اُس سے اندازِ حُسن
گیا حوض میں جب شہِ بے نظیر / پڑا آب میں عکسِ ماہِ منیر
وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر / کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب / نہ دیکھی کوئی خوب تر اُس سے شب
کہوں اُس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات / کہ جُوں بھیگتی جائے صحبت میں رات
زمیں پر تھا اک موجۂ نور خیز / ہوا جب وہ فوارہ ساں آبریز
زمرد کے لے ہاتھ میں سنگِ پا / کیا خادموں نے جو آہنگ پا

ہنسا کھلکھلا وہ گلِ نوبہار / لیا کھینچ پانوں کو بے اختیار
عجب عالم اُس نازنیں پر ہوا / اثر گُدگُدی کا جبیں پر ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے / ہوئے جی سے قربان چھوٹے بڑے
دُعائیں لگے دینے بے اختیار / کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار
کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی / مُبارک تجھے روز و شب کی خوشی
نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل / چمکتا رہے یہ فلک کا سُہیل
کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ / اُٹھا کھیس لائے اُسے ہاتھوں ہاتھ
نہا دھو کے نکلا وہ گُل اس طرح / کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح
غرض شاہزادے کو نہلا دُھلا / دیا خلعتِ خُسروانہ پنہا
جواہر سراسر پنہایا اُسے / جواہر کا دریا بنایا اُسے
کڑے کنگن اور کلغی اور نورتن / کیا ایک سے ایک زیبِ بدن
مُرصع کا سرپیچ جُوں موجِ آب / منور بشکلِ رُخِ آفتاب
وہ موتی کے مالے بصد زیب و زین / کہیں جس کو آرامِ جاں دل کا چین
جواہر کا تن پر عجب تھا ظہور / کہ اک اک عدد اُس کا تھا کوہِ طور
غرض ہو کے اِس طرح آراستہ / خوش اُس سے ہوا وہ نوخاستہ
نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار / کیے خوان گوہر کے اُس پر نثار
زبس تھا سواری کا باہر ہجوم / ہوا جب کہ ٹوکا پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھی ہاتھیوں کی قطار

سواری شاہزادہ بےنظیر جانب باغ

سنہری روپہلی وہ عماریاں | شبِ روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشاں | سواروں کے جتھ وہ بانکی شاں
ہزاروں ہی اطراف میں پالکی | جھلابور کی جگمگی
کہاروں کی زربفت کی کرتیاں | اور انکے ڈبے پانوں کی جوتیاں
بندھیں پگڑیاں تاش کی سر اُپر | چکاچوند میں جس سے آوے نظر
وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے | جھلک جس کی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مراتب وہ سروِ رواں | وہ نوبت کا دولہہ کی جیسے نشاں
وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما | سہانی وہ نوبت کی آوے صدا
وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی | قدم با قدم با لباسِ زری
بجاتے ہوئے شادیانے تمام | چلے آگے آگے بہ شادکام
سوار اور پیادے صغیر و کبیر | جلو میں تمامی امیر و وزیر
وہ نذریں کہ جن جس نے تھیں نیاں | شہ و شاہزادے کو گذرانیاں
ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار | چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام | لباسِ زری میں ملبّس تمام
طرق کے طرق اور پرے کے پرے | کچھ ادھر اُدھر کچھ ورے کچھ پرے
مرصّع کے سازوں سے کوتل سمند | کہ خوبی میں روح القدس سے دوچند
وہ فیلوں کی اور میگ ڈمبر کی شان | جھلکتے وہ مقیش کے سائباں
چلے پایہ تخت کے ہو قریب | بدستور شاہانہ ہنستی جریب
سواری کے آگے پئے اہتمام | لئے سونے روپے کے عاصے تمام
نقیب اور جلودار اور چوبدار | یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
اُسی اپنے معمول و دستور سے | "ادب سے تفاوت ہے اور دور سے"
"بلانو! جوانو! بڑھے جائیو" | "دو جانب سے باگیں لئے آئیو"
بڑھے جلے آگے سے چلتا قدم | "بڑھے عمر و دولت قدم با قدم"
غرض اس طرح سے سواری چلی | کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم | کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم
لگا قلعے سے شہر کی حد تلک | دکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
منڈھے تھے تمامی سے بازار و در | تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند | ہوا چوک کا لطف واں چند چند
رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ | گذرتی تھی رک رک کے ہر جا نگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن | ہر اک سطح تھی جوں زمینِ چمن

یہ دن تھا کہ حسنِ قدرت کاملہ
تماشے کو نکلی زنِ حاملہ

لگا نخل سے تا ضعیف و نحیف
تماشے کو نکلے وضیع و شریف

وحوش و طیور اس گھڑی مل کے غل
پڑے آشیانوں سے اپنے نکل

نہ پہنچا جو اک مرغ قبلہ نما
سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا

زبس شاہزادہ بہت تھا حسیں
ہوئے دیکھ عاشق کہیں مہ جبیں

نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام
کیا اس نے جھک جھک کے اس کو سلام

دعا شاہ کو دی کہ یا رب الٰہ
سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

یہ خوش دل اپنے رہے شہریار
کہ روشن رہے شہر پروردگار

غرض شہر کے باہر اک سمت کو
کوئی باغ شاہی تھا اس میں سے جو

گھڑی چار تک خوب سی سیر کر
رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر

اسی کثرتِ فوج سے ہو سوار
پھر اس شہر کی طرف وہ شہریار

سواری کو پہنچا گئی فوج ادھر
گئے اپنی منزل میں شمس و قمر

جہاں تک کہ تھیں خاندانِ محل
خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل

قدم اپنے حجروں سے باہر نکال
لیا سب نے آ بیٹوا حال حال

بلائیں لگیں لینے سب ایکبار
کیا جی کو یکدست سب نے نثار

گیا جب محل میں وہ سرو رواں
بندھا ناچ اور راگ کا واں سماں

پہر رات تک پہنے پوشاک وہ
رہا ساتھ سب کے طربناک وہ

قضارا وہ شب تھی شبِ چاردہ
پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ

نظارے سے تھا اُس کے دل کو سرور
عجب عالمِ نور کا تھا ظہور

عجب لطف تھا سیرِ مہتاب کا
کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

ہوا شاہزادے کا دل بیقرار
یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار

کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ
کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ

خواصوں نے جا شاہ سے عرض کی
کہ شہزادے کی آج یوں ہے خوشی

ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا
کہ جا یا ہے تا عالم لبِ بام کا

کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل
اگر یوں ہے مرضی تو کیا ہے خلل

پر اتنا ہے اُس سے خبردار ہوں
جنھوں کی ہے چوکی وہ بیدار ہوں

لبِ بام پر جب وہ سوئے صنم
کریں سورۂ نور کو اُس پہ دم

تمہارا مرا بول بالا رہے
یہ اس گھر کا قائم اجالا رہے

کہا تب خواصوں نے [illegible]
یہی ہے کہ [illegible]

پھر اس حکم لے واں سے [illegible]
بچھونا وہیں جا کیا [illegible] کا

قضارا وہ دن تھا اُسی سال کا
غلط وہم ماضی میں تھا حال کا

سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم
کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم

پڑے اپنے اپنے یہ سب عیش بیچ
نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ

یہ جانا کہ یُوں ہی رہیگا یہ دور
نہ معلوم تھے اس زمانے کے طور

کہ اس بیوفا کی نئی ہے ترنگ — یہ گرگٹ بدلتا ہے دم دم میں رنگ

کرا بادۂ عیش در جام ریخت — کہ بر فرقِ صبحش نہ صد شام ریخت

نداری تعجب ز نیرنگِ دہر — کہ آرد زیک حقہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونے کی اور پری کے اُڑا لیجانے کی

شتابی سے اُٹھ ساقیِ سیمبر — کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر

بلوریں گلابی میں دے بھر کے جام — کہ آیا بلندی پہ ماہِ تمام

جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ دن — مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن

اگر مے کے دینے میں کچھ دیر ہے — تو پھر جانیو یہ کہ اندھیر ہے

وُہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ — کہ سیمیں تنوں کو ہو جس پر اُمنگ

سراسر اُوچھے زری باف کے — کہ تھے رشکِ آئینہ صاف کے

کھنچی چادر اک اُس پہ شبنم کی صاف — کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف

کسے اُس پہ بستے وُہ مقیش کے — کہ جھبوں میں تھے جنکے موتی لگے

دھرے اُس پہ تکئے کئی نرم نرم — کہ مخمل کو ہو جن کے دیکھے سے شرم

کہانتک کوئی اُنکی خوبی کو پائے — جسے دیکھ آنکھوں کو آرام آئے

وُہ گل تکئے اُسکے جو تھے رشکِ ماہ — کہ ہر وجہ تھی اُن کو خوبی میں راہ

کبھی نیند میں جبکہ سوتا تھا وُہ — تو رخسار رکھ اُن پہ سوتا تھا وُہ

چھپائے سے ہوتا نہ حسن اُس کا ماند — دیئے تھے لگا اُس کے ٹکڑے کو چاند

ہُوئی دونوں کے حسن کی ایک جوت — کہ جیسے ہو دو چشموں کی ایک سوت

زبس نیند میں تھا جو وُہ ہو رہا — بچھونے پہ آتے ہی بس سو رہا

وُہ سویا جو اِس آن سے بینظیر — رہا پاسباں اُس کا بدرِ منیر

ہوا اُس کے سونے پہ عاشق جو ماہ — لگا دی اُدھر اُس نے اپنی نگاہ

وُہ مہ اُس کے کوٹھے کا ہالہ ہُوا — غرض واں کا عالم دوبالا ہُوا

وُہ پھولوں کی خوشبو وُہ ستھرا پلنگ — جوانی کی نیند اور وُہ سونے کا رنگ

جہانتک کہ چوکی کے تھے باریدار — ہوا جو چلی سو گئے ایک بار

غرض سب کو واں عالمِ خواب تھا — مگر جاگتا ایک مہتاب تھا

قضارا ہوا اک پری کا گذر — پڑی شاہزادے پہ اُس کی نظر

بھبوکا سا دیکھا جو اُس کا بدن — جلا آتشِ عشق سے اُس کا تن

ہُوئی لاکھ جی سے وُہ اُس پر نثار — وُہ تخت اپنا لائی ہوا سے اُتار

جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں — منور ہے سارا زمین آسماں

دوپٹے کو اُس مہ کے مُنہہ سے اُٹھا — دیا گال سے گال اپنا مِلا

اگرچہ ہوئی کچھ زیادہ ہوس / ولیکن حیا نے کہا اسکو بس
سی عشق میں پھر یہ سبھی ترنگ / کرے چاہئے اسکا امانت پلنگ
محبت کی آئی جو دل میں ہوا / وہاں سے اسے لے اُڑی دلربا
ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند / ہوا میں ستارہ سا چمکا دو چند
شبِ مہ میں دیوں میں سے اُٹھا / چلے تیر جس طرح سے جوش کھا
جلے رشک سے اسکے شمع و چراغ / کہ اس مہ کا پہنچا فلک پر دماغ
غرض لیگئی آن کی آن میں / اُڑا کر وہ اس کو پرستان میں

کبھی خوش ہے دل اور کبھی دردمند / زمانے کا جیسے ہے پست و بلند

داستان حالت تباہ کرنے ماں باپ کی شاہزادے کے غائب ہونے سے

شتابی مجھے ساقیا دے شراب / کہ یہ حال سنکر ہوا دل کباب
یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں / ذرا اب سنو غمزدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم / کہ گذرا جدائی سے کیا ان پہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں / تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں

نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رُو / نہ وہ گل ہے اس جا نہ وہ اس کی بو
رہے دیکھ یہ حال حیرانِ کار / کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی / کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی / کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر ہو / گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیرِ زنخداں چھڑی / رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب / کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال / طمانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
نہ بن آئی کچھ ان کو اس کے سوا / کہ کہیے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر / گرا خاک پر کہہ کے "ہائے پسر"
کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی / کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
ہوا گم جو یوسف پڑی یہ جو دھوم / کیا خادمانِ محل نے ہجوم
کہا "شہ نے واں کا مجھے دو پتا / عزیزو جہاں سے وہ یوسف گیا"
گئیں لے وہاں شہ کو لبِ بام پر / دکھایا کہ "سویا تھا وہ سیمبر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا" / کہا "ہائے بیٹا تو یاں سے گیا"
"مرے نوجواں میں کہاں جاؤں پیر / نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحرِ غم میں ڈبویا مجھے / غرض جان سے تو نے کھویا مجھے"

کروں اس قیامت کا کیا میں بیاں ترقی پہ ہر دم تھا شور و فغاں
لبِ بام کثرت سے جو تھی ہوئی تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی
شب آدھی وہ جس طرح روتے کٹی اسی طرح باقی وہ روتے کٹی
عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ
سحر نے کیا جب گریبان چاک اڑانے لگے مل کے سب سر پہ خاک
اٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا
گیا جبکہ وہ سرو اس باغ سے نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
صدا اب جو کوئی انہوں کی سنے تو کو کو سے ان کی جگر تک بھنے
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال ثمر لگ کے پانوں ہوئے پائمال
ترانے سے بلبل کا جی ہٹ گیا گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا
تبسم گیا حزن سے غنچہ بھول گیا غم سے از بس لہو پی کے پھول
اڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب ہوئے بال سنبل کے ماتم کی شب
لبِ جو سے اڑنے لگی گرد گرد گلِ اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالے کے دل کو تمام دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اس باغ میں بسکہ سخت ہوئے نخل ماتم تمامی درخت

گرے غم سے انگور مدہوش ہو پڑے سارے سائے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لبریز جو نہر تھی جا بجا سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اچھلتے تھے فوارے جو اس کے واں گیا سب نکل ان کا تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ کیا رخت پانی نے اپنا سیاہ
کہاں وہ کنوئیں اور کہاں آبشار کوئی دل میں رونا کوئی ڈاڑھ مار
نہ بگلوں کا عالم نہ وہ قرقرے نہ وہ آبجوئیں نہ سبزے ہرے
جہاں رقص کرتے تھے طاؤسِ باغ لگے بولنے واں منڈیروں پہ زاغ
سہانی وہ چھائیں جو دلچسپ تھیں تو کیا ہو کہ اب دل لگی واں نہیں
منقش جہاں تھے وہ رنگیں مکاں ہوئے سب وہ جوں دیدۂ خونچکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل سو وہ سب خزاں سے ہوئے مضمحل
خزاں کا علم دل میں جو آ گڑا جگر برگِ گل کی طرح جھڑ پڑا
نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا فقط دل میں اک خارِ ہجراں رہا
وزیروں نے دیکھا جو احوالِ شاہ کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ
کہا گو جدائی گوارا نہیں ولیکن خدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمہیں اضطراب نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب

خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے / یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
خدائی خدائی تو معمور ہے / غرض اس کے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام / اُسی کی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پر / بہر نوع رہنے لگے یکدگر

لٹایا بہت باپ نے مال و زر / ولیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر

داستان پرستان میں لیجانے کی

مجھے دے کے مے کھوج اسکا بتا / ذرا خضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نہ پائی کہیں یاں تو اُس گل کی بو / کروں اب پرستان میں جستجو
اُڑی وہ پری واں سے لیکر اُسے / اُتارا پرستاں کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سیر کا اُس کی باغ / کہ جس کے گلوں سے ہو تازہ دماغ
سیاحین و گل اُس میں انواع کے / طلسمات گل اُس میں انواع کے
طلسمات کے سارے دیوار و در / نہ یاں کے سے کوٹھے نہ یاں کے سے گھر
مطلا منقش مشبک تمام / پہ کیا ہو جو ہو دھوپ کا اُن میں نام
گرے چھنکے واں اس لطافت سے دھوپ / کہ زردی کا جوں زعفراں پر ہو روپ
نہ آتش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر / نہ سردی نہ گرمی کا اُس میں ضرر

ہرے اور بھرے سب گلوں سے مکاں / جہاں چاہیے جا کے رکھ دیں وہاں
درخشندہ ہر مسقف دالان کی / ہو دیوار جیسے چراغان کی
زمیں ساری واں کی جواہر نگار / اُدھر ہیں چمن اور ہوا میں بہار
کسی کو ہو جس چیز کا اشتیاق / نظر آوے وہ چیز بالائے طاق
جواہر کے ذی روح وحش و طیور / خراماں پھریں صحن میں دور دور
پھریں ان میں سارے وہ حیوان ہو / کریں رات میں کام انسان ہو
لگے ہر طرف گوہر شب چراغ / وہی دن کو گوہر وہی شب چراغ
بنائے ہوئے جال باہم نہال / گل و غنچہ سب واں کے دور از خیال
صدا آپ سے آپ گھڑیال کی / کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی
پرے واں کے حجروں کا جو در کھلا / تو دنیا کے باجوں کی آئے صدا
وگر بند کر دیجئے ایک بار / تو جوں ارغنوں راگ نکلیں ہزار
مکانوں میں محل کے فرش و فروش / بخط سلیمانی اُن پر نقوش
طلسمات کے پردے اور چلمنیں / ارادے پہ دل کے اُٹھیں اور گریں
خواصیں پریزاد اُس میں تمام / پھریں گرد گرد اُس پری کے مدام
سر نہر بنگلہ مرصع نگار / سراپا بہ رنگ گہر آبدار
رکھا شاہزادے کا اُس میں پلنگ / کہ ظلمت سے ہو جس کے کنگلے کا رنگ
قضا را کھلی آنکھ اُس گل کی جو / نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بو

نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا
تعجب سے ایک ایک کو تکتا رہا

اچنبھے کا یہ خواب دیکھا جو واں
لگا کہنے "یا رب میں آیا کہاں؟"

رئیس تھا وہ لڑکا تو یہاں بھی کچھ
ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ

سرہانے جو دیکھی! مہِ چار دہ
کہ ہے اجنبی سی وہ اک رشکِ مہ

کہا "کون ہے تو یہ کس کا ہے گھر؟
لے آیا مجھے کون گھر سے اِدھر؟"

پھرا منہ کو لے اور اُدھر سے نقاب
دیا اُس پری نے یہ ہنس کر جواب

خدا جانے تو کون یاں ہے کہاں؟
مجھے بھی تعجب ہے ہاں اب ہے کہاں؟

پر اب خود جو آیا ہے تو میرے گھر
لے آئی ہے تجھ کو قضا و قدر

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں
پر اب گھر یہ تیرا ہی میرا نہیں

ترے عشق نے مجھ کو شیدا کیا
ترا غم مرے دل میں پیدا کیا

چھڑا کر ترا تجھ سے شہر و دیار
یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار

پری ہوں میں اور یہ پرستان ہے
یہاں سب یہ قومِ بنی جان ہے

کہاں صورتِ جن کہاں شکلِ انس
غرض قہر ہے صحبتِ غیر جنس

پری کو ہوئی شادی اُس کو غم
یہ ناچار کیا کر سکے وہ صنم؟

"کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار
کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار"

غرض دل کو جوں توں لگایا وہاں
کہا اُس نے جو کچھ کہا اُس کو ہاں

ولیکن نہ عقل و نہ ہوش و حواس
رہے وحشیوں کی طرح وہ اُداس

کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے وہ
کبھی سانس لے کر کہے ہائے وہ

وہ محلوں کی چہلیں وہ گھر کا سماں
رہے رُوبرو دھیان میں ہر زماں

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے
تو راتوں کو رو رو کے دریا بہائے

کبھی اپنی تنہائی کا غم کرے
کبھی اپنے اُوپر دُعا دم کرے

کرے یاد جب اپنے ناز و نعم
فغاں زیرِ لب وہ کرے دمبدم

بہانے سے دن رات سویا کرے
نہ ہو جب کوئی تب وہ رویا کرے

غرض اضطراب اُس کو ہر حال میں
کہ جوں مُرغ تڑپے نیا جال میں

غرض ماہ رُو اُس پری کا تھا نام
پدر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام

کبھی گھر میں رہتی کبھی رہتی واں
کہ تا راز اُس پر نہ ہووے عیاں

وُہ پریوں میں از بسکہ تھی ذی شعور
نئی چیز لاتی تھی اس کے حضور

عجائب غرائب پرستان کے
دکھاتی تھی ہر شب اُسے آن کے

نئے کھانے اور میوے اقسام کے
مہیا سب اسباب آرام کے

نئی کشتیاں روز پوشاک کی
خوشامد سدا جان غمناک کی

نئے سوانگ واں کے نئے اُن کے ڈھنگ
کہ تا دل لگے اور نہ ہو جی پہ تنگ

شرابوں کے شیشے چنے طاق میں
کہ گر وہ کہ نکلے نہ آفاق میں

شراب و کباب و بہار و نگار
جوانی و مستی و بوس و کنار

نہ تھا اور کچھ غم تو اس کو وہاں
بغیر از غمِ دوریِ دوستاں

اُسی غم میں گھُل گھُل کے مرتا تھا وہ / سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ

پری وہ جو تھی دل لگائے ہوئے / جو بیٹھی تھی اُسکو اُڑائے ہوئے

وہ تھی نازنیں بھی بہت عقلمند / نہ کھلنے سے کچھ اُسکے ہوتی تھی بند

کہا ایک دن اُس نے اَے بے نظیر / ترے دام میں تو ہوا ہے اسیر

تو اِک کام کر اِک پہر بھر کہیں / کیا کر ذرا سیر رُوئے زمیں

تو رک رک کے کر اپنے جی کو نہ بند / نہ پہنچے ہمیں تیرے جی کو گزند

سرِ شام جاتی ہوں میں باپ پاس / اکیلا تو رہتا ہے اس جا اداس

یہ گھوڑا میں دیتی ہوں کل کا تجھے / ولیکن یہ دے تو مچلکا مجھے

کہ گر شہر کی طرف جائے کہیں / و یا دل کسی سے لگائے کہیں

تو پھر حال ہو جو گنہگار کا / وہی حال ہو تجھ سے دلدار کا

کہا کیونکہ میں تم کو جاؤنگا بھول / مجھے جو کہا تم نے سب ہی قبول

کہا ماہ رخ نے کہ تجھے تیرے بخت / کہ بخشا تجھے میں سلیماں کا تخت

جو اُترے تو کل اُس کی یوں جوڑیو / جو برعکس چاہے تو یوں موڑیو

زمیں سے لگا اور تا آسماں / جہاں چاہیو جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اُس اسپ کی خوبیاں / پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

ذرا کل کو موڑا فلک پر ہوا / جو کہیے تو کہیے اُسے بادپا

نہ کھاوے نہ پیوے نہ سووے کبھی / نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی

نہ خشری نہ کمری نہ شب کور وُہ / نہ وُہ کہنہ لنگ اور نہ منہ زور وہ

نہ ہڈوں کا نہ موتروں کا خلل / نہ پیشانی اوپر ستارے کا بل

نہ ساپن نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر / ہر اک عیب سے جو غرض بے خطر

یہ گھوڑا جو اُس گل کے تھا بخش کا / فلک سیر تھا نام اُس رخش کا

سرِ شام وُہ بے نظیر جہاں / اُسی رخش پہ ہو کے جلوہ کناں

ہر اک طرف سے ہو گذرتا تھا وہ / وہی اک پہر سیر کرتا تھا وہ

پہر جب کہ بجتا تو پھرتا شتاب / کہ جی پر تھا ڈر ماہ رخ کا عتاب

داستان وارد ہونے میں بے نظیر کے باغ میں بدر منیر کے

کدھر ہے تو اے ساقی شوخ رنگ / کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے بہ تنگ

پلا مجھ کو دارو کوئی تیز و تند / کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کند

مرے توسنِ طبع کو پَر لگا — مجھے یاں سے لے چل فلک پر اُڑا

سُنو ایک دن کی یہ تم واردات — اُٹھا سیر کو بے نظیر ایک رات

ہوا ناگہاں اُس کا اک جا گذر — سُہانا سا اک باغ آیا نظر

سفید ایک دیکھی عمارت بلند — کہ تھی نور میں چاندنی سے دوچند

وُہ چھٹکی ہُوئی چاندنی جابجا — وُہ جاڑے کی آمد وُہ ٹھنڈی ہوا

وُہ نکھرا فلک اور مہ کا ظہور — لگا شام سے صبح تک وقتِ نور

یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ — اُتر اپنے گھوڑے سے نور سر جُھکا

لگا جھانکنے اس مکاں کے تئیں — کہ دیکھوں تو کوئی ہے یاں یا نہیں

جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر — کہ سب کچھ گیا اُس کے جی سے اُتر

کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو — ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو

یہ کہہ نیچے اُترا دبے پانوں وُہ — نظر سے بچائے ہُوئے چھانوں وُہ

الگ کھول ہاتھوں سے واں کے کواڑ — چلا سایہ سا یہ درختوں کی آڑ

تھے اک طرف گنجان باہم درخت — کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت

لگا واں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر — درختوں سے جُوں ماہ ہو جلوہ گر

جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں — عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں

عجب صورتیں اور طرفہ محل — چلا دیکھتے ہی دِل اُس کا نکل

ملی جنس کی اپنی جو اُسکو بُو — لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سُو

نظر آئی واں چاندنی کی بہار — کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار

در و بام یک تخت سارے سپید — ہر اک طاق محرابِ صبحِ امید

مغرق زمیں پر تمامی کا فرش — جھلک جس کی لے فرش سے تا بعرش

زمیں کا طبق آسماں کا طبق — سُنہری روپہلی ہوں جیسے ورق

بلوریں دھرے ہر طرف سنگِ فرش — کہ جس سے منور رہے رنگِ فرش

گئی اس کے عالم پہ جس دم نگاہ — اور آئی نظر اُس میں اک رشکِ ماہ

طرح اُس کی ہر دل کی مانوس تھی — کہ گویا وُہ شیشے کی فانوس تھی

کہیں دیکھ اُس کے تئیں ہوشمند — پری کو کیا ہیگا شیشے میں بند

ہر اک سمت واں نور کا ازدہام — لگے آئینے قدِ آدم تمام

لپیٹے ہُوئے بادلوں سے درخت — زمین و ہوا صاحبِ تاج و تخت

لبالب وُہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر — پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر

لبِ نہر پر صاف جو غور کی — تو پٹری تھی وُہ ایک بلّور کی

پڑے اُس میں فوارے چھُٹتے ہُوئے — ہوا بیچ موتی سے لُٹتے ہُوئے

مقرض پڑا اُس میں مقیش جو — گرا ماہ واں رشک سے پُھنکے ہو

لئے گود مُقیش چھوٹے بڑے — ہر اک جا ستارے اُڑاویں کھڑے

غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ — زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ

ہوا میں وُہ جگنو سے چمکیں بہم — تلیں جلوہ مہ کو زیرِ قدم

فقط چاندنی میں کہاں طور یہ
کہ شُہرہ نہ جب تک ملے اور یہ

زمانہ زر افشاں ہوا زر فشاں
زمیں سے لگا تا سما زر فشاں

گل و غنچہ زریں و تاج عروس
زمینِ چمن سب جبینِ عروس

خراماں ندی پوش ہر ماہ دل
کہ جس دیکھ کر مہر و مہ جنگ و شش

کھڑا ایک نگینہ زر زرنگار
کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار

جڑاؤ دو استادے الماس کے
ڈھلے ایک سانچے کے اندر کے

کھنچی ڈوری ہر طرف زرتار کی
لڑی جوں کناری کے جوں باڑ کی

کہوں کیا میں جھالر کی اُس کی پھبن
کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن

مغرق بچھی مسند اک جگمگی
کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی

نچھوٹے سماتے تھے تکیے دھرے
کہ تھے وہ فقط حُسن ہی سے بھرے

بلوریں صراحی و جام بلور
دل و دیدہ وقف تماشائے نور

زمیں نور کی آسماں نور کا
جدھر دیکھو بس اک سماں نور کا

چمن سارے دالودیوں سے بھرے
جوانانِ شبو کے ہر جا پرے

ستاروں کا مہتاب میں حال یوں
کہ جوئے میں پانی کے قطرے ہوں جوں

اگر کیجیے سایہ اوپر نگاہ
تو ہے وہ بھی جوں سایہ مہر و ماہ

کرے ہے نگہ جس طرف کو گذر
بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

کروں کونسے حسن کو انتخاب
ہر اک آئینہ میں وہی ماہتاب

نظر جس طرف جائے نزدیک و دور
اسی ایک نقطہ سے ہر جا ظہور

نکل اپنی وحدت سے کثرت میں آ
وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا

نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب
وہی ایک نکتہ کہ جس کی کتاب

حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو
کہ دیکھے نہ اُس کے سوا غیر کو

داستان تعریف بدر منیر اور عاشق ہونا بینظیر کا

گلابی مرے سامنے ساقیا
کہ جس بادہ کو دیکھ کر پیلا

کہ دیکھے سے جسکے ہو زائل غرور
نظر کا مری جس سے بڑھ جائے نور

کروں اُس مکاں کے مکیں کا بیاں
کہ جو بعد [illegible] مکیں تھا نہاں

وہ مسند جو تھی موج دریائے حُسن
وہاں بیٹھی [illegible]

برس پندرہ ایک کا سن و سال
نہایت حسین [illegible] جمال

دھرے تھی تکیہ پہ [illegible]
[illegible] تھی انداز سے

خواصیں کھڑی ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ گرد ازدحام

وہ بیٹھی تھی سج دھج بنائے ہوئے
دل اُس چاندنی پر لگائے ہوئے

ادھر آسماں پر درخشندہ مہ
ادھر [illegible] چاندنی

پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے [illegible]

نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منہ کو لگے چار چاند

عجب طرح کا حسن تھا جانفزا
کہ مہ روبرو جس کے تھا تھک رہا

کروں اس کی پشواز کا کیا بیاں
فقط ایک پشواز آبِ رواں

زرِ سلمہ توں کی تھی سنجاف گل
کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل

اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب
کہ جسے دیکھ شبنم کو آوے حجاب

صباحت صفا اس میں جھلکی ہوئی
پڑی سر پہ کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی

گریباں میں تکمہ اک الماس کا
ستارہ سا مہتاب کے پاس کا

وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار
نیا باغ اور ابتدا کی بہار

جھلک پائجامے کی دامن سے یوں
کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں

صفائی یہ پوشاک کی دیکھیو
نظر موج میں ہے کہ میلی نہ ہو

وہ ترکیب اور چاند سا وہ بدن
وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نورتن

جڑاؤ وہ بالے کہ بالے کا رشک
وہ موتی کے مالے کہ عاشق کے اشک

وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی نوک
کرن پھول کی اور بالے کی جھوک

وہ موتی کا دولڑا وہ موتی کا ہار
سدا اشکِ غم دیدہ جس پر نثار

لگا دھگدھگی بیچ لالات لڑا
سراسر گلے حسن اس کے پڑا

جڑاؤ دمکتی وہ چمپا کلی
رہے جس سے الماس کو بیکلی

تلے اس کے موتی لگے گرد گل
کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگِ گل

جہانگیریوں کا کروں کیا بیاں
کہ اٹھتی تھی ہاتھوں سے جن کے فغاں

جواہر سے مینے کی ہیکل جڑی
کمر اور کولے کے نیچے پڑی

فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب
کہ جس کے قدم سے گھر پائے زیب

کسی کے کہاں ہاتھ وہ پانو آئے
جواہر جہاں پانوں پڑ پڑ کے جائے

سراپا اگر ہو زباں میرا تن
سراپا میں اس کے کروں کیا سخن

سب اعضا بدن کے موافق درست
ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست

جہاں راستی چاہیے راستی
کجی جس جگہ چاہیے واں کجی

وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے
وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے

جو کچھ چاہیے ٹھیک نک سکھ انگ
نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ

کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن
غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن

کرشمہ ادا غمزہ ہر آن میں
غرض دلبری اسکے فرمان میں

تغافل حیا ناز و غمزہ غرور
ہر ایک اپنے موقع پہ وقتِ ضرور

تبسم تکلم ترحم ستم
موافق ہر اک حوصلے کے کرم

وہ ابرو کہ محرابِ بیت الحسن
جھکی شاخِ نخلِ گلستانِ حسن

نگہ آفت و چشم عینِ بلا
مژہ وہ کہ صفوں کو الٹے برملا

دُرِ گوش جب اس کا تابندہ ہو
صدف کا دل [illegible] شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر
ہے انگشتِ قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال ۔ اگر اُس پہ بوسہ کا گذرے خیال
نہیں خط و بیاض کا یاں کچھ حساب ۔ بیاضِ گلو سب کی سب انتخاب
وہ ساعد وہ بازو بھرے گول گول ۔ برابر ہو الماس کے جن کا مول
وہ دستِ حنا بستہ خوبی کا باب ۔ شفق میں ہو جوں پنجۂ آفتاب
زبس مثلِ آئینہ تھا اُسکا تن ۔ شکم ہے تو کہئے ناف عکسِ ذقن
کمر کو کہوں کیونکہ میں اُسکی ہیچ ۔ نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ
وہ زانو کہ آجائے گر اُس پہ ہاتھ ۔ رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ
وہ ساقِ بلوریں وہ اندازِ پا ۔ پھرے ہی سحر چشم و دل پر سدا
قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام ۔ قیامت کرے جسکو جھک کر سلام
وہ اٹھکھیلیاں اور وہ اُسکی چال ۔ کہ دل جس سے عالم کا ہو پائمال
بنا ناک کیسی ہی گو چال لائے ۔ کہاں پر وہ رفتار کو اُسکی پائے
الگ چال اُس کی کوئی کیا چلے ۔ یہ انداز سب اُس کے پانوں تلے
عجب پشتِ پا صاف انگشتِ پا ۔ کفِ پا دکھاوے سرِ پشتِ پا
مغرق جواہر سے اک جفت کفش ۔ نہ وہ جفت پا بلکہ یا جفت کفش
یہ قدرت کا دیکھا جو اُس نے خیال ۔ کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال
درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں ۔ کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں
جو دیکھے تو ہے اک جوان حسیں ۔ درختوں کی ڈالوں میں ماہ جبیں

یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا ۔ ہر اک حال سے اُس کے ماہر ہوا
پری ایک سے ایک واں سب کے سب ۔ پھریں گردِ گل کی طرح غنچہ لب
جو دیکھیں تو شعلہ سا روشن کچھ ۔ درختوں کا روشن سا آنگن ہی کچھ
کسی نے کہا "کچھ نہ کچھ ہے بلا" ۔ کسی نے کہا "چاند ہے یاں چھپا"
کسی نے کہا "ہے پری یا کہ جن" ۔ کسی نے کہا "ہے قیامت کا دن"
لگی کہنے ماما کوں پنا کوٹ ۔ "ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ"
ہوئی صبح شب کا گیا اُٹھ حجاب ۔ درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا "دیکھیو اے بوا" ۔ "کھڑا ہے کوئی صاف یہ مرد وا"
کسی نے کہا "یہ تو دلدار ہے" ۔ کسی نے کہا "کچھ یہ اسرار ہے"
یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں ۔ اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں
گئی بات یہ شاہزادی کے گوش ۔ یہ سنتے ہی جاتا رہا اُسکا ہوش
کہا میں تو دیکھوں یہ کیا ہے، اٹھی ۔ گیا سنسنا جی تو ڈر کر اٹھی
خواصوں کے ہاتھوں پہ دھر ہاتھ ۔ عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی ۔ دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی
کئی ہمدمیں جو کچھ کچھ پڑھیں ۔ وہ [illegible] پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں
گئیں جب وہ کر کے دل اپنا درشت ۔ وہاں جب کہ تھے وہ [illegible]
جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسیں ۔ کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ جبیں

سرکنے کی واں سے نہ جا گر نہ ٹھانوں
دیئے حیرتِ عشق نے گاڑ پانوں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نئی پشت لب سے مسی کی نمود
جسے دیکھ نیلا ہو چرخِ کبود

گلے میں پڑا نیمۂ شبنم کا ایک
بدن سے عیاں نورِ عالم کا ایک

تمامی کی سنجاف جلوہ کناں
کہ جوں عکسِ مہ زیبِ آبِ رواں

طرحدار اک سر پہ چیرا سجا
تمامی کا پٹکا کمر سے بندھا

عجب پیچ پر پیچ بیٹھے تھے مل
کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل

جواہر کا تکمہ گلے میں لگا
ستارہ ہو جوں صبح کا جگمگا

وہ موتی کا لٹکن زمرد کی ہڑ
لٹک جس کی زیبندہ دستار پر

وہ گورا بدن صاف ترکیب دار
بھرے ڈنڈ پر نور تن کی بہار

اک الماس کی ہاتھ انگشتری
سراسر حنا دست و پا میں لگی

عیاں چستی و چابکی گات سے
نمودِ جوانی ہر اک بات سے

بدن آئینہ سا دمکتا ہوا
گلِ باغِ خوبی لہکتا ہوا

اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل
جوانی کی شب اور سماں برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور

ولے عشق کی تیغ کھائے ہوئے
کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے

یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں
وہ جیتی کر آئی تھیں سب مر گئیں

شتابی سے جا کر کہا واں کا حال
کہ اے شاہزادیِ صاحب جمال

عجب سیر ہے سیرِ مہتاب میں
یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں

کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم
جو آنکھوں سے دیکھو تو جانو گی تم

اٹھا پائے گلگوں کو جلدی نگار
نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار

نہیں اور کچھ تم نہ کیجو ہراس
چلی آؤ تم ان درختوں کے پاس

گئی اس جگہ جب وہ بدرِ منیر
اور اُس نے جو دیکھا شہِ بے نظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل

غرض بے نظیر اور بدرِ منیر
گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر

رہی کچھ نہ تن من کی سُدہ بُدہ اُسے
نہ کچھ اپنے تن کی رہی سُدہ اُسے

تھی ہمراہ اک اُس کے دختِ وزیر
نہایت حسین اور قیامت شریر

جبیں تھی ستارہ سی وہ دلربا
اُسے لوگ کہتے تھے نجم النسا

شتابی سے لا اس نے چھڑکا گلاب
تب آئی تنوں میں ذرا اُن کے تاب

وہ آنکھیں تو اٹھی پہ حیران سی
گلِ شبنم آلودہ گریان سی

وہ شہزادہ دل زدہ تو شتاب
وہیں رہ گیا نقشِ پا سا چمک

کہ وہ نازنیں بھی جھجک منہ چھپا
کمر اور چوٹی کا عالم دکھا

چلی اُس کے آگے سے منہ موڑ کر
وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر

وہ گدی وہ شانے وہ پشت و کمر
وہ چوٹی کا لوٹے پہ آنا نظر

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

پلا ساقیا ساغرِ مشک بو ‏— کہ ہے مجھ کو درپیش تعریفِ مو
سرِ شام سے دیکھا تماشۂ شب ‏— کہ مستی میں دیکھوں رُخِ آفتاب
کروں اُسکے بالوں کا کیا میں بیاں ‏— نہ دیکھا کسی رات میں یہ سماں
وہ زلفیں کہ دل جن میں اُلجھا رہے ‏— اُلجھنے سے جی جنکے سُلجھا رہے
وہ کنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف ‏— کناری کا پیچھے چمکتا ہوا باف
کہوں اس کی چوٹی کا کیا رنگ ڈھنگ ‏— کہ جُوں آخری شب جھمکے کا رنگ
نمایاں ہو یوں اوڑھنی سے جھلک ‏— کہ جُوں ابر میں برق کی ہو چمک
مُباف زری نے کیا ہے غضب ‏— دیا ہے گرہ دن کو دُنبالِ شب
سنگاروں میں وہ سب سے ہی گو اُتار ‏— یہ کہتے ہیں چوٹی کا اُسکو سنگار
نہ ہو کیونکہ چوٹی کا رتبہ بڑا ‏— کہ اک نور ہے اُسکے پیچھے پڑا
گُل و سُنبل اُس پر سے قربان ہی ‏— کہ اُس کی لٹک میں عجب آن ہی
لڑی تھی یہ بس سحر سے اُسکی سنٹھ ‏— شب و روز کو دے رکھا اُس نے گانٹھ
وہ لے ہاتھ آتا ہے اُس کا کھٹن ‏— کہ ہے فی الحقیقت وہ کالے کا مَن
اُلٹ کر نہ دیکھے اُسے ہوشیار ‏— کہ وہ اک ستارہ ہے دُنبالہ دار
وہ بیٹھا اُس کی شفاف آئینہ ساں ‏— تس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وہاں
کہوں اس کے عالم کا کیا ماجرا ‏— کہ جُوں ہووے دریا پہ کالی گھٹا

بھری تھی دلوں سے یہ بس اُس کی مانگ ‏— بہت دل لیے اس کی کنگھی نے مانگ
دلِ عاشق اُس پر سے قربان ہے ‏— کہ مشاطہ کا سر پہ احسان ہے
کشاکش میں تھا وہ نہ جینا تو پیچ ‏— بھلے کو رکھا اُس نے ڈھیلا ہی پیچ
غرض حُسن کا اُس کے ہو سب یہ بھید ‏— جو چاہے کرے وہ سیاہ و سفید
ڈالے کوئی سرخ اُس میں مباف ‏— کرے خون دل اپنا اسکو معاف
لیا قتل گو اُس نے دل کو تو کیا ‏— شفق کا نہیں شام پر خوں بہا
کہاں تک کہوں اُسکی چوٹی کی بات ‏— کہ تھوڑا ہی سوانگ اوڑبی ہے یہ رات
دیا شعر کو گرچہ ہر بار طول ‏— ولیکن یہ ہو عرض میری قبول
بہت مو شگافی جو کی میں نے یاں ‏— گھٹانے کی جاگہ نہ تھی درمیاں
تس اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال ‏— ہوئی ہے مری فکر مجھ پر وبال
اب اس پیچ سے باہر آتا ہوں میں ‏— سماں ایک تازہ دکھاتا ہوں میں
غرض وہ پری جب دکھا اپنے بال ‏— تو گویا کہ مارا محبت کا جال
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی ‏— چھپا منہہ کو اور مسکراتی چلی
غضب منہہ پہ ظاہر ہوئے دل جلاں ‏— نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ
"یہ ہے کون کمبخت آیا یہاں" ‏— "میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں"
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں ‏— چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب ‏— چھپا ابر تاریک میں آفتاب

کہا اتنے میں آئی وہ دختِ وزیر / لگی ہنس کے کہنے کہ بدرِ منیر
"تجھے چوچلے تو خوش آتے نہیں / ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہیں"
مری سمت ٹک دیکھ تو اے ہائے / مثل ہے کہ من بھائے منڈیا ہلائے
کیا ہے اگر تو نے گھال اُسے / تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اُسے
"غنیمت اک حظ اُٹھا زندگانی کا تو / مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو"
"مئے عیش کا جام اب نوش کر / غم دین و دنیا فراموش کر"
"یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش / غفور است ایزد تو ساغر بنوش"
"کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار / یہ جوبن کا عالم رہے یادگار"
"سدا عیشِ دوراں دکھاتا نہیں / گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"
"سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار / ولے حاصلِ عمر ہے وصلِ یار"
"خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ / کریں یک دگر جلوہ مہر و مہ"
"کہاں چاہ والے ہیں یوسف عزیز / اری باؤلی چاہ میں کر تمیز"
"ترے گھر میں آیا ہے مہماں غریب / یہ ہے وارداتِ عجیب و غریب"
"شتابی سے مجلس کو تیار کر / تو اُس گل سے گھر رشکِ گلزار کر"
"بلا ساقیانِ گل اندام کو / لگا ساتھ گردش میں لا جام کو"
"شب و روز مل کے جامِ شراب / مہ و مہر کو رشک سے کر کباب"
یہ سن سن کے وہ نازنیں مسکرا / لگی کہنے اچھا بھلا سن بھلا

"میں سمجھی ترا دل گیا ہے اُدھر / بہانے تو کرتی ہے کیوں مجھ پہ دھر"
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ باہوش / "ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش"
"تمہیں نے تو چھڑکا تھا مجھ پر گلاب / بھلا میری خاطر بلا لو شتاب"
یہ آپس میں رمزوں کی باتیں ہوئیں / اشاروں کی باہم جو گھاتیں ہوئیں
بلا لائی جا اُس جوان کے تئیں / کیا میزباں میہماں کے تئیں
بلا اک مکاں میں بٹھایا اُسے / محل کا سماں سب دکھایا اُسے
پھر اُس نازنیں نے پکڑ اُس کا ہاتھ / بٹھایا ہی لا آخر اُس گل کے ساتھ

داستان ملاقات کرنا بدر منیر کا بے نظیر سے

پلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش / ملی ہے نصیبوں سے یاں جائے عیش
بہم مل کے بیٹھے ہیں دو رشکِ مہ / قرانِ مہ و مہر ہے اس جگہ
ہر اک برج رشکِ گلستاں ہے آج / بہارِ وصالِ غریباں ہے آج
غرض اُس کو لا کر بٹھایا وہاں / نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے / بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے / لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن / کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب / رہے شرم سے پائے بندِ حجاب
انہوں کے رکے بیٹھنے سے خفا / ہوئی دل میں اپنے وہ نجم النسا
گلابی کو لا اُس کے آگے دھرا / پیالی کو پھر جلد اُس نے بھرا

کہا شاہزادی کو بیٹھی ہو کیا؟ ۔ پیالہ تو اس بُت کے مُنہ سے لگا
ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو ۔ لبِ لعلِ شیریں کو ٹک کھول تو
میں صدقے ترے تجھ کو میری قسم ۔ کئی ساغر اُس کو پلا دم بدم
یہ دیکھ اُس کی منت پیالہ اُٹھا ۔ اُدھر سے پھرا مُنہ کو اور مسکرا
کہا بادہ نوشی سے ہو جسکو ذوق ۔ پیے یہ پیالہ نہیں اُس کا شوق
کہا شاہزادہ نے تب ہنس کے یوں ۔ پیوں میں کسی کے نہ کہنے سے کیوں
غرض ہو گئے آپس میں راز و نیاز ۔ پیے دو پیالے بصد امتیاز
پھر آخر کو شہزادے نے بھی اُٹھا ۔ دیا ساغر اُس مہ کے مُنہ سے لگا
جب آپس میں چلنے لگے جامِ مُل ۔ مُندے غنچہ ساں دل کھلے مثلِ گل
ہوئی یکدگر پھر تو تفتیشِ حال ۔ لگے ہونے آپس میں قال و مقال
کھلا بند جس دم درِ گفتگو ۔ جواں نے حقیقت کہی مو بمو
کہی ابتدا سے جو گذری تھی سب ۔ جتایا سب اپنا حسب اور نسب
پری کا بھی احوال ظاہر کیا ۔ چھپے راز سے اُس کو ماہر کیا
کہا اک پہر کی ہو رخصت مجھے ۔ زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے
یہ سن دل ہی دل پیچ کھا پیچ و تاب ۔ دیا شاہزادی نے اُس کو جواب
مرو تم پری پر جو تم پر مرے ۔ بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے
میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں ۔ یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

محبت تم سے دل کو لگا دے کوئی ۔ بھلے چنگے جی کو جلا دے کوئی
بہے شمع ساں کیوں کوئی اشک سے ۔ جلے کس لیے آتشِ رشک سے
یہ سن پانوں پر گر پڑا بے نظیر ۔ کہا کیا کروں آہ بدرِ منیر
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر فدا ۔ میں تجھ پر فدا ہوں مجھے اُس سے کیا
کہا چل سراپا قدم پر نہ دھر ۔ کسی کے مجھے جی کی کیا ہے خبر
یہ رمز و کنائے جو ہونے لگے ۔ تو آپس میں ہنس ہنس کے رونے لگے
رہی دل ہی دل میں غرض دل کی بات ۔ پہر بھر گئی اتنے عرصے میں رات
خبر رات کی سُن اُٹھا بے نظیر ۔ کہا اب میں جاتا ہوں بدرِ منیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا ۔ تو پھر آج کے وقت کل آؤں گا
یہ مت جانیو ہوں میں آرام میں ۔ کروں کیا پھنسا ہوں عجب دام میں
دل اِس جا سے اُٹھنے کو کرتا نہیں ۔ کوئی آپ سے جان مرتا نہیں
کرم مجھ پہ رکھیو ذرا میری جان ۔ میں دل چھوڑے جاتا ہوں اپنا یہاں
یہ کہہ اُس طرف وہ روانہ ہوا ۔ دل اس طرف اُسکا دِوانہ ہوا
گیا اپنے معمول سے بے نظیر ۔ اِدھر کا ہوا قیدی اودھر اسیر
پری ساتھ کاٹی وہ جوں توں کی رات ۔ اُٹھا صبح ملتا ہوا اپنے ہات
سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا ۔ مزا دل میں سارا سمایا ہوا
اُٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب ۔ نہ ہو وصل اور دل کو ہو اضطراب

نئی بات کا لطف پانا غضب
وہ پہلے پہل دل لگانا غضب

قلق دل پہ بیتابی نئے روز کب
وہ ہاتھ آئے شمع دل افروز کب

محبت میں زلف سیہ فام کی
لگا دیکھنے راہ پھر شام کی

وہ دن ہجر کا اس پہ شامت ہوا
اسے کاٹنا دن قیامت ہوا

ادھر کا تو احوال تھا اس طرح
کہا میں نے مختصر جس طرح

ذرا اب سنو تم ادھر کا بیاں
ہوا طرف ثانی کا کیا حال واں

وہ شب اس کو اندوہ و غم میں کٹی
گھڑی جو کٹی سو الم میں کٹی

رہی صورت آنکھوں میں جو یار کی
ہوئی یاد میں صبح رخسار کی

کچھ امید دل میں کچھ اک دل کو یاس
لبوں پر ہنسی لیک چہرہ اداس

لگا اسکو باتوں میں نجم النسا
لگی کہنے جی چاہتا ہے مرا

کہ تو آج کر خوب اپنا سنگار
مجھے حسن کی اپنے دکھلا بہار

لگی کہنے چل ری دوانی نہ ہو
کہیں بات اپنی بگانی نہ ہو

کروں کس کی خاطر میں اپنا سنگار
وہ ہے کون جس کو دکھاؤں بہار

غرض شاہزادی بہت دور تھی
یہ شکل اس کو پہلے ہی منظور تھی

نہا دھو کے اس روز ایسی بنی
کہ دو دن کی سچ مچ ہو جیسے بنی

وہ مکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ
شب ماہ ہو دیکھ کر جسکو دنگ

وہ مستی وہ اس کے لب لعل فام
سواد دیار بدخشاں کی شام

وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب
کہے تو پڑی نرگستاں میں شب

ستم تس پہ سرمے کی تحریر کی
کھنچی ہاتھ کافر کے شمشیر کی

لگوٹا وہ پانوں کا مستی کے ساتھ
کہ جوں دامن شب شفق کے ہو ہاتھ

وہ پشواز اک ڈانگ کی جگمگی
ستاروں کی تھی آنکھ جس پر لگی

اور اک اوڑھنی جالی منقش کی
پڑی چاندنی سی مہ عرش کی

جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگار
فرشتہ ملے ہاتھ بے اختیار

وہ باریک کرتی مثال ہوا
عیاں ہو بہو جس سے تن کی صفا

ڈلک سرخ نیفے کی ابھری ہوئی
گلابی سی گرد ایک تہ دی ہوئی

مغرق زری کا وہ شلوار بند
ثریا سے تابندگی میں دوچند

پڑی پانوں میں کفش زریں نگار
ستاروں کی جس کے زمیں پر بہار

لگا پانو سے وہ نازنیں تا بہ فرق
سراپا جواہر کے دریا میں غرق

گٹھی ہوئی وہ ترکیب سے وہ بدن
وہ پوشاک و زیور کی اس پہ پھبن

وہ چھب تختی اسکی نزاکت نژاد
چمن زار قدرت میں نخل مراد

بھری مانگ موتی سے جادو کناں
نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں

وہ ماتھے پہ ٹیکے کی اسکے جھلک
سحر چاند تاروں کی جیسے چمک

ہوس ہو نہ دیکھ اس کے زیور کو جب
کہے تو گہر کا تھا آب اس کے سب

وہ بالے کی تابندگی زیر گوش
جسے دیکھ اڑ جائیں پریوں کے ہوش

وہ ہیرے کا تکمہ بصد آب و تاب
وہ صبح گلو مطلع آفتاب

وہ نتھ پہ پنیا کی پھبن
کہ سورج کے آگے ہو جیسے کرن

وہ چھاتی پہ الماس کی دھکدھگی
رہے آنکھ سورج کی جس پر جھکی

وہ موتی کے مالے لٹکتے ہوئے
رہیں دل جہاں سر پٹکتے ہوئے

وہ الماس کی ہیکل اک خوشنما
تصور رہے جس کا دل سے لگا

وہ بھجبند بازو کے اور نورتن
کہ جوں گل سے ہو شاخ زیب چمن

وہ پہونچی زمرد کی اور دستبند
نزاکت میں تھی شاخ گل سے دوچند

وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار
سدا اشک خوں میں ہو جس پر نثار

وہ جینے کے پانوں میں چھلے تھے گل
کہ ہاتھوں سے دل جن کے کھاتے تھے گل

وہ بالوں کی بو رشک مشک ختن
وہ ڈوبا ہوا عطر میں اس کا تن

زمیں سے معطر ہوا تا فلک
زمانہ گیا اس کی بو سے مہک

کیا اس طرح سے جب اس نے سنگار
ہوئے مہر و مہ اس کے منہ پر نثار

فلک تک گئی حسن کی اسکے دھوم
لیا ہاتھ نشاط نے اپنا ہجوم

خواصوں نے گھر کو دیا انتظام
تمامی کے پردے لگائے تمام

بچھا فرش اور چھپرکھٹ کو صاف
مرصع کا اس پر اٹھا کر غلاف

وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں
نکلیں سو لا کر چنے طاق میں

ولایت کے میوے دھرے ہر طرف
کہ لیجاوے بو جنکی گل پر شرف

دھرے لخلخے خاص ایوان میں
ہوا ہو گئی عطر دالان میں

دھریں کشتیاں اک طرف بیشمار
چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار

اچار اور مربے دھرے خوشنما
وہ باہر کے دالان میں جابجا

چھپرکھٹ کے پاس ایک مسند بچھا
اور اس پر تمامی کے تکیے لگا

چنگیریں بنا اور رکھ پاندان
قرینے سے اس میں رکھے پان پان

کئی عطرداں واں مرصع دھرے
انگیٹھی گھڑت کے کئی جو گھڑے

سرہانے مجلد دھری اک کتاب
ظہوری و نظیری کا کل انتخاب

دھری اک بیاض اور رشک چمن
پڑا شعر سودا و میر حسن

قلمدان بھی اک نزاکت بھرا
قرینے سے زیر چھپرکھٹ دھرا

دھرا اک طرف گنجفہ خوش قماش
دھری چوپڑ اک طرف کو خوش تراش

بچھی ایک چوکی بڑا تورہ پوش
کریں دیکھ کر فخر [illegible] بادہ نوش

دھری واں شراب و کباب
دھرا اس پہ ساقی نے [illegible]

وے اس کو لگا کر پیالے دھرے
[illegible] منہ لگائے ہوئے

کہا خاصہ پز کو خبردار کر
کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر

یہ سب کچھ ہوا جبکہ آراستہ
[illegible] خاستہ

سر شام لے ہاتھ میں اک چھڑی
[illegible]

روش پر لگی پھرنے ادھر اودھر
کہ چھپ جا سورج اسے دیکھ کر

داستان بے نظیر کے آنے کی اور باہم صحبت کرنے کی

پلا مجھ کو ساقی شرابِ وصال
کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال

تڑپتا اُدھر تھا جو وہ بے نظیر
ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر

پر اُس نے بھی اتنا تکلف کیا
کہ اک دم میں جوڑے کو دھانی رنگا

تمامی کی سنجاف کر کے درست
بنا جلد جلد اور پہن تنگ و چست

پہن لعل و یاقوت کے نورتن
وہ گل اس طرح ہو کے رشکِ چمن

فلک سیر پر ہو شتابی سوار
ہوا آسماں پر ہوا ایک بار

یکایک جو وارد ہوا اُس جگہ
کہ جس جا خراماں تھی وہ رشکِ مہ

نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی
ہوئی جا درختوں کی اوجھل کھڑی

کیا چھپ کے عالم پہ اُس کے جو دھیان
تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان

کہ دھانی ہے جوڑا گلے میں پڑا
چھپا سبزہ میں چاند سا ہے کھڑا

کہے تو کہ شب چاند نے آن کے
نکالا ہے منہ کھیت سے دھان کے

وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب
زمرد میں جوں جلوۂ آفتاب

سماں دیکھ اُس شعلۂ حسن کا
ہوئی اور جلنے کی دونی ہوا

خواصیں جو تھیں ہٹ گئیں جان کے
کہا ایک ہمراز نے آن کے

کہ اب کس طرف اُن کو لیجائیے
جہاں حکم ہو جا کے بٹھلائیے

کہا وہ جو آراستہ ہے مکاں
اُدھر سے تو یوں ہو کے لیجا وہاں

کہے کے بموجب اُٹھا کر نقاب
چھپا اُس کو واں لا بٹھایا شتاب

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر
اور ایدھر سے آئی جو بدرِ منیر

اُسے دیکھ اُس نے تو پھر غش کیا
لباس اور زیور پہ غش غش کیا

بس حوصلے نے جو تنگی سی کی
حیا شوق نے خانہ جنگی سی کی

پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اُسے
محبت کے رشتہ سے اینچا اُسے

لگی کہنے ہے ہے مرا چھوڑ ہاتھ
یہ گرمی ہی جس سے رہے اُس کے ساتھ

کہا شاہزادے نے اے نازنیں
لگاوٹ نہیں اتنی لازم نہیں

تڑپتا ہے کب سے پڑا میرا دل
ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل

اجازت نہ دیتا تھا لیکن حجاب
کہ دیتی وہ اس بات کا کچھ جواب

مگر آخرش بعد راز و نیاز
وہ مسند پہ بیٹھی بصد امتیاز

ہوا پھر تو صہبائے گلگوں کا دور
ہوئے اور ہی اور کچھ واں کے طور

ہوئے جبکہ بدمست وہ ماہ رو
لگی اُن میں ہونے عجب گفتگو

کر دستے جو نرگس کے تھے واں اٹھا
لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیا

خواصیں جو تھیں روبرو ہٹ گئیں
بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں

غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو
چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو

لیا کھینچ اُنہوں نے جو پردہ شتاب
چھپے ایک جا دو مہ و آفتاب

لگی ہونے بے پردہ پھر چھیڑ چھاڑ
درِ حسن کے کھل گئے دو کواڑ

لگے پینے باہم شرابِ وصال
ہوئے نخلِ امید سے خود نہال

لبوں سے ملے لب دہن سے دہن
دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو
لگیں سینے سے دل کی پامال ہو

لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ
لپٹے ناز و نخرے سے آپس میں ہاتھ

کسی کی گئی چولی آگے سے چل
کسی کی گئی چین ساری نکل

غم و درد ناآشنیدہ ہوئے
وہ گل نارسیدہ رسیدہ ہوئے

اٹھے پی کے باہم شرابِ امید
کوئی سرخرو اور کوئی روسپید

چھپر کھٹ سے باہر رکھا اپنے قدم
نکل آئے بھرتے محبت کا دم

نشے سے وہ لذت کے بیہوش ہو
گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو

عرق میں ادھر غرق وہ مہ جبیں
کئے آنکھ نیچی اُدھر نازنیں

یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر
کہ اتنے میں اودھر سے باجا پہر

پہر کے وہ بجتے اٹھا بینظیر
ہوئی غم کی تصویر بدرِ منیر

نہ بولی نہ کی بات نے کچھ کہا
نہ دیکھا ادھر آنکھ اپنی اٹھا

کہا مجھ سے پیاری نہ بیزار ہو
پھر آؤں گا بولی کہ مختار ہو

خفا اُس کے ہونے سے وہ نوجواں
گیا تو ولے منہ پہ آنسو رواں

ہوئے دل جو دونوں کے آپس میں بند
لگی ہجر سے دل پہ آنے گزند

بندھا پھر تو معمول اُس کا مدام
کہ ہر روز آتا اودھر وقتِ شام

پہر رات تک ہنسنا اور بولنا
درِ حسن اور عشق کو کھولنا

کبھی ہجر سے اُن کو ہونا ملول
کبھی وصل میں بیٹھنا پھول پھول

داستان خبر پانا ماہ رخ کا زبانی دیو کے عشق بینظیر اور بدرِ منیر سے اور قید کرنا بینظیر کو

پلا جلد ساقی مجھے بھر کے جام
کہ ہے چرخ بھی در پئے انتقام

یہ دو دل کو اک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اِسے وصل بھاتا نہیں

یہ ہے دشمنِ وصل و دلسوزِ ہجر
کرے ہے شبِ وصل کو روزِ ہجر

جدائی انہوں کی خوش آئی اسے
پھر اتنی بھی صحبت نہ بھائی اسے

کسی دیو نے دی پری کو خبر
کہ معشوق عاشق ہوا اور پر

یہ سنکر وہ شعلہ بھبھوکا ہوئی
لگی کہنے ہیں - یہ بلا کیا ہوئی

قسم مجھ کو حضرت سلیمان کی
ہوئی دشمن اب اُس کی میں جان کی

کہا دیو سے دے مجھے تو بتا
کہاں کس کے باغ میں تھا کھڑا

کوئی نازنیں سی تھی اک اُسکے ساتھ
کھڑی تھی دیے ہاتھ میں اُس کے ہاتھ

قضارا اُڑا میں جو ہو کر اُدھر — وہ دونوں مجھے واں پڑے تھے نظر

یہ اُڑتی ہی اُس کی خبر سُن پری — کہا دیکھنے پاؤں اُس کو ذری

تو کھا جاؤں کچا اُسے مُوت ہو — لگی ہو مری اب تو وہ سوت ہو

وہ آوے تو آگے مرے نابکار — گریباں کو اُس کے کروں تار تار

یہی قول و اقرار تھا میرے ساتھ — بھلا اُس کا دامن ہے اور میرا ہاتھ

ہمارے بزرگوں نے سچ ہی کہا — کہ ہو آدمی زاد کب باوفا

غضبناک بیٹھی تھی یہ تو اُدھر — کہ اتنے میں آیا وہ رشکِ قمر

اُسے دیکھ غصّے میں وہ ڈر گیا — کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا

بلا سی وہ دیکھ اُسکے پیچھے پڑی — کہا سُن تو لے مُوذی و مدعی

تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا — کہ اُس ہالزادی کو جوڑا دیا

الگ ہم سے یوں رہنا اور چھوٹنا — یہ اُوپر ہی اُوپر مزے لُوٹنا

جھکا دیا تھا نہ تو نے یہی — بھلا اُس کا بدلا نہ لوں تو سہی

پھرا جیسے راتوں کو دلشاد تو — کریگا دِلوں کو بہت یاد تو

مزا چاہ کا دیکھ اپنی ذرا — جھکاتی ہوں کیسے کو میں بھلا

تجھے جی سے ماروں تو کیا ہے عجب — و لے چاہتے تھے یہ تیرے نصیب

کہ چاہِ الم میں پھنساؤں تجھے — بنا ہے تو جیسا رُلاؤں تجھے

یہ کہہ اور بُلا اک پریزاد کو — کہا سنیو اس کی نہ فریاد کو

اِسے کھینچتا یاں سے لیجا شتاب — وہ صحرا جو ہے درد و محنت کا باب

کنواں اُس میں جو ہے مصیبت بھرا — کئی من کا پتھر ہے اُس پہ دھرا

اِسے جا کے اُس چاہ میں بند کر — وہی سنگ پھر اُس کے مُنہ پر تو دھر

ہر اک شام کھانا کھلانا اسے — اور اک جام پانی پلانا اُسے

نہ دیجو سوا اُس کے جو کچھ کہے — یہی اس کا معمول دائم رہے

یہ سُن دیو اُس گل کے نزدیک آ — پکڑ ہاتھ اُس کا فلک پر اُڑا

گری اُس پہ جو آسمانی بلا — دل اُس نازنیں کا ہوا ہو چلا

ہوا یوں جو اُس بختِ وارو کا اوج — چلی آہ و نالے کی ساتھ اُسکے فوج

کہا دِل یہ رُتبہ جو کچھ آج ہے — یہی عشق کی جان معراج ہے

کیا بند پھر جا کے اُس چاہ میں — کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں

وہ یوسف کنوئیں میں ہوا جبکہ بند — ہوا اُس سے پستی کا رُتبہ بلند

کھُلے اُس کنوئیں کے یکایک نصیب — کہ آیا وہ اُس میں مہِ دلفریب

منور وہ گھر اُس کا سارا ہوا — کنوئیں کی وہ پُتلی کا تارا ہوا

وہ اندھا پڑا تھا سو روشن ہوا — جواں اس میں وہ سانپ کا من ہوا

و لے پانوں جب اُس کا تہ پر گیا — کنواں اس کے اندوہ سے بھر گیا

زمیں میں سمایا تحیّر سے آب — کھنچے تو لگا آنسو کنوئیں کے شتاب

ہوا واں سے اُوپر گئی کانپ کانپ — کنوئیں نے لیا سنگ سے منہ کو ڈھانپ

دل اُس نازنیں کا دھڑکنے لگا
جگر ٹکڑے ہو کر پھڑکنے لگا

اندھیرے کہالے نہ نکلا تھا جو
ہوا قید آ اِس اندھیرے میں وو

نکلنے کی سوجھی نہ واں اُسکو راہ
ہوا اُس کی آنکھوں میں عالم سیاہ

اندھیرے نے اُس کا کیا دم خفا
کرے جوں لے سیاہی کسی کو دبا

فغاں کی بہت اور پکارا بہت
سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت

پکاسا وہ جس لت کو فریاد کر
نہ پہنچا کوئی کارواں بھی اُدھر

نہ مونس نہ غمخوار اُس کا کوئی
نہ تھا جز خدا یار اُسکا کوئی

وُہی چاہ تاریک اُس کا رفیق
وُہی سنگ سر پہ بجائے شفیق

ہوا بھی نہ واں جس سے دمساز ہو
کنوئیں کی سنے کون آواز کو

کنواں ہی مدام اُس کا ہمدم رہے
جو اُس سے سنے وہ ہی اُس سے کہے

کنواں اُسکو بوجھے وہ بوجھے اُسے
اندھیرے سوا کچھ نہ سوجھے اُسے

سیاہی میں جیسے ہو کافر کا دِل
صعوبت میں اُس سے جہنم خجل

نہ شب کی سیاہی نہ دن کا نور
نہ ظلمت غم کا اُس جا ظہور

غم و درد اُلفت کو کھا جیے
لہو پانی اپنا کنوئیں میں پیئے

اِس اندھیر کو کیا لکھوں بڑی آہ
قلم کے نکلتے ہیں آنسو سیاہ

نہ تھا وہ کنواں تھا ستونِ الم
نشانِ شبِ آفتِ درد و غم

کروں مختصر یاں سے اب غم کی بات
لگا رہنے اُس میں وہ آبِ حیات

نہیں مخلصی سوجھتی اب اُسے
نکالے خدا دیکھیے کب اُسے

پھنسا اِس طرح سے جو وہ مہ نظیر
پڑی بیقراری میں بدرِ منیر

بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہے چاہ
تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ

قلق واں جو گذرا تو یاں غم ہوا
رُکا جی وہاں یاں خفا دم ہوا

کبھی دن نہ آیا جو وہ رشکِ مہ
نظر میں ہوا اُس کی عالم سیہ

لگی کہنے نجم النسا سے "ہوا
خدا جانے اُس شخص کو کیا ہوا!"

کہا اُس نے "بی تم کو سودا ہے کچھ
وہ معشوق ہے اُس کو پروا ہے کچھ"

"خدا جانے کس شغل میں لگ گیا"
"مری چھیڑ ہے اتنا بھی ہونا فدا"

"وہ رو رو کے تم کو دلاتا ہے چاہ
عبث آپ کو مت کرو تم تباہ"

"رُکے جو کوئی اُس سے رُک جائیے
جھکے آپ سے وہ تو جھک جائیے"

"تقوّل بھلا کچھ نکالا کرو
ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو"

یہ سُن چپکے ہی دل میں کھا پیچ و تاب
دیا پھر نہ اِس بات کا کچھ جواب

گئے اُس پہ جب دن کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی

دِوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی

ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب

تپِ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
کہ اشک سے چشم بھرنے لگی

خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہلنے سے جا جا کے رونے لگی

تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ / اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ لگنا سا ہنسنا نہ وہ بولنا / نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے / محبت میں دن رات گھٹنا اسے
کہا گر کسی نے کہ "بی بی چلو" / تو اٹھنا اسے کہہ کے "ہاں جی چلو"
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے / تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی / یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ "کچھ کھائیے" / کہا "خیر بہتر ہے منگوائیے"
کسی نے کہا "سیر کیجے ذرا" / کہا سیر سے دل ہے میرا بھرا
جو پانی پلانا تو پینا اسے / غرض غیر کے ہاتھ جینا اسے
نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش / بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش
چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر / وہی سامنے صورت آٹھوں پہر
نہفتہ اسی سے سوال و جواب / سدا روبرو اس کے غم کی کتاب
جو آجائے کچھ ذکر شعر و سخن / تو پڑھنا یہ دو تین شعر حسن

غزل

یہ کیا عشق آفت اٹھانے لگا / مرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا

ملا میرے دلبر کو مجھ سے خدا / نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا
گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں / مرا دل ہی مجھ کو ڈبانے لگا
فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا / کہ جس کی عوض یوں رلانے لگا
نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسن / مرا دوست مجھ کو ستانے لگا

غزل یا رباعی و یا کوئی فرد / اسی ڈھب پہ پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں / نہیں تو کچھ اسکی بھی خواہش نہیں
سبب یہ کہ دل سے تعلق ہو سب / نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل / کہاں کی رباعی کہاں کی غزل؟

داستان بدر منیر کے غم و اندوہ کی اور عیش بائی کے بلانے میں

گلابی بہ غنچے کی مجھ کو شتاب / پلا ساقیا کیتکی کی شراب
پیالے میں نرگس کے دے میری جاں / کہ دیکھوں ہیں کیفیت بوستاں
حکایت کروں ایک دن کی رقم / کہ دنیا میں توام ہیں شادی و غم
اٹھی سوتے اک دن وہ شب کو پری / کہا جا کے دیکھوں چمن کو ذری
مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل / کہ غم نے کیا ہے نپٹ مضمحل
زبس گل سے آتی ہی بو یار کی / ہوا پھر ہوئی اس کو گلزار کی

پھر اِک آن ہو کر کہ منہ ہاتھ دھو چلی اُٹھ کے دالان سے سیر کو
زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا
کہ زانو پہ اِک پاؤں کو دھر لیا اور اِک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا
نہ پوچھ اُس کے پائے نگاریں کا حال زبانِ ثنا وصف میں جسکے لال
کفک اور فندق سے لالہ کو داغ نہ ہو ایسی کیفیت پائیں باغ
طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ سنہری شفق جس کو ہو دیکھ دنگ
جواہر کے چھلّے بھرے پور پور زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ قور
زبس سمتی اُٹھی تھی وہ نازنیں پڑی تھی عجب ڈھب سے چینِ جبیں
خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں
جوانی کا موسم شروعِ بہار وہ سینے سے اُسکے کچونکا ابھار
نشے میں وہ آ حسن کے بیٹھنا وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا
خواص ایک حقہ لیے تھی کھڑی کہ لالے کی پتی تھی اُسمیں جڑی
وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام مغرق زری کا وہ نیچہ تمام
و لے ایک اُس پر پڑا تھا جو پیچ یہ سب اس کے آگے تھا گویا کہ ہیچ
لبِ نازک اُدھر وہ منہ نال دھر نکالے تھی پردے سے دُودِ جگر
اِدھر اور اُدھر ہر طرف تھی نگاہ کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ
خواصیں کھڑی اُسکے سب گرد و پیش جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش

کوئی مورچھل لے کوئی پیکدان کوئی لے چنگیر اور کوئی پاندان
رسیلی چھبیلی بنی تنگ و چست لباس اور زیور سے ہر اِک درست
کھڑی نیچی آنکھیں کیے با ادب اِسی شرم سے پر قیامت غضب
وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ اودھر غش میں آتے تھے سب بھول او گیاہ
کئی ہمدم اُس کی جو تھیں ماہ رو بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو
برابر برابر اِدھر اور اُدھر وہ گرد اُس کے بیٹھی تھیں یکدگر
سماں اُس گھڑی کا کہوں کیا میں آہ ستاروں میں تھا جلوہ گر ایک ماہ
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر کہ ہر گُل کی تھی اُس کے منہ پر نظر
چمن اُس گھڑی بیہوش تھا گُل و غنچہ جو تھا سو بیہوش تھا
زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی دوبالا ہر اِک گُل کی خوبی ہوئی
معطر ہوا اور گُل کا دماغ کہ مہکا تمام اُس کی خوشبو سے باغ
پڑا عکس اُس کا جو طرفِ چمن ہوا لالہ گُل اور گُل نسترن
درختوں پہ اُس کی پڑی جو جھلک زمرد کو دی اور اُس نے چمک
ہوئی اُس کے بیٹھے سے گلشن کی زیب گیا اُڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اُس گُل کی دیکھی بہار ہوا دیکھ اپنے گلوں کو فگار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل لگے کہنے اِس باغ کا ہے یہ دل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ ہوئی سرو کی طرح قمری کو آہ

جھمکتے واں کے آئینہ دیوار و در
وہ مہ سب کے دل میں ہوئی جلوہ گر

کہ لٹنے میں کچھ جی میں جو آگیا
ادا سے لگی کہنے وہ دل رُبا

"اری ہے کوئی یاں؟ ذرا جائیو
مری عیش بائی کو لے آئیو"

"عجب وقت ہے اور عجب ہے سماں
گئے دو گھڑی آ کے مجرا یہاں"

"خفا ہوں مرا جی تو مشغول ہو
کوئی دم تو داغ جگر بھول ہو"

کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں
جلے ہے جگر دل سُلگتا نہیں

یہ سنتے ہی دوڑی گئی اک نگار
لیا عیش بائی کو اس نے پکار

وہ آنے لگی کافر اس آن سے
کہ جانے لگا دین مسلمان سے

عجب چال سے وہ چلی نازنیں
کہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں

وہ خلقت کی گرمی وہ ڈومن بنا
نشے میں بھبھوکا سا چہرہ بنا

لٹیں منہہ پہ چھوٹی ہوئیں سربسر
کہ بدلی ہو جوں مہ کے ادھر اودھر

وہ پن پت نچھے ہونٹوں کی مسی غضب
کہ منہہ پر تھی گویا قیامت کی شب

فقط کان میں ایک بالا پڑا
کہے تو کہ تھا مہ کے ہالا پڑا

وہ پشواز اگری وہ نرگس کے ہار
وہ کمخواب کی بند رومی ازار

بندھا سر پہ جوڑا پڑی زرد شال
کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال

وہ شبنم کی انگیا ہی تنگ و چست
کناروں پہ مینا بنت کا درست

وہ اٹھی ہوئی چین پشواز کی
وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی

وہ مہندی کا عالم وہ توڑے چھڑے
وہ پانوں میں سونے کے دو دو کڑے

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی
کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی

عجب ایک عالم تھا بے ساختہ
کہ عالم تھا اک اس پہ دل باختہ

کئی کافریں اور بھی دل نواز
لئے ساتھ ساتھ اس کے سب اپنا ساز

چلیں ایک اغماز اور ناز سے
کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے

روش پر جو تھا فرش اس کے حضور
ادب سے وہاں بیٹھیاں مل کے دور

ہوا حکم گوری کا جو برملا
لیے ساز اپنے سبھوں نے اٹھا

دیا آسماں پر جو طبلوں کو کھینچ
ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اینچ

لگی گانے ٹپہ وہ اس آن سے
نکلنے لگی جان ہر تان سے

عجب تال پڑتی تھی انداز سے
کہ بجلی تھی ہر تان آواز سے

وہ تھی گٹکری یا لڑی نور کی
مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی

گل و غنچہ کی طرح محجوب تھی
کھلی اور مندی دل کی مرغوب تھی

غرض کیا کہوں اس کا میں ماجرا
عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا

وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں
وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں

گھڑی چار دن باقی اس وقت تھا
سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ
وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ

لپیٹے ہوئے پوستوں پر تمام
روپہلی سنہری ورق صبح و شام

ولیکن جو کچھ دل گیوں پر گیا / کہ بن آئی ہر اک وہاں مر گیا
لگا تھا زبس عشق کا اُس کو تیر / لگی کھینچنے آہ بدرِ منیر
بندھا اُسکو عاشق کا اپنے خیال / لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہیں کا کہیں لے اُڑا اسکو راگ / ہوا سے ہوئی اور دُونی وہ آگ
لگی کہنے ہی یہ دیکھوں میں سیر / نہ ہو پاس میرے وہ یادش بخیر
وہ جانے کہ ہو جسکے کچھ دل کو لاگ / کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ
بھلا کیونکے جی اُس کا خوشحال ہو / کہ ہجراں کا غم جس کے دُنبال ہو
جگر میں اگر آہ کی سُول ہو / لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال / جسے یادِ شمشاد کی ہو کمال
کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر / جسے اپنے گل کی نہ ہووے خبر
یہ کہکر اُٹھی واں سے وہ دل رُبا / چھپر کھٹ پہ جا کر گری منہ چھپا
خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا / ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اُٹھتے ہی اُس کے جاتی رہیں / طوائف کہیں اور خواصیں کہیں
مری عقل اس جا پہ حیران ہے / کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے
ہر اک وقت ہے اسکا عالم جدا / جو چاہا ہوئے پھیر ہو تو امکان کیا

کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار / نہیں اک وطیرے پہ لیل و نہار

وہ لالے کا عالم ہزارے کا رنگ / وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کی ترنگ
گلابی سا ہو جانا دیوار و در / درختوں سے آنا شفق کا نظر
وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور / ہر اک جانور کا درختوں پہ شور
وہ سرو سہی اور آبِ رواں / وہ پانی کا مستی سے بہنا وہاں
وہ اُڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا / کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ
وہ تھیں تتاں اور ستھری الاپ / وہ گوری کی تانیں وہ ڈھولکی تھاپ
وہ دل چھیننا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ / اُچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
نہ انساں ہی کا دل ہوا اسمیں بند / ہوئے محو سُنکر چرند اور پرند
غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے / اڑے جس جگہ تھے اڑے رہ گئے
جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے / جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے
لگی دیکھنے آنکھ نرگس اُٹھا / گلوں نے دیئے کان اودھر لگا
لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت / کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت
درختوں سے گرنے لگے جانور / بنے مثلِ آئینہ دیوار و در
ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن / بھرا اشک سے بلبلوں کے چمن
گئے نہر کے سنگپارے پگھل / پڑے سارے فوارے اُسکے اُچھل
عجب اُس کو بھی دیا ہے اثر / کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر
بندھا اس طرح کا جو اُس جا سماں / ہوا سب کے دل کا عجب حال واں

داستان بے نظیر کے غم ہجر سے بدر منیر کی بیقراری میں

پلا ساقی اک جام مجھ کو شتاب
کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب

شب ہجر کی پھر علامت ہوئی
غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی

گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشک حور
سبھوں سے کہا تم رہو دور دور

اکیلی وہ رونے لگی زار زار
اسی اپنے عالم میں بے اختیار

گرے چشم سے اسکے اتنے گہر
کہ دھویا اسی آب سے منہہ سحر

صبوحی تو دے ساقی لعل فام
کہ رو دھو کے میں رات کاٹی تمام

ہوا آفتاب الم جو طلوع
اداسی کا ہونے لگا دن شروع

ذرا آئینہ لیکے دیکھا جو رنگ
تو جوں آئینہ رہ گئی وہ بھی دنگ

بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار
کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار

فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر
لگی دل کو بہلانے ادھر اودھر

زباں پر تو باتیں و لے دل اداس
پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس

نہ منہہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر

اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں
جو گرتی ہے میلی تو محرم نہیں

جو مسی ہے نو دن کی تو ہے وہی
جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی

جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے
غم آلودہ صبح طرب ناک ہے

نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام
نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام

ولیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاو
کہ بگڑے سے دونا ہوا انکا بناو

نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی
جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی

غرض بے ادائی ہے ان کی ادا
بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا

جو ماتھے پہ چین جبیں غم سے ہے
تو وہ بھی ہے اک موج دریائے مے

وہ آنکھیں جو روئی ہیں پھوٹ پھوٹ
تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ

تپ غم سے یوں تمتماتے ہیں گال
کہ جوں رنگ لالہ ہو وقت زوال

گریبان سینے پہ ہے جو کھلا
تو گویا وہ ہے صبح عشرت فزا

نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے
و یا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے

ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا
کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا

داستان بیقراری بدر منیر کی بے نظیر کے فراق میں اور نجم النساء کے تسلی دینے میں

پلا ساقیا ساغر بے نظیر
پھنسی دام ہجراں میں بدر منیر

وہ حسن و جوانی اور اس پر یہ غم
ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم

جہاں بیٹھنا آہ کرنا اُسے — بہانا نزاکت پہ دھرنا اُسے
کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا — کسی کو کبھی دیکھ دھو ڈالنا
خواصوں کو بالا بتانا اُسے — اکیلے درختوں میں جانا اُسے
ولے اُن درختوں میں جن میں وہ ماہ — سرِ شام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ
سو وہ بھی پہر دن سے آ ان میں مدام — اسی چھاؤں میں بیٹھ کرتی تھی شام
گیا اس طرح جب مہینا گزر — کہ وہ ماہ مطلق نہ آیا نظر
اور اس کا ادھر رنگ گھٹنے لگا — جگر خوں ہو مژگاں پہ بٹنے لگا
لگی رہنے تب جان بے تاب میں — لگا فرق آنے خور و خواب میں
محبت کا سودا سا ہونے لگا — جنوں تخمِ وحشت کا بونے لگا
سرکنے لگا پاسِ ناموس و ننگ — لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ
خموشی اٹھانے لگی دل میں شور — جتانے لگی ناتوانی بھی زور
یہ احوال دیکھ اُس کا دختِ وزیر — لگی جل کے کہنے کہ بدرِ منیر
تو وہ ہے کہ سب کے تئیں دے وقوف — کدھر دل گیا تیرا اے بے وقوف
مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت — مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت
اری چار دن کے ہیں یہ آشنا — ملا دل کو آخر کریں ہیں جدا
بگے آسماں گہ زمیں کے ہیں یہ — جہاں بیٹھے جا بس وہیں کے ہیں یہ
تو بھولی ہے کس بات پر اے بُوا — خبر لے دِوانی تجھے کیا ہُوا

سنو جانی آپنے پہ کوئی مرے — تو دل پہلے اپنا بھی صدقے کرے
اگر آپ پر کوئی شیدا نہ ہو — تو پھر چاہیے اُس کی پروا نہ ہو
وہ خوش ہوگا اپنی پری کو لئے — عبث اُس پہ بیٹھی ہو تم جی دیئے
تمہاری اُسے چاہ ہوتی اگر — تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر؟
لگی کہنے تب اُس کو بدرِ منیر — کہ سنتی ہے اے میری دختِ وزیر
کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے — کہ اُس کا خدا عالم الغیب ہے
وہ اپنے دلوں سے تو ہے نیک ذات — ہوئی اُس پہ کیا جانئے کیا واردات؟
ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ — گئے اتنے دن ابتک آیا نہ وہ
مجھے رات دن اس کا رہتا ہے ڈر — پری نے سنی ہو نہ یاں کی خبر
نہ باندھا ہو اُس کو کسی قید میں — کیا ہو نہ اُس کے تئیں قید میں
پری نے کہیں طیش کھا لاف میں — دیا ہو نہ پھینک اُسکو کہ قاف میں
پرستان سے بھی نکالا نہ ہو — کسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو
نہ ملنے کے دکھ اُسکے سب ہیں سہے — بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی — گہر آنسوؤں کے پرونے لگی

گئی منہ کی پٹی کی مار آخر کو لیٹ
چھپرکھٹ کے کونے میں منہ کو لپیٹ

خواب دیکھنا بدر منیر کا بے نظیر کو کنوئیں میں اور جوگن بنکر نکلنا نجم النسا کا اسکی تلاش میں

پلا ساقیا جام جس سے وہ دل
کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کل

کسی کے تو آ کام فرخندہ حال
کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال

ذرا آنکھ جھپکی جو اس حال میں
تو دیکھا پھنسا اسکو جنجال میں

قضا نے دکھایا عجب اسکو خواب
کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب

جو دیکھے تو صحرا ہے اک لق و دق
جسے دیکھ رستم بھی ہو جائے فق

نہ انساں ہے واں نہ حیوان ہے
فقط اک کفِ دست میدان ہے

مگر بیچ میں اسکے ہے اک کنواں
کہ اٹھتا ہے آہوں کا واں سے دھواں

کنوئیں کا ہے منہہ بند اور اس سے اڑی
کئی لاکھ من کی ہے اک سل پڑی

صدا واں سے آتی ہے "بدر منیر
ترے چاہِ غم میں ہوا ہوں اسیر"

میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جاں
کروں کیا کہ ہے مجھ پہ بندِ گراں"

پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے
فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے"

تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے
تو اس قیدِ غم سے چھڑا دے مجھے"

نہیں مجھ کو مرنے سے کچھ اپنے ڈر
یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر"

"تجھے کاش اس وقت میں دیکھ لوں
جیوں میں اگر تیرے آگے مروں"

"ولیکن یہ ہے خام میرا خیال
نہیں وصل ممکن بغیر از وصال"

"کوئی دم کا مہماں ہوں اب اجل
اسی چاہ میں جائیگا دم نکل"

یہ سن وارداتِ شہِ بے نظیر
جو چاہے کرے بات بدر منیر

یہ ہرگز میسر نہ آئی اسے
قضا نے نہ اس کی سنائی اسے

یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل
بھرے اشک رخسار پر آئے ڈھل

نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ
پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ

صدا اپنے یوسف کی سن خواب سے
اٹھی باؤلی جانِ بے تاب سے

کہا گو کسی سے نہ اس نے یہ بھید
ولے جوں مہِ صبح چہرہ سفید

ڈھلے منہہ پہ آنسو ہوا بسکہ رنج
چھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج

وہ مہتاب سا چہرہ ہو زرد زرد
سراپا ہوا شکلِ اندوہ و درد

زبس آہ و نالہ سے گھٹنے لگی
تو منہہ پہ ہوائی سی چھٹنے لگی

مژہ وہ نکیلی جو تھی تیر سی
ہوئیں اشکِ خوں سے گلگیر سی

چمپا سا قد تھا جو رشکِ چنار
نکلنے لگے اس سے شعلے ہزار

جلیں اسکی آہوں سے گل صورتیں
ہوئیں سب وہ مٹی کی جوں مورتیں

چھپایا بہت اس نے پر تپشیں
چھپانے سے آتش چھپے ہے کہیں

"کسی سے کسی کو جو ہوتی ہے لاگ
بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ"

خواصیں کئی وہ جو ہمراز تھیں | بڑی خدمتوں میں سرافراز تھیں
کہا ان سے رو رو کے احوال خواب | رُلایا انہیں پڑھ کے غم کی کتاب
سنا جبکہ نجم النسا نے یہ حال | ہوئی بیقراری تب اسکو کمال
لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا | ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا
تب اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں | اسے ڈھونڈھ لانیکو چلتی ہوں میں
جو باقی رہا کچھ مرے دم میں دم | تو پھر آ کے یہ دیکھیو ہوں قدم
وگر مر گئی تو بلا سے موئی | تو یوں جانیو مجھ پہ جیسے ہوئی
کہا شاہزادی نے سن اے رفیق | ہوئی میں تو اس چاہ غم میں غریق
بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو | کہ ہے وہ پری اور انسان تو
رسائی تری ہوگی کیونکر وہاں | مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے میری جاں
میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط | کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط
وگرنہ میں رک رک کے مر جاؤں گی | اسی طرح جی سے گذر جاؤں گی
کہا اس نے "کیا کیجیے پھر بھلا | پڑی اب تو اپنے ہی سر پر بلا
میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈول | ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول"
تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں | اس اندوہ کا مجھ کو یارا نہیں"
یہ کہہ اس نے رو رو اتارا سنگار | کیا اپنی پشواز کو تار تار
گریبان کو مثل گل چاک کر | دیا خاک پر پھینک ادھر اودھر

پھر آئے جو کچھ اسکو ہوش و حواس | سجا تن پہ جوگن کا اس نے لباس
پہن سیلی اور گیروا اوڑھ بھیس | چلی کر کے صحرا کو جوگن کا بھیس
کئی سیر موتی جلا راکھ کر | بھبوت اپنے تن پر ملی سر بسر
پہن ایک لہنگا زری باف کا | وہ پردہ سا کر اس تن صاف کا
زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ | بدن کو چھپا اور گاتی کو باندھ
زمرد کے مندرے لگا کان میں | کہ جوں سبزہ و گل گلستان میں
گلے بیچ ڈال اپنے مالوں کے تئیں | پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں
زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا | کیا سنبلستان کو جگمگا
لٹیں وے کے بل دوش پہ چھوڑ دیں | وہ باگیں سی شبدیز کی موڑ دیں
ترے غم سے آنکھوں کو کر لال لال | رکھا چشم بیں خون دل کو نکال
زمرد کی سمرن کو ہاتھوں میں ڈال | اور اک بین کاندھے پہ اپنے سنبھال
جو سیلی تھے تن کے انہیں کر درست | پہن اپنے موقع سے چالاک و چست
چلی بن کے جوگن وہ باہر تئیں | دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں
تف سوز دل سے عیاں تھے جمال | اڑاتی چلی اپنی آہوں سے لال
اس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں | صفا رکھتے ہے اور چمکی وہاں
کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند | چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند
چھپانے کو سوانگ اس نے جو جو کیے | غرض حسن نے اور جلوے دیے

وہ موتی کی سیلی وہ تنکی دمک — شبِ تیرہ میں کہکشانِ فلک
زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے — کہ جوں شب میں کوئی بنیٹی کرے
زمانے کو بھائی جو اس کی ادا — تو اس رات پر دن کو صدقے کیا
کرے جو کہ تقویم دل سے حساب — کہے سنبلہ میں گیا آفتاب
یہ برق اور یہ ابرِ سیہ ہے اگر — تو دامانِ عشاق ہوویں گے تر
زمرد کے مندرے وہ اس آن سے — کہوں کیا کہ جیسے کھلے کان پر
وہ مندرے وہ تن اسکا خاکستری — ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری
اڑے سبزہ و گل کے دیکھ اسکو ہوش — وہ دونوں ہوئے اسکے حلقہ بگوش
نظر کر صفائی کو اس گوش کی — زمرد کو اس گوش کی لو لگی
بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرد کی شان — جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان
وہ موتی کے ملنے وہ مونگے کے ہار — گل و نسترن کی چمن میں بہار
گلابی سی وہ نرگسِ شوخ رنگ — بھرے جس میں لالا کے لالے کے رنگ
وہ قشقہ کھچا سرخ ماتھے پہ یوں — پڑے لوح پر لعل کا عکس جوں
ادا اس کی دیکھے جو عاشق کبھو — تو رو رو کرے چشم سے وہ لہو
یہ بین اس کے کاندھے پہ تھی خوشنما — چلے جوں کوئی مست شیشہ اٹھا
دیارِ محبت میں مہنگی تھی وہ — نہ تھی بین عشرت کی بہنگی تھی وہ
نہ تھی بین تھے قمقمے رنگ کے — دیا تھے سبو جبر آہنگ کے

سو وہ بین کو کاندھے پہ رکھ یوں چلی — کہ لاوے کوئی جیسے گنگا جلی
ہر اک تار تھا بین کا رودِ نیل — وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل
نہ عاشق ہوئے اس کے عالم پہ لوگ — دِوانا ہوا جوگ دیکھ اس کا جوگ
بنی جبکہ جوگن وہ اس رنگ سے — لگے پھوڑنے دوست سر سنگ سے
وہ رخصت جو اس طرح ہونے لگی — تو وہ صاحبِ خانہ رونے لگی
وہ رو رو کے دو ابرِ غم یوں ملے — کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے
یہاں تک بندھا اُسکے رونے کا تار — بہے چھوٹ دیوار و در ایک بار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گردِ گل — وہ رو رو ہوئے شبنم آلودہ گل
نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار — کہا حق کو سونپا تجھے لے سدھار
چلی جس طرح بیٹھ اپنی دکھا — اسی طرح دکھلا ہمیں منہ پھر آ
کسی نے کہا تو ہو یوں مت مجھے — خدا کے تئیں میں نے سونپا تجھے
کہا اس نے خیر اب تو جاتی ہوں میں — جو ملتا ہے تو اس کو لاتی ہوں میں
تمہیں بھی خدا کو میں سونپا سنا — مرا بخشیو تم کہا اور سنا
جدا ہو کے القصہ روتوں کو چھوڑ — چلی اپنے گھر بار سے منہ کو موڑ
نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منزل کی لی — نکل شہر سے راہ جنگل کی لی
لئے بین پھرتی تھی صحرا نورد — تن چاک چاک اور رخ گرد گرد
کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے — کہ جس سے وہ رشید کا شید ملے

جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین
تو سننے کو آتے تھے آہو وہیں

بجاتی وہ جوگن جہاں جوگیا
تو واں بیٹھتی خلق دھونی رما

اسے سننے آتا تھا صحرا کو جوش
صدا سے درختوں کو آتا خروش

گل نغمہ جو اس سے گرتے ہزار
تو لیتا انہیں دشت دامن پسار

کہیں حلقہ حلقہ کہیں لخت لخت
کھڑے ہو کے گرد اسکے سنتے درخت

بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بن کے بین
خس و خار سنتے تھے بن بن کے بین

نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
ہر اک عالم شوق میں تھی کھڑی

تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی
دد و دام غش ہو پڑے تھے سبھی

یہاں تک کہ رہ میں جو تھے نقش پا
وہ بیٹھے تھے کان اپنے ادھر لگا

گل نغمہ ترکی یہ تھی بہار
کہ صحرا کے گل اس کے آگے تھے خار

سن آواز کی اس کی شان و شکوہ
نکلنے لگی دب کے آواز کوہ

نہ پانی ہی سن شور اس کا چلے
کنوئیں کے بھی دل میں اٹھے ولولے

نہ چشمے ہی کچھ آبدیدہ رہے
گریبان کر چاک دریا بہے

ہوا بلبل و گل کا یاں تک ہجوم
کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم

تحیر کا تھا واں ہر اک کو مقام
زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام

چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں
بناتی تھی جنگل میں منگل کے تئیں

یہ ہر جا پہ تھا اسکے دم سے طلسم
بندھا تھا اسی دم قدم سے طلسم

شب و روز سرگشتہ مثل صبا
اسی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

ادھر ہے تو اے ساقی گلعذار
کہ صحرا سے اب دل ہوا خار خار

کوئی پھول سی دے شتابی شراب
کہ شہر مطالب کو پہنچوں شتاب

وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو
کہ جینے کی بیمار کو آس ہو

مسبب کے اسباب دیکھو ذرا
کہ قدرت میں اس کی ہے کیا کیا بھرا

سپید و سیاہ اس کے ہی اختیار
بنایا ہے اس نے یہ لیل و نہار

جہاں میں ہے اندوہ و عشرت بہم
کہیں صبح عیش و کہیں شام غم

دو رنگی زمانے کی مشہور ہے
کہیں سایہ ہے اور کہیں نور ہے

قضارا سہانا سا اک دشت تھا
کہ اک شب ہوا اس کا واں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ
ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشک مہ

بچھی ہر طرف چادر نور تھی
بہی چاندنی اس کو منظور تھی

بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبیں

کدارا بجانے لگی شوق میں — لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اُس کے ہاتھ — کہ مہ نے کیا دائرہ ہیکلے ساتھ
بندھا اُس جگہ اِس طرح کا سماں — صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر — وہ بُراق تھا ہر طرف دشت و در
وہ اُجلا سا میدان چمکتی سی ریت — اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے — خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سائے سے یہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
دیا یہ کہ جوگن کا منہ دیکھ کر — ہوا نور و سایہ کا ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سُن کر جو دل — گئے سایہ و نور آپس میں مل
وہ صورت خوش آئی جو اُس حور کی — دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی
ہوا بند گئی اُس گھڑی اُس کی بول — بسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا — لگی وجد میں بولنے "واہ وا"
کدارے کا عالم تھا اس گھڑی — کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی
یہاں کا یہ عالم تھا اور طور یہ — کہ تس اُوپر مزا تم سنو اور یہ
کہ تھا اک پری زاد فرخ سیر — جنوں کے تھا وہ بادشہ کا پسر
نہایت طرحدار صاحب جمال — برس بیس اکیس کا سن و سال
ہوا پر اُڑائے ہوئے اپنا تخت — کسی سمت جاتا تھا فیروز بخت

وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیرِ باد — اُسے خلق کہتی تھی "فیروز شاہ"
یکایک سنی بین کی جو صدا — وہاں تخت لا اُس نے اپنا رکھا
جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشکِ حور — کہ چشمِ فلک نے نہ دیکھا یہ نور
نظر کر کے حسن اُس کا غش کر گیا — تعشق کے عالم میں بس مر گیا
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے — لگا کہنے "جوگی جی آدیس ہے
بڑا تم یہ ایسا کہو کیا بجوگ — لیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ
کدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے — دیا اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے"
وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا اِدھر — کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر
"خس و خار ہے عشق حسن آگ ہے — سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے
وہ لے آگ ہے اور اُن میں ہوا — کہ دونوں طرف آگ [illegible] لگا"
کہا ہنس کے جوگن نے ہر بول پر — "کہاں سے تو آیا ہے [illegible]"
کہا تب پری زاد نے واہ جی — بہت گرم ہیں آپ واللہ جی
نہ روکھی ہو اتنی بھلا جاؤنگا — ذرا بین سن کر چلا جاؤنگا
کہا ہوتے سوتے سے اپنا ہو [illegible] — [illegible] فقیروں کو [illegible] ہو
یہ دو دو لطیفے جو باہم ہوئے — [illegible]
گیا [illegible] زینت [illegible] — رہا [illegible]
[illegible] — سراپا دل [illegible]

سنا تن بدن کا نہ کچھ اُس کو ہوش
بنا گل وہ جوں نقش با چشم و گوش

وہ جوگن تو بھی درد و غم کی اسیر
ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر

نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ لی راہ کی
جب آئی ذرا سُدھ تو بھر آہ کی

بجاتی رہی بین وہ صبح تک
وہ رو یا کیا سامنے بے دھڑک

ادھر تان پر بین کی تھی بہا
بندھا تھا ادھر اُسکے رونے کا تار

دھری اپنے کاندھے پہ جب اُس نے بین
اُٹھی لے کے انگڑائی زہرہ جبین

پری زاد نے تب پکڑ اُس کا ہاتھ
شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ

زمیں سے اُڑا آسماں کے تئیں
وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں

نہ مانا اور اُس نے اُڑایا اُسے
پرستاں میں لا کر بٹھایا اُسے

یہ مژدہ گیا باپ پاس اُس کے لے
کہا عرض کرتا ہوں میں آپ سے

یہ جوگی جو ہیں ایک صاحب جمال
ذرا بین سُنیے اور انکے خیال

بہت آپ ان سے اُٹھاوینگے حظ
بہت بین سے انکی پاوینگے حظ

کہا اُس نے بابا بہت خوب ہے
ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے

کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر
کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر

کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے
سروں پر ہمارے قدم آپ کے

بہت اُس کی تعظیم و تکریم کی
جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بُلانے میں

پلا مجھ کو ساقی محبت کا جام
کہ مہمانوں میں ہوا دن تمام

یہ جوگن جو بیٹھی پری گن ہوئی
کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی

بھبوت اپنے منہ پر شتابی سے مل
کہ اندھیری کو مہ کی شب آئی نکل

دکھاتی ہوئی سوز دل دور سے
اُڑاتی ہوئی رال کو نور سے

ستاروں کے مالے گلے بیچ ڈال
وہ پہونچی پرستان میں حال حال

ہوئی شب کو وہ بزم انجم فروز
چھپا رشک سے اسکے پردے میں روز

ملک نے پرستاں میں مجلس بنا
بُلایا اُسے جس کی تھی یہ بنا

پری زاد سارے ہوئے جمع واں
کہ دیکھیں تو جوگن کا چل کر سماں

وہ جوگن جو سچ مُچ تھی زہرہ جبین
سو مجلس میں آئی لئے اپنی بین

بہت منتوں سے بلایا اسے
بڑی عزتوں سے بٹھایا اسے

کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے
سماں بین کا ہم کو دکھلائیے

کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام
ہر اک طرح سننا ہمیں ہر کا نام

ہے بیزار فرمایشوں سے فقیر
وہ لے لیں کہ اب [illegible] میں سیر

کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے
کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے

جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں
نہیں جس میں راضی ہو تم [illegible]

کہا اس طرح سے جو فرماؤ گے
تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے

یہ کہہ اس نے اور بین کاندھے پہ دھر
یہاں تک بجائی کہ دیوار و در

کھڑے رہ گئے ہوش کھوتے ہوئے
نظر جو پڑے واں سو روتے ہوئے

گیا اہل مجلس کا جو دل پگھل
تو جوں شمع اشک آئے سب کے نکل

ہوئیں بین پر انگلیاں یوں رواں
کہ آنکھوں سے سب کے ہوا خوں رواں

رواں و دواں کر دیا جان کو
رلایا ہر اک جن و انسان کو

ہوا حال پر اس کا یہ کچھ تباہ
وہ عاشق جو اس کا تھا فیروز شاہ

کبھی سامنے آ کے کرتا نظر
کبھی دیکھتا چھپ کے ایدھر ادھر

ستوں کی کبھی اوٹ میں ہو کے وہ
کھڑا دیکھتا اسکو رو رو کے وہ

کبھی ایدھر اودھر سے پھر پھر کے آ
چھپا اسکے مکھڑے کی لیتا بلا

وہ گو کچھ نہ سنتی نہ کہتی اسے
کنکھیوں سے پر دیکھ رہتی اسے

نظر اس کی جب آن پڑتی ادھر
تو یہ اور جانب کو کرتی نظر

اس آن و ادا پر وہ فیروز شاہ
دل و جاں سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ

اگر کوئی جوگن کی کرتا ثنا
تو کھا رشک کہتا کہ پھر تمکو کیا

غرض تھی یہ حسرت کہ میں کیا کہوں
یہی دل تھا اسکا کہ دیکھا کروں

بجی بین صحبت میں اس ایسی بین
کہ غش کر گئے وہ جو تھے نکتہ چیں

سراہا پریزادے نے آپ سے
کہا کیا دیا جوگی جی آپ نے

اسی طرح ہر شب کرم کیجیے
مری بزم رشک ارم کیجیے

مقدم ہمارا رجھانا کرو
ہمیں اپنا مشتاق جانا کرو

یہ گھر بار ہے آپ ہی کا تمام
ہوئے آج سے ہم تمہارے غلام

تکلف کو موقوف کر دیجیے
جو درکار ہو آپ کو لیجیے

کہا اس نے مطلب نہیں کچھ ہمیں
تمہارا مبارک رہے گھر تمہیں

کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ
یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ

یہ کہہ واں سے اٹھی وہ جوگن ادھر
دیا تھا جہاں اسکے رہنے کو گھر

لگی رہنے اس میں شب و روز وہ
سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ

کہا اپنے جی سے کہ سنتا ہے جی
نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی

یہ بینم کہ تا کردگار جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں

غرض اس طرح اس کا معمول تھا
کہ اس شاہ پریوں کی خدمت میں جا

پہر رات تک ہنستی اور بولتی
ہر اک بات میں قند تھی گھولتی

بجا نے بین سب کو رجھاتی تھی وہ
پہر کے بجے گھر میں آتی تھی وہ

دلے کیا کہوں حال فیروز شاہ
کہ تھی دن بدن اس کی حالت تباہ

نہ دنیا کی اسکو نہ دیں کی خبر
اسی کے تصور میں شام و سحر

اسی شمع کے گرد پھرنا اسے
پتنگے کے مانند گرنا اسے

بہانے سے ہر کام کے روز و شب
وہیں کاٹنی اسکو اوقات سب

اسی طرح اوقات کھونا اُسے
سدا بین سُن سُن کے رونا اُسے

وُہ جوگن کبھی جس طرح کرتی ادا
ہر اِک تان میں اُس کو لیتی لبھا

نہ لے کچھ کبھی بات جو حسنِ طلب
تو عاشق پہ غصہ وُہ کرتی غضب

کبھی خوش کیا اور کیا گاہ اُداس
کبھی دُور بیٹھی کبھی اُسکے پاس

کیا اُسنے پردے میں جب کچھ سوال
دوانہ کیا اُس کو باتوں میں ڈال

کبھی تیکھی چتون سے گھائل کیا
کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا

کبھی ترچھی نظروں سے مارا اُسے
کبھی سیدھے دل سے پکارا اُسے

کبھی ہنسکے دیکھا ذرا خوش کیا
کبھی ہو کے غمگین ناخوش کیا

کبھی مُنہہ چھپایا دکھایا کبھی
کبھی مار ڈالا جلایا کبھی

لٹوں میں کبھی دِل کو لٹکا لیا
کبھی ساتھ بالوں کے جھٹکا دیا

وُہ ہرچند آنکھیں دِکھاتی رہی
پہ نظروں سے دِل کو لُبھاتی رہی

بچارا پریزاد وُہ سادہ دِل
اداؤں میں تھا انسان کی مشتغل

اسی طرح مدت گئی جب اُسے
چڑھی گرمی عشق کی تب اُسے

نہ منہہ پر وُہ عالم رہا اور نہ نُور
کئی دن میں دل ہو گیا چُور چُور

جگر خوں ہو آنکھوں سے آیا نکل
گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل

پہ دی پردہ دل سے جی نے صدا
کہ ہے صبر کی اپنے بس انتہا

جو کہتا ہے اُس سے تو کہہ حالِ دل
کہ اب تنگ ہے اپنا احوالِ دل

سنبھلتا ہے اب بھی تو ظالم سنبھل
نہیں کوئی دم میں چلا ہے نکل

مُلا کر تو اب دستِ افسوس کو
پڑا رہ لئے ننگ و ناموس کو

پہ سُن جی کا پیغام مجبور ہو
کہا اُسنے نزدیک کو دُور ہو

بلا سے اگر آن رہتی نہیں
کہ اب بِن کہے جان رہتی نہیں

غرض ایک دن بات یہ ٹھان کر
لگا گھات پر اپنی وُہ آن کر

نہ تھا اُس گھڑی کوئی ادھر اودھر
اکیلی پڑی اُس کو جوگن نظر

اکیلا اُسے دیکھ ہو بے قرار
گرا پانوں پر اُس کے بے اختیار

گرا اِس طرح سے قدم پر جو وُہ
تو کہنے لگی مسکرا اُس کو وُہ

"کہ ہے آج یہ کیا خلافِ قیاس"
"گرا آشنا تو ہو کے کیوں بے حواس"

"کسی نے ترا دِل ستایا کہیں"
"دیا جی کو تیرے لُبھایا کہیں"

"ترے بیٹھنے سے اذیت ہوئی"
"کہ ہمسایوں کی مصیبت ہوئی"

"غیروں سے آشنا نہ ہو تو خفا"
"چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا"

"اذیت گر ہم سے پاتا ہے تو"
"کہ اب پانوں پڑ پڑ اٹھاتا ہے تو"

لگا کہنے رو رو کے فیروز شاہ
"کہ بس بس یہی تو کہو گی نہ واہ"

"تمہاری سمجھ نے تو مارا ہمیں"
"یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں"

"ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا"
"جلے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا"

"ہو نہیں تم نہ واقف مرے حال سے"
"فدا میں رہا جان اور مال سے"

تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے — بھلا تم کو اب یاں کوئی کیا کہے
تم ایسی ہی بے رحم و بیدرد ہو — غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو
کہا اُس نے لے کہہ شتاب اپنا حال — اگر تو کہے یوں گرا سر کو پاؤں پہ ڈال
کہا تب پریزاد نے میری جاں — کہاں تک کروں رازِ دل کو نہاں
بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول — غلامی میں اپنی مجھے کر قبول
لگی ہنس کے کہنے کہ اک طور سے — جو میری کہانی سنے غور سے
مطالب اگر میرے بر لا سکے تو — تو شاید مراد اپنی بھی پائے تو
کہا اُس نے پھر جلد فرمائیے — کہ ہو آپ سے جو بجا لائیے
کہا اُس نے یہ ہے مری داستاں — کہ شہرِ سراندیپ ہے اک مکاں
ملک ایک واں کا ہے مسعود شاہ — اور اک اُس کی بیٹی ہے مانندِ ماہ
جہاں میں ہے بدرِ منیر اُسکا نام — میں رہتی ہوں خدمت میں اُس کی مدام
بنایا ہے اُس نے الگ ایک باغ — کہ فردوس کا ہے وہ چشم و چراغ
جدا باپ سے تھی وہ اُس جا مقیم — سدا سیر کرتی تھی بے خوف و بیم
میں نجم النسا اُس کی تخت وزیر — ہمیشہ سے ہمراز تھی اور مشیر
جدا ایک دم اُس سے ہوتی نہ تھی — سُلائے بغیر اُس کے سوتی نہ تھی
خوشی سے سرو کار غم سے فراغ — برنگِ چمن رہتے تھے باغ باغ
کسی طرح کا غم نہ تھا دھیان میں — ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں

ہوئی ایک دن یہ عجب واردات — کہ اک شخص وارد ہوا ایک رات
کہاں تک کہوں اس کا قصہ ہے دور — تھا آدمی نور کا تھا ظہور
گیا اُس پہ اُس شاہزادی کا دل — ہوئے ایک دونوں وہ آپس میں مل
ولے عاشق اُس پر تھی کوئی پری — محبت میں تھی اُس کی وہ بھی بھری
کہیں واں کے آنے کی سنکر خبر — خدا جانے پھینکا ہے اُسکو کدھر
دیا قید میں اُس کو ڈالا کہیں — کہ مدت سے اُس کی خبر کچھ نہیں
سو میں کھوج میں اُسکے جوگن ہوئی — کہاں تک تو پہنچی بروگن ہوئی
پریزاد آپس میں تم ایک ہو — اگر تم ذرا کھوج اُس کا کرو
تو شاید مدد سے تمہاری ملے — تو پھر آرزو بھی ہماری ملے
دل آباد ہو جی کو آرام ہو — تمہارا بھی اِس کام میں نام ہو
کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا — انگوٹھا دکھایا کہ ایں را بجا
کہا پھر نہ ہو کچھ نہیں بے یقیں — لگی ہنس کے کہنے نہیں رہنے نہیں
یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا — تقید سے سب کو سنا کر کہا
کہ جاؤ تو ڈھونڈو کرو مت کمی — کہ گر ان پرستاں میں قید آدمی
جو تم میں سے لاویگا اُس کی خبر — جواہر کے دونگا لگا اُسکے پر
یہ سُن اپنے سردار کا وہ کلام — تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام
ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر — جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر

وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے
تو کچھ اُس کو آئی صدا چاہ سے

کہا کچھ تو ملتا ہے یاں سے سُراغ
کہ آتی ہے یاں بُوئے گلزارِ داغ

وہ چوکی کے جو دیو تھے جابجا
لگا پُوچھنے کس کی ہے یہ صدا؟

کہا ماہ رُخ کا ہے قیدی یہاں
کنوئیں میں تڑپتا ہے اک نوجواں

وہ تحقیق کر اور لے اُن کا بھید
اڑا شہر کو اپنے دیوِ سپید

کیا جا کے فیروز شہ کو سلام
سُن آیا جو کچھ تھا سُنایا تمام

کہا میرا مجرا ہے اب لائیے
جو دینا کہا ہے سو دلوائیے

یہ معمول تھا واں کے انعام کا
جواہر کے اُس کو دیئے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہ رُخ کو

بھیجا پھر اُس ماہ رُخ کو پیام
کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام

"بنی آدموں کو تو چوری سے لا
بٹھاتی ہے گھر میں تعشّق جتا

ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال
تو کیا حال ہو تیرا پھر اے چھنال

عزیز اپنی رکھتی نہیں جان کو
ہے اب شرط پھونکوں پرستان کو

ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں
تجھے کیا پڑا دیو جُڑتا نہیں

بھلا اگئی بھول خوف و خطر
لگی رکھنے انسان پر تو نظر

بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال
کنوئیں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال

اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں
لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں"

گیا ماہ رُخ کو یہ فرمان جب
ہوئی خوف سے وہ پریشان تب

کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی
کہو اُس کو لیجائے یاں سے کوئی

اگر اب میں لاگو ہوں اُس کی کبھی
تو پھر پھونک دیجو مجھے تم بھی

پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو
کہ اس کا پرستاں میں چرچا نہ ہو

مرے باپ کو کچھ نہ ہووے خبر
کہ پھر میں نہ اِدھر کی ہوں نے اُدھر

یہ سُنکر جواب اُس کا فیروز شاہ
چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ

سرِ چاہ پر جب وہ پہنچا رفیق
کہا اُن کو تھے وہ جو اُسکے شفیق

کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے چلے
کسی طرح چھاتی سے پتھر ٹلے

وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگِ راہ
دیا پھینک واں سے اُسے مثلِ کاہ

وہ بادل سا سرکا جو اُس چاہ سے
تو اک نُور چمکا شبِ ماہ سے

اندھیرے میں اُس چاہ کے اُس کا تن
نظر یوں پڑا جیسے کالے کا من

وہ من ڈالے اُس میں پڑا تھا جواں
کہا اُس پری زاد نے سب کو ہاں

نکالو امانت اُسے اس نمط
کہ لیتے ہیں بُو مُشک سے جس نمط

تمہیں احتیاط اس کی اب ہے ضرور
سمجھیو اسے اپنی پتلی کا نُور

داستان کنوئیں سے نکلنے میں بے نظیر کے

قدح بھر کے لا ساقیا تیز تیز　　کنوئیں سے نکلتا ہے یوسف عزیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار　　مئے لالگوں سے دکھا لالہ زار
گلابی جھمکتی پلا دے مجھے　　سماں کوئی ایسا دکھا دے مجھے
کہ وہ ماہِ نخشب کنوئیں سے نکل　　منازل کو اپنی پھرے برمحل
کوئی دیو تھا واں سکندر نژاد　　کنوئیں میں اتر کر بحسبِ مراد
الگ یوں لے آیا کنوئیں سے نکال　　کہ فوارہ جوں آب کو دے اچھال
لے آیا وہ جوں خضر سو گھات سے　　نکال آبِ حیواں کو ظلمات سے
ہوئے مست اس ناز بوئے دو گل　　کہ نکلا وہ سنبل سے مانندِ گل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں　　کہ حرفوں سے جوں ہووے معنی عیاں
وہ جیتا تو نکلا و لے اس طرح　　کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
زبس اوپر آنے کا تھا اسکو غم　　کہے تو کہ بھرتا تھا اوپر کا دم
جمی خاک تن پر برنگِ زمیں　　گڑا جیسے نکلے ہے پتلا کہیں
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں　　کہ جوں خشک ہو نرگسِ بوستاں
وہ تن سرخ جو تھا سو پیلا ہوا　　وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اسکے سنبل سے بال　　ہوئے لاغری سے بدن کی وبال

فقط پوست باقی تھا اور استخواں　　نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں
بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود　　کہ الجھی ہو جوں ریسمانِ کبود
بدن خشک و زرد اس طرح تھا وہ گل　　خزاں دیدہ ہو جس طرح برگِ گل
وہ ناخن جو تھے اس کے مثلِ ہلال　　سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدرِ کمال
یہ دیکھا جو احوال اس کا تباہ　　تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ
بٹھا تخت پر اپنے اسکو وہاں　　لے آیا وہ بیٹھی تھی جوگن جہاں
رکھا تخت اک جا پہ اس کا چھپا　　کہا پھر یہ جا کر کہ "نجم النسا!
چل اب تو کہ میں اس کو لایا یہاں"　　یہ سنتے ہی گھبرا کے بولی "کہاں؟"
دوانی تھی از بس وہ اس نانوں کی　　نہ سر کی رہی سُدھ نہ کچھ پانوں کی
"کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے　　ذرا اس کی صورت دکھا تو مجھے"
"کہا رہ کے چلیو ذرا تھم رہو　　کہ شادی بڑی ہے کہیں غم نہ ہو"
یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اس کا ہاتھ　　لے آیا وہ جوگن کو واں ساتھ ساتھ
گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور　　دکھایا اسے اور کہا "کر تو غور
جسے ڈھونڈھتی تھی سو یہ ہے وہی"　　کہا ہاں ہے ہاں بس وہ یہ ہی وہی
یہ کہہ اور اس تخت کے پاس آ　　"کہا اے پری زاد تو اٹھ ذرا"
کہ اس تخت کے گرد اک دم پھروں　　بلائیں میں تیری لوں کھول کر آنکھ لوں
"کہا اس نے جھنجھلا کے بھلا دیکھ تو　　تو اس بات پر میرے صدقے نہ ہو"

کہا اُس نے تب اپنی جوتی دکھا | "اُرے دیو تو کیوں دِوانا ہوا"
غرض وہ پری زاد نیچے اُوتر | کھڑا ہو گیا تخت سے ہو اُدھر
یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی | بلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی
گلے لگ کے رونے لگی زار زار | کیا اپنے تن من کو اُس پر نثار
وُہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بے نظیر | تو نجم النسا ہے یہ دُختِ وزیر
"کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ" | "کہاں یہ لباس اور کیا یہ سوگ"
"کہا تیرے غم نے دوانہ کیا | کہ عالم سے اپنے بگانہ کیا"
بغل کھول کر پھر تو آپس میں مل | وُہ رویا کئے دیر تک متصل
بیان حال دونوں جو کرنے لگے | دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگے
کہی سرگذشت اُس نے اُس دم تلک | کہ اِس طرح پہنچے ہو تم ہم تلک
یہ سُن بے نظیر اپنے دلسوز سے | لگا شاد ہونے اُسی روز سے
کیا ایک دن تو اُنہوں نے مقام | چلے دُوسرے دن وُہ نزدیکِ شام
اُسی تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر | کہ تھا نقشِ مطلوب اس کا جدھر
وُہ جوگن وُہ فیروز شاہ اور وُہ ماہ | چلے تخت پر بیٹھ اُوپر کی راہ
پڑھے حرفِ مطلب جو کچھ سو چکر | تو بے کسر بیٹھے مثلث کے گھر
مربع نشیں تھی جو بدرِ منیر | وہاں اُسکو لائی وُہ دُختِ وزیر
اُتارا وہیں لا درختوں میں تخت | دوبارہ کھلے اُن درختوں کے بخت

اکیلی اُتر واں سے آئی اِدھر | لئے سوگ بیٹھی تھی وُہ مہ جدھر
یکایک جو آ وہ قدم پر گری | تو جھجکی وُہ شہزادی اور کچھ ڈری
پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ | مرے درد و غم کی بروگن ہے یہ
کہا "میری نجم النسا تو ہے جان | اری تیرے صدقے مری مہربان"
ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی | کہ جینے ہی سے اپنے یاں یاس تھی"
بہت اُس نے چاہا کہ ہووے کھڑی | کھڑی ہوتے ہوتے وہیں گر پڑی
کہا "مار غم سے افاقت نہیں" | "اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں"
بلائیں لگی لینے نجم النسا | لگی گرد پھرنے برنگِ صبا
اُسے شاہزادے کا تھا حال یاد | جو دیکھا تو یاں اُس کو کچھ نہ یاد
نہ گھر کی وُہ رونق نہ اسکا وُہ حال | گلوں سے لگا دل تلک پائمال
پڑے سارے بے دشت دیوار و در | محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
غزالِ حسیں جو حسیں یاں وُہ نازنیں | سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں
نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درُست | جو چالاک تھی بنگی وُہ بھی سُست
ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو تنگ | اُڑا رنگ چہرے کا مثلِ پتنگ
نہ آپس کی چہلیں نہ وُہ چہچہے | نہ گانا بجانا نہ وُہ قہقہے
غم آلودہ ہر ایک زار و نزار | نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
جو بیٹھیں تو رونا جو اُٹھیں تو غم | غرض بیٹھتے اُٹھتے اُس کا الم

چمن سارے ویران سے ہیں پڑے
شجر گل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے

جو خود ہے تو حیران و بیمار سی
کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی

نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس
ضعیف و نحیف و پریشاں اُداس

یہ دیکھ اُس کا احوال نجم النسا
جلی شمع کی طرح آنسو بہا

ولیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم
کیا مثل پروانہ سب نے ہجوم

سُنی ایک نے ایک سے یہ خبر
مبارک سلامت ہوئی یک دگر

کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی
کوئی دوڑ کر اس سے ملنے لگی

ٹکے کوئی صدقے کے لانے لگی
کوئی سر سے سوئی چھوانے لگی

کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی
ادھر سے کوئی اور اُدھر سے کوئی

حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی
لگیں کرنے آپس میں چرچا کوئی

ہوا سر پہ اُس کے زبس اژدحام
لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام

کہا بیبیو کل کہوں گی میں حال
کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال

وُہ انبوہ جب کچھ ہوا برطرف
تو پھر دیکھ نجم النسا ہر طرف

یہ بولی کہ شہزادی آتی نہیں
اُدھر اپنی تشریف لاتی نہیں

چلو چل کے آرام تک کیجیے
کچھ اک تم سے کہنا ہے سُن لیجیے

گئی جبکہ خلوت میں بدر منیر
کہا میں لے آئی ترا بے نظیر

یہ سُن ایکدم تو وہ غش کر گئی
کہے تو کہ حیرت میں آ مر گئی

تعجب سے پُوچھا کہ سچ سچ ہے یہ
و یا چھیڑنے کو مرے کج ہے یہ

کہا مجھ کو سوگند اس جان کی
غلط کہنے والی میں قربان کی

نشاط و خوشی کی خبر یک بیک
نہیں مُنہ پہ کہہ بیٹھتے بے دھڑک

کہا کیونکہ لائی کہا اُس طرح
وُہ سب کہہ دیا حال تھا جس طرح

ترا قیدی جا کر چھوڑا لائی ہوں
اور اک اور بندھوا لگا لائی ہوں

کہا پھر وُہ دونوں کہاں ہیں؟ کہا
درختوں میں اُنکو رکھا ہے چھُپا

عجب وقت میں میں ہوئی تھی جدا
کہ دلبر کو تیرے دیا لا ملا

مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی
کہ میں تیری خاطر بلا میں پھنسی

سو اب ایک کو تو لے آئی ہوں میں
ہوا دوسرے کو بتاتی ہوں میں

یہ سُن شاہزادی ہنسی کھلکھلا
کہا کیوں اُڑاتی ہے نجم النسا

اری ایک ہے تو بڑی قہر ہے
کہیں تو بنے او مت ابھی مرجے

چل اب چوچلے بس زیادہ نہ کر
اُنہیں جا کے جلدی لے آ تو ادھر

کہا پھر پریزاد سے بدر و
بغیر اذن کے کس طرح ہوگی تو

کہا وُہ تو ایسا دِوانا نہیں
وُہ اس بات کو کیا کہے گا نہیں

اگر دل میں کچھ تیرے سوواس ہے
نہیں وُہ وُہ بھی ترے پاس ہے

ذرا پُوچھ لیجو تو اس بات کو
کہو رُو برو اُس کے ہو یا نہو؟

یہ سُنکر شتابی گئی وُہ نگار
لیا جا کے آہستہ اُنکو پکار

چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں
وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکاں

پھر اس سے یہ پوچھا کہ اے بے نظیر
"کہے تو چلی آئے بدر منیر"

کہا خیر ہے تجھ کو شاید جنوں
"چھپے ہو کہیں بھائی سے بھی بہن"

"مرا جان و مال اس پہ قربان ہے"
"کہ اس کے سبب سے مری جان ہے"

"مرا یہ تو ہمدم ہے دن رات کا"
"مجھے اس سے پردہ ہے کس بات کا"

داستان بے نظیر اور بدر منیر کے ملنے کی اور اسکے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے منہ سے ساقی لگا دے شراب
کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب

یہ سن کر کے باتیں وہ پردہ نشین
چلی آئی واں ناز سے نازنین

حیا سے جھجک کر جو بیٹھی وہ پاس
پھر آئے گئے اسکے ہوش و حواس

نظر سے نظر جو ملی ایک بار
کئے چشم نے لعل و گوہر نثار

اُدھر چشم نم تھی اِدھر چشم نم
اُسے اسکا غم اور اِسے اسکا غم

نہ وہ رنگ اسکا نہ وہ اسکا حال
تن زرد زرد اور رخِ لال لال

بہم وہ خزاں دیدہ گلزار سے
ملے جیسے بیمار بیمار سے

عجب صحبت آپس میں اُس دم ہوئی
کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی

وہ نجم النسا اور فیروز شاہ
حیا سے کئے اپنی نیچی نگاہ

سرشکِ محبت بہانے لگے
اس احوال پر حیف کھانے لگے

اور اک طرف کو شاہزادہ نڈھال
لگا رونے آنکھوں پہ رکھکر رومال

وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر
لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر

چھپا منہ کو اس طرف سے نازنین
لگی کرنے تر دامن آستین

پڑیں غم کی باتیں جو آ درمیاں
یہ روئے کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں

غرض دیر تک مل کے روتے رہے
جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے

رخِ زرد پر اشکِ گلگوں بہا
بہار و خزاں کو کیا ایک جا

کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار
سو آنکھوں سے اُنکی دکھائی بہار

پھر آخر کو نجم النسا و شریر
لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر

"کیا چپ بھی ہو تو اب تو بکا"
"زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا"

"مگر تیری خاطر یہ روتی ہے کم"
"کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم"

"ذرا تن میں آنے دے اس کے تو تاب"
"ابھی اس میں رونے کی طاقت ہے باب"

"یہ مردہ سا لائی ہوں میں اس لئے"
"کہ دیکھے سے تیرے شتابی جئے"

"وگرنہ میں نے اس کی نہیں کی دوا"
"کہ ہے خانۂ یار دار الشفا"

"لے آئی ہوں اسکو محبت کی دھن"
"جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سن"

اُسے وصل کی اپنے دارو پلا   کسی طرح اس نیم جاں کو جلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو   خدا پھر نہ تم کو رُلائے کبھو
نہیں خوش نما پاس آئے ہوئے   رہیں دو جنے منہ تھتھائے ہوئے
یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل   پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل
بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط   اور اچھنے لگے دل سے عیش و نشاط
شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا   تکلف سے پھر اُن کے آگے دھرا
عجب چہل سے سب نے آپس میں مل   کیا نوش حسب تمنائے دل
پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے   الگ خوابگاہوں میں جا سو گئے
اُٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال   ہوئے اس مزے میں وہ خواب و خیال
الگ ہو کے لیٹی جو وہ ماہرو   ہوئی لیٹے لیٹے عجب گفتگو
وہ گذرا ہوا یاد کر کر کے حال   لگے رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہا شاہزادے نے احوال سب   کنوئیں میں جو گذرا تھا رنج و تعب
کہ یوں میں اندھیرے میں رویا کیا   کنوئیں میں تن اپنا ڈبویا کیا
نہ پہنچا کوئی میرا فریاد رس   تڑپتا رہا دل برنگ جرس
وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا   سدا میری چھاتی پہ پتھر رہا
محبت نے یہ جاں کشی زور دی   کہ میرے تئیں جیتے جی گور دی
زمیں سے نکلنے کی کب آس تھی   فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی

عجب طرح سے زیست کرتا رہا   تری جان سے دور مرتا رہا
خدا ہی نے تجھ سے ملایا مجھے   اُٹھا قبر سے پھر جلایا مجھے
دیا شاہزادی نے رو رو جواب   کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب
ترے داغ کی دل میں جو بو گئی   میں اک رات روتی ہوئی سو گئی
تو کیا دیکھتی ہوں کہ صحرا ہے ایک   اور اُس دشت بر میں کنواں سا ہے ایک
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر   اِدھر آ کہ یاں قید ہے بے نظیر
میں ہر چند چاہا کروں تجھ سے بات   ولے کی گئی واں نہ کچھ مجھ سے بات
مری جان گو اس طرف ڈھل گئی   اُسی دم مری آنکھ پر کھل گئی
عجب اُس گھڑی مجھ پہ گذرا قلق   کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق
اُسی دن سے یہ حال پہنچا مرا   کہ مرتی رہی نام لے لے ترا
نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر   ولے تھا ترے غم سے ٹکڑے جگر
گذرتا تھا واں مجھ پہ جو صبح و شام   وہ اندھیر تھا مجھ پہ روشن تمام
پہ کہتی میں کس سے یہ دردِ نہاں   شب و روز جلتی تھی میں شمع سال
عجب طرح سے زیست کرتی تھی میں   کہ اس زیست کرنے سے مرتی تھی میں
اُسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار   کہ کیونکر ملاوے گا پروردگار
مری شکل پر رو کے نجم النسا   گئی اس طرح حال اپنا بنا
پھر آگے تو معلوم ہے تم کو سب   کہ ہم تم ملے پھر اُسی کے سبب

یہ آپس میں رنجال یوں ہو اُٹھے
وہ کہنے کو سوتے تھے پس سو اُٹھے

جو ملتے ہیں بچھڑے ہوئے ایک جا
اُنہیں نیند باتوں میں آتی ہے کیا؟

پریزاد و نجم النسا واں جیسے
الگ اپنی باتوں میں مشغول تھے

کٹی رات حرف و حکایات میں
سحر ہو گئی بات کی بات میں

شبِ وصل کی جو سحر ہو گئی
تو سوتوں کو گویا خبر ہو گئی

لیا ماہ نے اپنے منہ پر نقاب
اُٹھا بسترِ خواب سے آفتاب

صبوحی کو اُٹھتا ہو جیسے مُدام
شرابِ شفق سے بھرے اپنا جام

لئے روز کو ساتھ آنے لگا
وہ سوتوں کو شب کے جگانے لگا

ہوا چشم وا جب وہ مژگاں دراز
سپید و سیہ میں ہوا امتیاز

گیا عقدۂ صبح اُس دم جو کھل
نکل آئے ادھر اُدھر سے وہ گل

اُٹھے جبکہ آپس میں گلفام وہ
گئے باری باری سے حمام وہ

دوبارہ کیا سب نے اپنا سنگار
چمن میں نئے سر سے آئی بہار

وہ جوگن ہوئی تھی جو نجم النسا
جمی گرد وہ اپنے تن کی چھڑا

نہا دھو کے نکلی عجب آن سے
کہ الماس نکلے ہے جوں کان سے

نہانے سے نکلا عجب اُس کا روپ
نکل آئے بدلی سے جس طرح دھوپ

دلے آگ اُس نے لگائی یہ اور
کہ پوشاک کی سرخ لالے کے طور

جلانے کو عاشق کے وہ گلبدن
لیا سرخ لاہی کا جوڑا پہن

تمامی کی سنجاف اُس پر لگا
طلا کی طرح سے دیا دُگد کا

اُسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس
تصور میں ہو سرخ جسکے قیاس

بھبھوکا سا تن اور منہ کی دمک
کہ جوں شعلۂ آتش اُٹھے بھڑک

مچلتی وہ اُٹھی ہوئی چھاتیاں
بھری اپنی جوبن میں اٹھلاتیاں

گلے کی صفائی وہ کرتی کا چاک
ترلقے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک

وہ کچھن سی آستیں کچیں لال لال
بھرے رنگ سے قمقمے کی مثال

نلاہٹ وہ کھتنی کی اس سے نمود
کہ جوں سرخ چہرے پہ خالِ کبود

کہے تو لئے اپنے منہ پر نقاب
شفق میں چھپے جوں مہ و آفتاب

بنت گرد اُس کے نہ کیونکر پھرے
کہ واں گوکھرو لہر کھا کھا گرے

وہ پاجامہ سبز کمخواب اور
دوپٹہ بنارس کا سورج کے طور

جواہر سجا اپنے موقع سے کُل
ترشح میں ہو جیسے نمدین گل

وہ کنگھی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے
ہر اک آن میں اپنی ہر سو کھنچے

کھجوری وہ چوٹی زری کا باف
کہ جوں دود کے بعد شعلہ ہو صاف

عروسانہ اُس نے کیا جب لباس
تو آنے لگی خون کی اُس میں باس

بنی جبکہ اُس رنگ وہ رشکِ حور
چلی آئی فیروز شہ کے حضور

پریزاد تو قتل ہی ہو گیا
کہے تو کہ بس جان سے کھو گیا

حیا سے نہ کی بات نے کچھ کہا
ولے جی سے قربان اُس پر رہا

وہ بن ٹھن کے آپس میں ہنسنے لگے
بہم رازِ دل اپنے کہنے لگے

خوشی سے ہوئے ایسے سرسبز دل
لگے سبزیاں پینے آپس میں مل

ضیافت بہم مل کے کھانے لگے
وہ غم کھانے اُنکے ٹھکانے لگے

چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے
پہ غیروں کے چرچے سے ڈرتے رہے

اگرچہ ہر اِک وصل سے شاد تھا
ولے ہجر کا غم اُنہیں یاد تھا

یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہرو
کہ اس بات کو کیجے ایک سُو

غضب ہے جو یونہیں دوبارا رہیں
چھپے کب تلک اُنکا یارا رہیں

یہی ہے یہ تکلیف آرام کو
یہ ناکامیاں ورنہ کس کام کو

نصیب اس طرح سے جو یاری کریں
عیاں کیجئے ہم خواستگاری کریں

جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے
اِدھر اور اُدھر مل کے دو دو گئے

وہ نجم النسا اور وہ بدرِ منیر
کچھ اِک کر بہانہ وہ دونوں شریر

رہیں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے
کہ دیکھیں گے اب ہم قدم آپ کے

نکل بینظیر اور وہ فیروز شاہ
کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ

کر اسباب سلطنت کا درست
پھر آئے اُسی جا پہ چالاک و چست

وہاں کا جو تھا شاہ انجم سپاہ
جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ

نامہ بھیجنا بینظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بدرِ منیر کے

کیا نامہ یوں ایک اُس کو رقم
کہ اے شاہِ شاہان و اے فخرِ جم

فریدوں مثال و سکندر نژاد
مرادِ جہان و جہانِ مراد

جہانِ شجاعت زمانِ کرم
دلِ رستم گُردِ حاتم ہمم

میں آوارہ ہوں یاں ایک مہماں غریب
لے آئے ہیں مجھ کو مرے یاں نصیب

نوازش سے اپنی کرم کیجیے
غلامی میں اپنی مجھے لیجیے

ہمیشہ سے ہے راہ و رسمِ شہاں
کہ وابستہ یونہی ہیں کارِ جہاں

جہاں پر ہے روشن کہ میں ماہ ہوں
ملک زادہ ابنِ ملک شاہ ہوں

ہر اک مجھ سے واقف ہے برنا و پیر
کہ ہے نام میرا شہِ بے نظیر

بیاں سب کیا ماضی و حال کا
تجمل لکھا فوج و اموال کا

جتا کر بہت عجز اور انکسار
لکھا یہ بھی اک حرف آخر کی بار

کہ جو ہووے برعکس شرعِ شریف
وہ ہے اپنے مذہب میں اپنا حریف

اگر مانیے خیر تو مانیے
نہیں آپ آپا ہی جانیے

گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام
سُنا اور پڑھا خط کا مضموں تمام

سمجھ اُس کا مضمون مسعود شاہ — کہ آتی ہے فوج اور اتنی سپاہ
اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو — پھر آخر خدا جانے کیا رنگ ہو
اور آخر یہی ہے زمانے کا حال — کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال
نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے — ہمیشہ سے عالم برومند ہے

جواب نامہ بینظیر کا ملک مسعود شاہ سے

لکھا نامہ اُس کے یہ اِک در جواب — کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب
لکھا بعدِ حمد و ثنائے خدا — پس از نعتِ احمد شہِ انبیا
کہ نامہ تمہارا جو سربستہ تھا — وہ رازِ نہاں اپنے ہاتھوں کھلا
شریعت کے عالم میں مجبور ہیں — نہیں اپنے نزدیک ہم دور ہیں
اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں — تمہارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں
ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور — نہیں نیک و بد پر تمہیں اپنے غور
کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں — سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں
ولے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ — وگرنہ گھمنڈ آپکا کیا ہے یہ
بس ہم کو ہے پاسِ شرعِ رسول — سو اس واسطے کرتے ہیں ہم قبول
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اِک اچھی سی تاریخ ٹھہرائیے — دیا حکم ہم نے تمہیں آئیے
گیا ایلچی لیکے نامہ اودھر — اُڑی ہر طرف یہ خوشی کی خبر
سنی یہ جو نامہ کی گفت و شنید — ہوئی شاہزادے کو گویا کہ عید
کشادہ ہوئے دل جو تھے غم سے تنگ — اُسی دن سے ہونے لگے راگ و رنگ
ہوئیں برطرف سب دل آزاریاں — لگیں ہونے شادی کی تیاریاں
بلا شگنیوں کو بتا سال و سن — مقرر کیا نیک ساعت کا دن

داستان بینظیر اور بدر منیر کے بیاہ کی اور اُسکے تجمل میں

کدھر ہے تو اے ساقی گلبدن — دھری آج اُس شمع رو کی لگن
بلا مطربانِ خوش آواز کو — کہ آویں لئے اپنے سب ساز کو
وہ اسباب شادی کا تیار ہو — مکرر نہ پھر جس کی تکرار ہو
بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز — چڑھا بیاہنے وہ مہِ شب فروز
محل سے نکل جب ہوا وہ سوار — بجے شادیانے بہم ایک بار
کروں اُس تجمل کو کیونکر عیاں — کہ باہر ہے تقریر سے یہ بیاں

وہ دولہا کے اُٹھتے ہی اک غل پڑا — لگا دیکھنے اُٹھ کے چھوٹا بڑا

کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا — کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

لگا کہنے کوئی اِدھر آئیو — اَرے رتھ شتابی مری لائیو

کسی نے کسی کو پکارا کہیں — زنانے میانے کے لا کہیں

کوئی پالکی میں چلا ہو سوار — پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار

جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں — کوئی مانگے تانگے پہ بیٹھا کہیں

سپر اور قبضے کھڑکنے لگے — سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے

گھمکیں وہ نوبت کی اور اُنکے بعد — گرجنا وہ دھونسوں کا مانندِ رعد

وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں — جنہیں گوشِ زہرہ مفصل سنیں

ہزاروں تماشی کے تختِ رواں — اور اہلِ نشاط اُن پہ جلوہ کناں

وہ طبلوں کا بجنا اور اُنکی صدا — یہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا

وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار — وہ موتی کا سہرا جواہر نگار

ٹھٹھک کر وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل — ہُما کے وہ دونوں طرف مورچھل

وہ فانوسیں آگے زمرد نگار — کہ ہو سبز مینا جنہوں پر نثار

دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے — پتنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے

ہوا دل جو روشن چراغاں سے — پڑھے شعر نوری کے دیوان سے

چراغوں کے تڑپتے جا بجا — اور اُن میں وہ بازاریوں کی صدا

کوئی پان بیچے کھلونے کوئی — کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی

تماشائیوں کا جُدا اک ہجوم — پتنگے گریں جوں چراغاں پہ جھوم

کھڑکنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ — گرجنا وہ دھونسوں کا ڈنکوں کے ساتھ

براتی اِدھر اور اُدھر جوق جوق — وہ آوازِ قرنا وہ آوازِ بوق

وہ کالے پیادے اور اُنکی نفیر — کہ تا چرخ پہنچے صدا اُنکی چیر

وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے — وہ ہاتھی کہ جو دیو تھے جنگ کے

وہ ابرک کی ٹٹی وہ مینے کے جھاڑ — کہے تو کہ تکیے کی اوجھل پہاڑ

دو رستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت

وہ رنگیں درخت اور شمع و چراغ — کھلے جس طرح لالۂ نور باغ

جہاں تک نظر آوے اُنکی قطار — طلسمات کی سی ہوا پر بہار

اناروں کا دغنا ہوائی کا زور — ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور

اڑایا ستاروں کو جو آگ نے — تو ہاتھی لگے سونے بن جاگنے

وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار — ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار

دھواں چھپ گیا نور میں نور ہو — سیاہی اُڑی شب کی کافور ہو

سراسر وہ ہر طرف مشعل کے جھاڑ — دھوئیں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ

زری پوش سردار سب گرد گرد — پھریں برق کی طرح اِدھر اور اُدھر

کہے تو کہ نزدیک اِن دور سے — زمین و زماں بھر گیا نور سے

جب آئی وہ دولہن کے گھر پر برات | کہوں اُن کے عالم کی کیا تم سے بات
ہوا اُنکی صحبت کو رشکِ بہشت | دھرے لخلخے گرد عنبر سرشت
کھڑے بادلوں کے وہ خیمے بلند | کریں عالمِ نُور جس کو پسند
عجب مسند اِک جگمگی اور فرش | تمامی کے عالم کا چوکور فرش
بلوریں دھرے شمعداں بیشمار | چڑھیں موم کی بتیاں جا بجا
نئے رنگ کے اور نئے طور کے | دھرے ہر طرف جھاڑ بلّور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت کہ بس | ملے ایک سے ایک سب بیٹھ واں
دو زانو زری پوش بیٹھے تمام | شرابِ خوشی کے پیے سب نے جام
وہ دولہا کا مسند پہ جا بیٹھنا | برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا
طوائف کا اُٹھنا اِک انداز سے | دکھانا وہ آ صورتیں ناز سے
کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں | قدیمی کسی وقت کا سا سماں
وہ اربابِ عشرت کا آپس میں مل | جمانا کھڑے راگ کا دیکھ دل
وہ امین کی تانیں ادھر اور اُدھر | ملے سُر طنبوروں کے یکدگر
اور اُس صف سے اِک چھوکری کا نکل | جتانا ہُنر اپنا پہلے پہل
اُلٹنا وہ ٹھوکر کو دے دیکے تال | وہ بوٹا سا قد اور کہرت کی چال
کبھی پر ملو کی دِکھائی ادا | کہ جُوں لوٹکر بجلی ہو دو ہوا
کبھی گت بھری ناچنا ذوق سے | کہ تیورا کے عاشق گرے شوق سے

ادھر کی تو یہ گت اور اُسکا یہ بھاؤ | اُدھر اوٹ میں نائکہ کا بناؤ
کھڑے ہو کے دو گھونٹ حُقّے کے لے | چبا پان اور رنگ ہونٹوں پہ دے
انگوٹھے کی لے سامنے آرسی | وہ صورت کو دیکھ اپنی گلزار سی
اُلٹ آستیں اور مُہری کا چاک | نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک
اُٹھا کنگھی اور کرکے ابرو درست | جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چست
دوپٹے کو سر پر اُلٹ اور سنبھل | یکایک وہ صف چیر آنا نکل
پکڑ کان اور گھنگروؤں کو اُٹھا | پہن پاؤں میں اپنے سر سے چھوا
اِدھر اور اُدھر رکھکے کاندھی پہ ہاتھ | چلے ناچتے آنا سنگت کے ساتھ
فتح چند کے ہاتھ کی مُورت ایک | لجائی ہوئی چاند سی صُورت ایک
کبھی ناچنا اور گانا کبھی | رجھانا کبھی اور بتانا کبھی
خوش آوازیوں سے وہ گانا خیال | دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال
وہ شادی کی مجلس وہ گانے کا رنگ | وہ جی کی خوشی اور دل کی ترنگ
وہ پھولوں کے گہنے وہ شادی کا ہار | وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار
وہ ہیروں کے تختے پڑے ہر طرف | غمِ دل جسے دیکھ ہو برطرف
اُدھر کا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ | محل میں اُدھر ہو رہا تھا سہاگ
سجے کی وہ شادی مبارک وہ ڈھول | وہ ٹونے سلونے وہ چٹکے سے بول
اُترنے کی واں سحر سنو کی پھبن | کھلیں پھول جیسے چمن در چمن

گلے میں پہنا وہ بسن بسن کے ہار
ستاسٹ وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار

دکھانا وہ دلہن بنے کے اپنا بناؤ
وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ

قہاقے ہنسی شور و غل تالیاں
سہانی سہانی نئی گالیاں

غرض کیا لکھوں تاب مجھ میں نہیں
نہ دیکھیگا عالم یہ کوئی کہیں

داستان نکاح ہونا بینظیر کا ساتھ بدرمنیر کے اور شادی نجم النسا کی پریزاد سے اور رخصت ہونا آپس میں

جھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا
مجھے مدّ لب کے شربت پلا

کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں
کہ پھر میں گلے کا ترے ہار ہوں

ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان
پلا سب کو شربت دیے ہار پان

اٹھا پھر تو نوشاہ بعد از نکاح
محل میں بلانے کی ٹھہری صلاح

چلا یوں وہ دولہا دولہن کیطرف
اڑے جیسے بلبل چمن کی طرف

وہاں تک پہنچتے ہوئے کیا کہوں
ہوئی دل لگی لاکھ بہتر شگوں

ہوا لیکن اس وقت دونا مزا
کہ دولہا دولہن جب ہوئے ایکجا

خوشی وہ گہنا وہ سوہا لباس
وہ مہندی سہانی وہ پھولوں کی باس

کلا رخ جوڑے پہ عطر سہاگ
کھلے مل کے آپس میں دونوں کے بھاگ

دکھا مصحف اور آرسی کو نکال
دھرا بیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال

نہ تھا وصل اس طرح کا دھیان میں
خدا نے کیا آن کی آن میں

عجب قدرت حق نمایاں ہوئی
جسے آرسی دیکھ حیراں ہوئی

وہ جلوے کا ہونا وہ شادی کی دھوم
وہ آپس میں دولہا دولہن کی رسوم

کسی نے لپائی زمیں آن کر
کوئی گالیاں دیگئی جان کر

سہاگا گئی کان کوئی لگا
گئی کوئی دولہن کی جوتی چھپا

دلہن وہ جو بیٹھی تھی شیریں بڑی
نبات اس کی چٹنی بنے کو پڑی

چٹائی نبات اسکو اس گھات سے
کہ ڈھمگا دیا ہر گھڑی بات سے

زبس دل تو تھا اس کا ہر جا پہ بند
سبھی جاے اس نے چکھی کر پسند

اٹھائی ڈلی اس کی آنکھوں سے یوں
کریں نوش بادام شیریں کو جوں

ڈلی وہ جو ہونٹوں کی تھی لب تلی
وہ مصری کی تھی دانہ ڈالی ڈلی

کمر سے اٹھائی ڈلی اس طرح
کہ ہاں ہو نہیں کی نہیں جس طرح

ذرا پاؤں پر کی اٹھانے ڈلا
نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا

یہ ظاہر کی تکرار تھی بار بار
کہ پر دل اس پاؤں پر تھا نثار

عجب طرح کی رنگ رلیاں ہوئیں
کہ بانٹیں وہ مصری کی ڈلیاں گئیں

وہ سب ہو چکی جب کہ رسم و رسوم
سواری کی ہونے لگی تب تو دھوم

سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت
وہ دولہن کی رخصت وہ رونے کا وقت

کھڑے سب کا لاچار منہ دیکھنا
کہ یارب یہ کیا ہے جہاں دیکھنا

وہ دولہن کا رو رو کے ہونا جدا
وہ ماں باپ کا اور رونا جدا

نکلتے وہ جانا محل سے جہیز
کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز

یہاں موت ہے اہل عرفان کو
کہ جانا ہے اک دن یونہیں جان کو

وہ جو دردمندی کے ہیں آشنا
وہ شادی سمجھتے ہیں غم کا مزا

وہ دولہا نے دولہن کو گودی میں لا
بٹھایا محافے میں آخر کو جا

چلے لیکے چنڈول جس دم کہار
ہوا دو طرف سے زر اس پر نثار

کھڑے تھے جو واں چشم کو تر کئے
سو موتی انہوں نے نچھاور کئے

ادھر اور ادھر اپنے سہرے کو چیر
وہ اک چاند سا منہ دکھا بے نظیر

سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شتاب
کہ جوں صبح ہووے بلند آفتاب

دکھاتا ہوا حشمت و عظم و شان
لئے ساتھ ساتھ اپنے نوبت نشان

وہ پیچھے تو چنڈول ہیں رشک ماہ
اور آگے وہ خورشید عالم پناہ

پھرا گھر کو اپنے قدم با قدم
سواری لگا گھر میں اترا صنم

غرض اس طرح جب وہ دولہن بیاہ
لے آیا جہاں اس کی تھی عیش گاہ

ہوئی وہ جو ہوتی ہیں رسم رسوم
کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم

اٹھایا اسی دھوم میں لگتے ہاتھ
پریزاد کا بیاہ جوگن کے ساتھ

وہ نجم النسا تھی جو دخت وزیر
لگی اس کے والد کنے بے نظیر

کہا باپ کو اس کے اے خیر خواہ
مرا بھائی ہے ایک فیروز شاہ

سو میں تجھ سے رکھتا ہوں اک التجا
کہ تو اس کو فرزندی میں اپنی لا

غرض ہر طرح کر رضا مند اسے
کیا حال پر اپنے پابند اسے

پریزاد تھا وہ جو فیروز شاہ
دیا اس کو نجم النسا سے بیاہ

اسی دھوم سے اور اسی فوج سے
اسی شان سے اور اسی اوج سے

وہی سب تجمل وہی سب رسوم
ہوئی تھی جو کچھ بیاہ میں سب کی دھوم

دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں
برابر رہی تھی جو دن رات میں

اسی طرح اس کو بیاہا غرض
جو کچھ قول تھا سو نباہا غرض

خدا راست لایا انہوں کے جو کام
بر آئے دلوں کے مطالب تمام

ہوئیں متصل یہ جو دو شادیاں
بسیں ایک جا چار آبادیاں

پھر اُن دن تو اپنے وطن کو پھرے
وہ آشفتہ بلبل چمن کو پھرے

خوشی سے لئے عزت و جاہ و مال
چلے شہر کو اپنے وہ حال حال

وہ نجم النسا اور فیروز شاہ
فلک پر سے ہو مثل خورشید و ماہ

رضا ان سے لیکر اسی آن میں
گئے اپنے وہ خرم پرستان میں

یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے
کہ گو تم ادھر اور ہم ادھر گئے

مگر اس غم سے مت ہوجیو سینہ ریش
کہ ہم تم سے ملتے رہیں گے ہمیش

تسلی وہ دیکر ادھر کو چلے
یہ ادھر سے لے اپنا لشکر چلے

داستان منیظر کی بدر منیر کو اپنے وطن لیجانے اور ماں باپ سے ملاقات کرنے میں

پلا ساقیا آخری ایک جام | کہ ہوتی ہے اب یہ کہانی تمام
وہ نزدیک پہنچے جب اس شہر کے | کیا پاس جا خیمہ اک نہر کے
کیا جبکہ خلقت نے تفتیش حال | اور آنکھوں سے دیکھا جو بدر کمال
پڑا شہر میں یک بیک پھر یہ غل | کہ غائب ہوا تھا سو آیا وہ گل
خبر یہ ہوئی جبکہ ماں باپ کو | کیا گم انہوں نے وہیں آپ کو
نہیں دل تو تھا یادہی سے بھرا | یہ سن ہاتھ اور پاؤں گئے تھرتھرا
لگے رونے آپس میں زار و نزار | کہا ہائے ہم کو نہیں اعتبار
بلا دینگے ہم سے ہمارا حبیب | یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب
یہ ہوگا کوئی دشمن ملک و مال | سو میں آپ ہی ہوں گرفتارِ حال
کوئی اس کا وارث تو آخر نہیں | وہی لیکے جاوے یہ جھگڑا نہیں
کہا سب نے صاحب چلو تو سہی | یہ بیٹا تمہارا وہی ہے وہی

مگر سنا جبکہ بیٹے کا ناؤں | چلا پھر تو روتا ہوا ننگے پاؤں
وہ آتا تھا جیسے کہ بیٹا ادھر | پڑی باپ پر جو نہی اک نظر
جونہیں اپنے کعبہ کو دیکھا وہاں | چلا سر کے بل بے نظیر جہاں
گرا پاؤں پر کہہ کے یہ باپ کے | خدا نے دکھائے قدم آپ کے
سنی یہ صدا جونہیں اس ماہ کی | تو اس غم رسیدہ نے اک آہ کی
اٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا | لپٹ کر کھڑا دیر تک خوب سا
یہ رویا یہ رویا کہ غش کر چلا | کہے تو کہ آنسو کا لشکر چلا
ملے پھر تو آپس میں وہ خوب سے | کہ یوسف ملے جیسے یعقوب سے
وہ گلرو شگفتہ ہوا گل کی طرح | یہ گل کی طرح اور وہ بلبل کی طرح
ہوئے شاد و خرم صغیر و کبیر | چلے لیکے نذریں امیر و وزیر
عیش سے سب کو مستی ہوئی | نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے | بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے
وہ پھولا جو تھا ہجر کے داغ میں | ہوئے جا کے داخل اسی باغ میں
زنانی سواری اتر کے ساتھ | پکڑ اس گلِ نو شگفتہ کا ہاتھ
درآمد ہوا گھر میں سرو رواں | لیے ساتھ اپنے وہ غنچہ دہاں
کہ رستے میں آگے نظر جو پڑی | تو دیکھا کہ ہے ماں کھڑی
بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار | گرا ماں کے پاؤں پہ بے اختیار

وہ ماں خوب بیٹے کے لگ کر گلے / یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
ہوا اور بیٹے کو چھاتی لگا / وہ دونوں کی دو ہاتھ سے لے بلا
ہوئی جان و جی سے اُن پر نثار / پیا پانی اُن دونوں پر وار وار
جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ / بجھے وصل سے ہجر کے وہ چراغ
سب آپس میں ہنسنے لگے مل ملا / پھرا اُس چمن میں وہ گل کھلکھلا
وہ آنکھیں جو اندھی تھیں روشن ہوئیں / زمینیں جو تھیں شور گلشن ہوئیں
سب باپ ماں کو تھی سہرے کی چاہ / دوبارہ اُنہوں نے کیا اُن کا بیاہ
لکھوں گر میں اس بیاہ کی دھوم دھام / تو پھر یہ کہانی نہ ہووے تمام
بنا تھی تقدیر کا جو بناؤ / نکالے اُنہوں نے یہ سب دل کے چاؤ
وہ جیسی کہ اُس باغ میں تھی خزاں / بسے آکے پھر اُس میں سب گلرخاں
محل میں عجائب ہوئے چہچہے / وہ مرجھائے گل پھر ہوئے لہلہے
ہوا شہر پر فضل پروردگار / وہی شاہزادہ وہی شہریار
وہی لوگ اور وہ ہی چرچے تمام / وہی ناز و انداز کے اپنے کام
وہی بلبلیں اور وہی بوستاں / شگفتہ گل و مجمع دوستاں
اُنہوں کے جہاں میں پھرے جیسے دن / ہمارے تمہارے پھریں ویسے دن
ملیں سب کے بچھڑے الٰہی تمام / بحق محمد علیہ السلام
ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد تم / رہیں شہر میں اپنے آباد ہم

رہے شاد نواب عالی جناب / کہ ہے آصف الدولہ جن کا خطاب
خوشی اُس کی ہو سو ہو باغ مراد / رہے روشن اس کا چراغ مراد
بحق حسین و بنام حسن / رہوں شاد میں بھی غلام حسن
ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا / کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
نہیں عمر کی اس کہانی میں صرف / تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گئی موں میں پیر / تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی / مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان / نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیان
رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام / کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا / تب اس طرح رنگیں یہ مضموں کیا
اگر واقعی غور تک کیجیے / صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیجیے
جو کوئی جس نے اُسکو سنا یہ کہا / حسن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف سنینگے کہینگے ابھی / نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی
مرے ایک مشفق ہیں مرزا قتیل / کہ ہیں شاہراہِ سخن کے دلیل
سنی مثنوی جب یہ مجھ سے تمام / دیا اُس کی تاریخ کا انتظام
پس شعر کہتے ہیں وہ فارسی / ہر اک شعر ان کا ہے جوں آرسی
اُنہوں نے شتابی اُٹھا کر قلم / یہ تاریخ کی فکر کی یوں رقم

تاریخِ طبعزادِ مرزا قتیل

بہ تفتیشِ تاریخِ ایں مثنوی | کہ گفتش حسن شاعرِ دہلوی
زدم غوطہ در بحرِ فکرِ رسا | کہ آرم بکف گوہرِ مدعا

بگوشم زہاتف رسید ایں ندا
برین مثنوی باد ہر دل فدا

تاریخِ طبعزادِ مُصحفی

میاں مُصحفی کو جو بھایا یہ طور | انہوں نے بھی کی فکر از راہِ غور
کہی اس کی تاریخ یوں برمحل | یہ نسخہ نہ چین ہے بے بدل

تاریخِ فخر الدّین ماہر کی

سُنی جب کہ ماہر نے یہ مثنوی | تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وُہیں پا کر فرح | ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح